توبۃ النصوح

مولوی نذیر احمد

Tobat-ul-Naswah
Nazeer Ahmad
Delhi: Kutub Khana Nazeeria;

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الہی خلعت[۱] ہفت پارچہ حواس[۲] خمسہ و عقل و روح سے سرفرازی دی ہے تو منصب[۳] ایمان داری بھی عطا کر کہ خطاب اشرف المخلوقات[۴] میری حالت کے مناسب ہو۔

لہ اگلے زمانے میں بادشاہ کسی سے خوش ہوتے تو اس کو اپنا اتارن انعام دیتے۔ یہی ہے اصل خلعت اب اتارن کی قید نہیں رہی شال دوشالے کپڑے تھان خلعت میں دیئے جاتے ہیں۔ ہفت پارچہ سات کپڑے۔ سات کپڑوں کا خلعت بھاری اور معزز سمجھا جاتا ہے ۲ دیکھنے سننے سونگھنے۔ چکھنے۔ چھونے کی پانچ قوتیں حواس خمسہ کہلاتی ہیں ۳ سرفرازی سربلندی۔ عزت۔ خدمت کے درجے کو منصب کہتے تھے اب تنخواہ بے خدمت کو منصب کہنے لگے ہیں بادشاہ جو کسی کا تعریفی نام رکھدے خطاب کہلاتا ہے ۴ اشرف المخلوقات یعنی خدا نے جتنی چیزیں دنیا میں پیدا کی ہیں سب میں آدمی عمدہ اور معزز ہے۔ یہ جملہ دعائیہ ہے یعنی اے خدا تو نے پانچ حواس چھٹی عقل ساتویں روح کا خلعت ہفت پارچہ دیا ہے تو ایمان داری کا منصب بھی دے کہ میں جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہوں یہ خطاب مجھ کو پھبے ۱۲

خداوند اپنے حبیب[۳] کا امتی بنانے سے امتیاز[۴] بخشتا ہے تو تقرب[۵] عبادت بھی نصیب کر کہ الطاف کریمانۂ شفاعت اور عواطف[۱] خسروانۂ رحمت کی مجھ کو قابلیت ہو۔ آدمی اگر اپنی حالت میں تامل[۲] صحیح[۳] کرے تو اس سے زیادہ عاجز و درماندہ[۴] و مبتلا[۵] کوئی مخلوق نہیں ہ

گرت[۱] چشم خدا بینی ببخشند ۔ نہ بینی ہیچ[۲] کس عاجزتر از خویش

کلہم[۱] ساٹھ یا ستر برس تو باعتبار اوسط[۲] اس کی میعاد حیات اور مدت قیام و ثبات ہے وہ بھی شروع سے آخر تک ہر لحظہ عرضۂ[۳] خطر[۴] ہر لمحہ ہدف آفت۔ آدھی عمر تو وہ سونے اور کاہل اور بے کار پڑے رہنے میں ضائع کر دیتا ہے باقی بچے تیئیس[۲] یا پینتیس برس اسی میں اس کی طفولیت ہے اور اسی میں اس کی جوانی اور پیری کم

---

۳ حبیب کے معنی دوست۔ یہاں حضرت پیغمبر صاحب مراد ہیں۔ ۴ امتیاز۔ عزت۔ ۵ تقرب نزدیکی۔ مطلب یہ ہے کہ اے خدا تو نے یہ خصوصیت تو عنایت کی کہ پیغمبر آخر الزماں کی امت میں پیدا کیا مگر اب ایسا ہو کہ تیری بندگی کر کے تجھ سے نزدیکی حاصل کروں تاکہ پیغمبر صاحب کی شفاعت اور تیری رحمت کا مستحق ہوں ۱۲ ۱ مہربانیاں ۲ فکر ۳ درست ۱۲ ۴ تھکا ہوا عاجز ۱۲ ۵ مصیبتوں میں پھنسا ہوا ۱۲ ۱ اگر تجھ کو ایسی آنکھیں دی جائیں کہ خدا نظر آنے لگے تو تو جانے کہ تو ہی سب سے زیادہ عاجز ہے ۱۲ ۲ ہیچ کے راس کی یعنی مثلاً کسی کی ستو کسی کی پچاس کی کسی کی تیئس تو اوسط ہوا ساٹھ ۱۲ ۳ عرضہ اخذ ہدف مرادف یعنی ہم معنی ہیں نشانہ عرضہ خطر یعنی خوف کے تیروں کا نشانہ ۱۲

سے کم دس برس طفلی اور زرماندگی علالت و پیری کے بھی سمجھ لینے چاہئیں غرض ساری زندگی میں بتیس ۲۰ یا پچیس ۲۵ برس کام کاج کے دن ہیں۔ مگر کتنے کام۔ کتنی ضرورتیں۔ کسقدر بکھیڑے۔ کیسے مخمصے۔ خدا کی پرستش مذہب کی تلاش۔ کسب کمال۔ فکر معاش۔ بزرگوں کی خدمت۔ اولاد کی تربیت۔ بیماروں کی عیادت۔ احباب کی زیارت۔ تقریبات کی شرکت۔ شہروں کی سیر ملکوں کی سیاحت مُردوں کا رونا۔ جدائی کا ماتم۔ مولود[54] کی خوشی۔ ملاقات کی فرحت۔ دفع مضرت[55]۔ جلب منفعت۔ گزشتہ[56] کا احتساب۔ آئندہ کا انتظام۔ مسرت بہبود۔ ہوس نام و نمود۔ تاسف نقصان۔ حسرت زیان۔ تلافی[57] مافات۔ پیش[58] بینی مستقبلات۔ دوستوں سے ارتباط۔ دشمنوں سے احتیاط۔ آبرو کا حفظ[59]۔ ناموس کا پاس۔ مال کی نگہداشت۔ محاصل کا احراز[60]

زندگی[61] ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اس ضیقِ[62] فرصت پر کاموں کا اتنا ہجوم یعنی فراغ دل مفقود[63]۔ اطمینان

---

[54] مولود یعنی کسی کے پیدا ہونے کی ۱۲ [55] نقصان کا دور کرنا ۱۲ [56] فائدے کا کھینچنا کہ جانے نہ پائے ۱۲ [56] یعنی عمر جو گزر گئی ہے اس کا حساب کرنا کہ ہم نے کیوں صرف ہوئی ۱۲ [57] جو چیز فوت ہو گئی مثلاً نماز اس کا معاوضہ ۱۲ [58] جو اتفاقات پیش آنے والے ہیں ان کو پہلے سے دیکھ لینا ۱۲ [59] حفاظت ۱۲ [60] لفظی معنی گھیرنا کہ کہیں نکل نہ جائے ۱۲ [61] خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور غزل کا شعر ہے یعنی زندگی ہے یا آفت ہے ہم کو تو اس زندگی نے گویا مار ڈالا ۱۲ [62] تنگی ۱۲ [63] گم۔ ندارد ۱۲

خاطر معدوم ؎

فکرِ معاش و ذکرِ خدا یادِ رفتگاں
دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

ایک عقل اور دنیا بھر کی ذمہ داری سچ کہا ہے مصرع ع یک[1] عشق و ہزار گونہ خواری
اِنَّا عَرَضْنَا[2] الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا - اس کتاب میں انسان کے
اُس فرض کے بارے میں جو غلط فہمی عموماً عام لوگوں سے واقع ہو رہی ہے اُس کی
اصلاح ہو اور اُن کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ تربیت اولاد صرف اسی کا نام نہیں
ہے کہ پال پوس کر اولاد کو بڑا کر دیا روٹی کما کھانے کا کوئی ہنر ان کو سکھا دیا اس
کا بیاہ برات کر دیا بلکہ ان کے اخلاق کی تہذیب اُن کے مزاج کی اصلاح ان کی
عادات کی درستی اُن کے خیالات اور معتقدات کی تصحیح بھی ماں باپ پر فرض ہے۔
افسوس ہے کتنے لوگ اس فرض سے غافل ہیں۔ کوئی شخص تربیت اولاد کے فرض
کو پورا پورا ادا نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ خود اپنی شائستگی کا نمونہ ان کو نہیں دکھاتا
اور اولاد کے ساتھ اپنا برتاؤ محتسبانہ[3] طور کا نہیں رکھتا۔ پرلے سرے کی بیوقوفی ہی

---

[1] ایک عشق اور ہزاروں طرح کی ذلت ۱۲ [2] ہم نے امانت یعنی عقل کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو سب نے اس کے لینے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو لے لیا بے شک اس نے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کیا اور بڑا ہی نادان تھا ۱۲ [3] محتسب اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کے قول و فعل کی نگرانی کرے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں محتسب ایک سرکاری خدمت تھی ۱۲

اولاد کو اپنی کردار ناسزا کی بری مثالیں دکھانا اور اُن سے یہ توقع رکھنا کہ یہ لوگ بڑے ہو کر زبانی پند یا کتابی نصیحت پر کاربند ہو کر صالح اور نیک وضع ہوں گے۔ بہت لوگ اولاد کے ساتھ غایت درجے کی شیفتگی[۵۴] پیدا کر لیتے ہیں۔ اور بمصداق وحبک[۵۵] الشیٔ یعمی ویصم ان کو اولاد کے عیوب پر آگہی نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو عیب کو عیب سمجھ کر نہیں۔ بمقتضائے عمر یا نتیجہ ذہانت یا دوسرے طور پر اس کی تاویل کر کے ان کی خرابیوں سے درگزر اور چشم پوشی کیا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں یہ خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ اس طرح کی غلطیوں پر لوگوں کو تنبیہ[۵۶] ہو۔ یہ کتاب لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح یقین کرا دے گی کہ تربیت اولاد ایک فرض موقت ہے یعنی لڑکے جب تک کم سن اور صغیر ہیں تربیت پذیر ہیں اور بڑے ہوئے پیچھے ان کی اصلاح مشکل یا متعذر بلکہ محال ہو جاتی ہے۔ ارادہ یہی تھا کہ بلا تخصیص مذہب تلقین[۵۷] حسن معاشرت اور تعلیم نیک کرداری و اخلاق کی ضرورت لوگوں پر ثابت کی جائے لیکن نیکی کو مذہب سے جدا کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص رُوح کو جسد[۵۸] سے یا بو کو گل سے یا نور کو آفتاب سے یا عرض[۵۹] کو جوہر سے یا ناخن کو گوشت سے علیحدہ اور منفک[۶۰] کرنے کا قصد

---

۵۴ بیقراری کی محبت ۱۲ ۵۵ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے۔ مصرا کے یہ معنی کہ عربی کی کہاوت کے مطابق ۱۲ ۵۶ آگہی ۱۲ ۵۷ لوگوں کے ساتھ اچھی طرح مل جل کر رہنے کی تعلیم ۱۲ ۵۸ بدن ۱۲ ۵۹ جو چیز اپنی ذات سے قائم ہو جوہر ہے جیسے کپڑا جوہر کے مقابل عرض ہے جیسے کپڑے کا رنگ ۱۲ ۶۰ جدا ۱۲

کرے۔ ادھر تو انضمام مذہب ایک امر ناگزیر ہے اور اُدھر اختلاف مذہب جو اس ملک میں اس کثرت سے پھیلا ہوا ہے کہ گویا ہر کوڑی آدمی ایک جدا مذہب رکھتے ہیں آنکھیں دکھا رہا ہے۔ لوگوں میں ہی اس بلا کا تعصب آگیا ہے کہ کیسی ہی اچھی بات کیوں نہ کہی جائے دوسرے مذہب والے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جَعَلُوا اَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مضمون جس کو میں نے ایک فرضی قصے اور بات چیت کے طرز پر لکھا ہے مذہبی پیرایہ سے تو خالی نہیں اور خالی ہونا ممکن نہ تھا لیکن تمام کتاب میں کوئی بات ایسی بھی نہیں ہے جو دوسرے مذہب والوں کی دل شکنی یا نفرت کا موجب ہو بلکہ جہاں جہاں ضرورۃً مذہبی تذکرہ آگیا ہے وہ ایسے طور کا ہے کہ دوسرے مذہب والے بھی اس طرح کے عقیدے رکھتے ہیں صرف اصطلاح و عبارت کا تفرقہ ہے لا مشاحۃ فی الاصطلاح مثلاً مسلمانوں کی نماز وہی ہندوؤں کی پوجا پاٹھ ہے۔ مسلمانوں کا روزہ ہندوؤں کا برت مسلمانوں کی زکوٰۃ ہندوؤں کا دان پن وقس علیٰ ہذا ایں یہ قصہ اگرچہ ایک مسلمان خاندان کا ہے مگر بتغیر الفاظ ہندو خاندان بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

ف ضروری ۱۲ ف ایضاً ۱۲ ف جس طرح بارہ ۱۲ کا ایک درجن بیس کا ایک کوڑی ۱۲ ف کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں ۱۲ ف ایک لفظ کے جو ایک معنی ٹھہرا لیے جائیں اصطلاحی معنی کہلائیں گے جیسے ضرب کے معنی مارنا لیکن علم حساب میں ایک عدد کو دوسرے عدد کی قدر گن کر جوڑ لینا مثلاً دو کو پانچ دفعہ گن کر جوڑ لینے سے دس حاصل ہوئے اس کو کہتے ہیں دو کو پانچ میں ضرب دینا ۱۲ ف اصطلاح ٹھہرا لینے کا ہر ایک کو اختیار ہے اس میں کیوں عذر ہونے لگے ۱۲ ف اسی پر اور چیزوں کو بھی قیاس کر لو ۱۲ ف لفظوں کے بدل دینے سے ۱۲

خاندان جو فرض کیا گیا ہے اُس میں دو میاں بی بی ہیں۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ ایک بیٹی تو پکی عمر کے ہیں اور بیاہے جا چکے ہیں اور لاجرم[1] ان کی عادتیں راسخ[2] اُنکی خصلتیں لطبیعۃ[3] ہیں۔ منجھلا بیٹا اگرچہ عمر اس کی بھی کم نہیں لیکن اس نے مدرسے میں تعلیم پائی ہے اور وہ صرف صرفِ[4] توجہ کا محتاج ہے جیسے گھوڑا کہ بے راہ چلا جا رہا ہے اس میں رفتار پیدا کرنے کی ضرورت نہیں باگ کا موڑ دینا کافی ہے منجھلی لڑکی کمسن ہے وہ عمر کے اُس درجے میں ہے جب بچوں کی قوتِ تفتیش[5] و تلاش تیز اور نقل کرنے کی اُمنگ بر سرِ ترقی ہوتی ہے۔ وہ بھولے پن سے اس طرح کے سوالات کرتی اور سادہ دلی سے ایسی ایسی باتیں پوچھتی ہے کہ ماں قائل ہو ہو جاتی ہے جس طرح پر اس خاندان کے لوگ زندگی کرتے ہوئے فرض کئے گئے ہیں وہ ایک سچا بلا تصنع[6] نمونہ ہے اس زمانہ کے ہر ایک خاندان مدعی[7] شرافت کے طرز ماند و بود[8] کا ایسا فرض کیا گیا ہے کہ رئیس البیت یعنی خاندان کا سرگروہ جس کا نام نصوح ہے ایک وبائی ہیضے میں مبتلا ہوا اور اس کی حالت ردی[9] اسقدر ہوتی گئی کہ اس کو اپنے مرنے کا یقین کرنا پڑا اور چونکہ اسی وبا میں چند روز پہلے اُسی گھر کے تین آدمی مر چکے تھے اور شہر میں موت کی گرم بازاری تھی

ف۱ ضرور۔ البتہ ۱۲ ف۲ پکی جمی ہوئی ۱۲ ف۳ بے اختیاری باتوں کی طرح جیسے سونا سانس لینا ۱۲ ف۴ توجہ کے پھیر دینے ۱۲ ف۵ جستجو اور دریافت کرنے ۱۲
ف۶ بے بناوٹ ۱۲ ف۷ شرافت کے دعوے دار ۱۲ ف۸ رہنے سہنے ۱۲
ف۹ خراب ۱۲

تو ایسی حالت میں نصوح کا اپنی نسبت موت کا تیقن ایک معمولی بلکہ ضروری بات ہے۔ نصوح کو ڈاکٹر نے جو اس کا معالج تھا خواب آور[۱۰] دوا دی تھی وہ سو گیا اور اُس کے اگلے پچھلے خیالات ایک خواب بن کر اُس کے سامنے آموجود ہوئے۔ خواب جو نصوح نے دیکھا تمام قصّے کی جان ہے حشر[۱۱] اور اعمال نامہ اور حساب قبر کی تکلیف اور دوزخ کا عذاب یعنی قیامت کے حالات جن کا اپنے مذہب اسلام کے مطابق معتقد تھا خواب میں اُس کو واقعات نفس الامری[۱۲] دکھائی دیئے۔ جاگا تو خائف و ہراساں[۱۳]۔ بیدار ہوا تو ترساں و لرزاں خوف کا نتیجہ اور ہراس کا اثر جو نصوح پر مترتب ہوا قصّے کے پڑھنے سے ظاہر ہو گا اس نے نہ صرف اپنے نفس کی اصلاح کی بلکہ سارے خاندان کی اصلاح کو اپنے ذمے فرض و واجب سمجھا چونکہ خاندان کے چھوٹے بڑے سب اس طرز جدید سے ناآشنا تھے لنفس[۱] واحدۃ[۳] نصوح کے مقابلے پر کمر بستہ ہو گئے اور اس کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں لیکن چونکہ نصوح کے ارادے میں استحکام[۲] اور اُس کے دل کو خدا کا بھروسا تھا وہ غالب آیا مگر مشکل سے۔

---

[۱۰] نیند لانیوالی ۱۲ [۱۱] لوگوں کا مرے پیچھے زندہ کیا جانا تاکہ جو کچھ دنیا میں کر گئے ہیں خدا کو اس کا حساب دیں ۱۲ [۱۲] یعنی ایسی باتیں جو سچ مچ ہو رہی ہیں ۱۲ [۱۳] خوف زدہ ۱۲ [۱] سب کے سب ایسے مل گئے کہ گویا ایک ہی شخص ہیں ۱۲

[۲] مضبوطی ۱۲

اُس کو ظفر[۳] ہوا مگر دشواری سے کیونکہ اولاد میں جو جتنا عمر رسیدہ تھا اسی قدر عسیر الانقیاد[۴] تھا۔ تربیتِ اولاد جس پر یہ کتاب لکھی گئی ہے ایک شعبہ[۵] ہے اس عام انسانی ہمدردی اور نفع رسانی کا جو ہر فرد بشر پر اس کی استطاعت[۶] کے قدر واجب ہے اس خصوص میں جتنی غفلت اور بے پروائی ہمارے ہموطنوں سے ہوتی ہے اصلی باعث اس ملک کے تنزل کا ہے لوگ مضمون ہمدردی سے اس قدر ناواقف ہیں کہ اس خصوص میں اُن کو بچوں کی طرح تعلیم کی حاجت ہے یہ کتاب اس تعلیم کی الجبد[۷] ہے کیونکہ اگر اولاد اور خاندان کی اصلاح انسان کے ذمے واجب ہے تو ضرور ان لوگوں کی اصلاح کا بھی وہ ذمہ وار ہے جو متعلق خدمت اُس کی نگرانی اور حکومت میں ہیں پھر خدم[۸] و عبید[۹] کے بعد اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ[۱۰] کے لحاظ سے ہمسائے پھر اہل محلہ پھر اہل شہر پھر ہموطن اور ہم ملک پھر مطلق ابنائے جنس[۱۱] سے

---

[۳] فتح ۱۲ [۴] مشکل سے دبنے والا ۱۲ [۵] شاخ ۱۲ [۶] طاقت مقدور ۱۲ [۷] الف بے تے ۱۲ [۸] خادم کی جمع۔ خدمت گار ۱۲ [۹] عبد کی جمع غلام یہ لفظ مسلمانوں کے خیال کے مطابق آگیا ہے ورنہ انگریزی عملداری میں غلاموں کا بیج مارا گیا کوئی کسی کو غلام بنائے تو سرکار کا گنہگار ٹھہرایا جائے ۱۲ [۱۰] پہلے قریب ترین پھر قریب تر پھر قریب یعنی قرابت داروں میں بھی ترتیب ہے جس کا رشتہ زیادہ پاس کا ہے اس کا حق بھی زیادہ ہے ۱۲ [۱۱] لفظی معنی اپنی جنس کے بیٹے یعنی مطلق انسان کسی ملک کسی مذہب کسی رنگ کے ہوں ۱۲

بنی آدم اعضائے یکدیگراند[۱۲]　　کہ در آفرینش زیک جوہراند

غرض ہمدردی کا ایک بڑا وسیع مضمون ہے مگر بالفعل اُس کے ابتدائی اور ضروری حصے سے آغاز کیا گیا ہے۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوفِیقِ[۱۳]

نذیر احمد وَفَّقَہُ اللّٰہُ التَّن وَدُّ لِغَد[۱۴]

---

[۱۲] آدم کے بیٹے یعنی سارے جہان کے آدمی ایک بدن کے جوڑ بند ہیں کیونکہ سب کی پیدائش ایک ہی اصل سے ہے ۱۲ [۱۳] اللہ توفیق کا مالک ہے یعنی توفیق کا دینا اسی کے اختیار میں ہے ۱۲

[۱۴] خدا اس کو ایسی توفیق دے کہ فردائے قیامت کے لئے کچھ زادِ راہ جمع کرے ۱۲۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک برس دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا آئی نصوح نے ہیضہ کیا اور سمجھا کہ مرا چاہتا ہے۔ یاس[1] کے عالم میں اسکو مواخذۂ عاقبت[2] کا تصور بندھا۔ ڈاکٹر نے اسکو خواب آور دوا دی تھی۔ سو گیا تو وہی تصور اسکو خوابِ موحش[3] بنکر نظر آیا۔

اب سے[4] دور ایک سال دہلی میں ہیضے کا اتنا زور ہوا کہ ایک حکیم بقا[5] کے کوچے سے ہر روز تیس[3] تیس چالیس چالیس آدمی چھپیجنے[6] لگے ایک بازار موت تو البتہ گرم[7] تھا ورنہ جدھر جاؤ سناٹا اور ویرانی۔ جس طرف نگاہ کرو وحشت و پریشانی۔

---

[1] ناامیدی ۱۲ [2] آخرت یعنی روز قیامت کی پکڑ اور بازپرس ۱۲ [3] ڈراونا خواب ۱۲ [4] یہ دعائیہ ہے یعنی خدا کرے کہ پھر نہ آئے ۱۲ [5] دہلی میں قاضی کے حوض کے پاس اب بھی حکیم بقا کا کوچہ موجود ہے اس میں حکیم بقاء اللہ خاں کے پوتے پڑدتے رہتے اور مطب کرتے تھے ۱۲ [6] گھٹنے کم ہونے ۱۲ [7] بازار میں رونق اور چہل پہل ہونے کو بازار کا گرم ہونا کہتے ہیں ۱۲۔

جن بازاروں میں آدھی آدھی رات تک کھوے سے کھوا چھلتا[8] ایسے اُجڑے
پڑے تھے کہ دن دوپہر جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ کٹوروں کی جھنکار[9]
موقوف۔ سودے والوں کی پکار بند۔ ملنا جلنا۔ اختلاط[10] و ملاقات۔ آمد و شد[11]
بیمار پرسی و عیادت[12]۔ بازدید[13] و زیارت[14]۔ مہماں نوازی و ضیافت[15] کل رسمیں لوگوں
نے اٹھا دیں۔ ہر شخص اپنی حالت میں مبتلا۔ مصیبت میں گرفتار زندگی سے
مایوس[16] جینے کو زندہ پر مردے سے بدتر۔ نہ دل میں ہمت۔ نہ ہاتھ پاؤں میں
سکت[17] یا تو گھر میں اٹوانٹی کھٹوانٹی[18] لے کر پڑ رہا یا کسی بیمار کی تیمارداری[19] کی
یا کسی عزیز آشنا کا مرنا یاد کر کے کچھ رو پیٹ لیا۔ مرگ مفاجات[20] حقیقت میں اُن
ہی دنوں کی موت تھی نہ نشان نہ گمان اچھے خاصے چلتے پھرتے یکایک
طبیعت نے مالش[21] کی پہلی ہی کلی[22] میں حواس خمسہ[23] مختل ہو گئے اِلّا ماشاء اللہ[24] کوئی

ف۸ کھوے سے کھوا چھلنا بھیڑ کی دلیل ہے ۱۲ ف۹ کٹوروں کے بجنے کی آواز دلی میں سقے کٹورے بجاتے ہوئے پانی پلاتے پھرتے ہیں ۱۲ ف۱۰ ملنا ۱۲ ف۱۱ آنا جانا ۱۲ ف۱۲ عیادت اور بیمار پرسی ہم معنی ہیں ۱۲ ف۱۳ و ف۱۴ اگر زید خالد سے ملنے جائے تو عرب کے محاورے میں کہتے ہیں کہ زید نے خالد کی زیارت کی پھر خالد زید سے ملنے آئے تو خالد کا آنا بازدید ہے ۱۲ ف۱۵ دعوت ۱۲ ف۱۶ ناامید ۱۲ ف۱۷ قوت۔ طاقت ۱۲ ف۱۸ منھ لپیٹ کر ۱۲ ف۱۹ علاج۔ دوا۔ درمن ۱۲ ف۲۰ ناگہانی موت ۱۲ ف۲۱ مشتعل ۱۲ ف۲۲ مراد ہے ایک دفعہ جو منہ بھر کرتے ہیں ایک کلی علم منطق میں ہوتی ہے۔ جنس۔ نوع۔ فصل۔ عرض عام۔ خاصہ جن کو کلیات خمسہ کہتے ہیں۔ کلی کے مقابل جزئی ہے جیسے انسان نوع کلی ہے اور ایک خاص آدمی مثلاً زید جزئی۔ پس کلی اور خمسہ اور جزئی کے الفاظ میں ایک لطف خاص ہے گویا منطق کا ضلع ہو گیا ۱۲ ف۲۳ اس کی صراحت دیباچے میں ہو چکی ہے ۱۲ ف۲۴ مگر جس کو خدا نے چاہا ۱۲

جزئی[۵۱] بچ گیا تو بچ گیا ورنہ جی کا متلانا اور قضائے[۵۲] مبرم کا آجانا پھر وصیت[۵۳] کرنے تک کی مہلت نہ تھی ایک پاؤ گھنٹے میں تو بیماری ونا دعا جان گئی اور مرنا سب کچھ ہو چکتا تھا۔ غرض اس طرح کی عالمگیر[۵۴] وبا تھی کہ گھر گھر اس کا رونا پڑا تھا۔ دو پورے دو مہینے کے قریب وہ آفت شہر میں رہی مگر اتنے ہی دنوں میں شہر کچھ ادھیا[۵۵] سا گیا صدہا عورتیں بیوہ ہوگئیں ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ جس سے پوچھو شکایت جس سے سنو فریاد مگر ایک نصوح جس کا قصہ ہم اس کتاب میں لکھنے والے ہیں کہ عالم شاکی تھا اور وہ اکیلا شکر گزار دنیا فریادی تھی اور وہ تنہا مداح نہ اس سبب سے کہ اس کو اس آفت سے گزند نہیں پہنچا خود اس کے گھر میں بھی اکٹھے تین آدمی اسی وبا میں تلف ہوئے۔ اچھی خاصی طرح رات کو سو کر اٹھے نصوح نماز صبح کی نیت باندھ چکا تھا۔ باپ بیٹھے وضو کر رہے تھے مسواک کرتے کرتے ابکائی آئی ابھی نصوح دوگانہ[۵۶] فرض ادا نہیں کر چکا تھا۔ سلام پھیر کر دیکھتا ہے کہ باپ نے قضا[۵۷] کی ان کو مٹی دے کر آیا تو رشتے کی ایک خالہ تھیں ان کو جاں بحق[۵۸] پایا۔ تیسرے دن گھر کی ماما رخصت ہوئیں مگر نصوح کی شکر گزاری کا کچھ اور ہی سبب تھا اس کا مقولہ[۵۹] یہ تھا کہ ان دنوں لوگوں کی

---

[۵۱] فرد خاص ۱۲ [۵۲] جو قضا کسی تدبیر ٹلانے نہ ٹلے ۱۲ [۵۳] مرتے جو کہہ مرے ۱۲ [۵۴] تمام۔ سارے جہاں میں پھیلی ہوئی ۱۲ [۵۵] آدھا سارہ گیا ۱۲ [۵۶] دو رکعت ۱۲ [۵۷] مر گئے۔ ادا اور قضا ایک دوسرے کی ضد ہیں اس میں بھی لطف ہے ۱۲ [۵۸] خدا کو جان سونپ دی ۱۲ [۵۹] اس کا کہنا یہ تھا ۱۲

طبعتیں بہت کچھ راستی پر آ گئی تھیں دلوں میں رقت[1] و انکساری کی وہ کیفیت تھی کہ عمر بھر کی ریاضت[2] سے پیدا ہونی دشوار ہے۔ غفلت کو ایسا کاری تازیانہ[3] لگا تھا کہ ہر شخص اپنے فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں سرگرم تھا۔ جن لوگوں نے رمضان میں بھی نماز نہیں پڑھی تھی وہ بھی پانچوں وقت سب سے پہلے مسجد میں آ موجود ہوتے تھے جنھوں نے بھول کر بھی سجدہ نہ کیا تھا ان کے اشراق[4] و تہجد[5] تک قضا نہیں ہونے پاتے تھے۔ دنیا کی بے ثباتی تعلقاتِ زندگی کی ناپائداری سب کے دل پر منقش تھی۔ لوگوں کے سینے صلح کاری کے نور سے معمور تھے۔ بغرض ان دنوں کی زندگی اس پاکیزہ اور مقدس اور بے لوث[6] زندگی کا نمونہ تھی جو مذہب تعلیم کرتا ہے۔ نصوح یونہی دل کا کچا تھا جب اس نے اوّل اوّل نناتوے[7] کی گرم بازاری سنی سرد[8] ہو گیا اور رنگت زرد پڑ گئی۔ باسباب ظاہر جو تدبیریں انسداد[9] کی تھیں سب کیں۔ مکان میں نئی قلعی پھروا دی۔ پاس پڑوس والوں کو صفائی کی تاکید کی گھر کے کونے کونے میں لوبان کی دھونی دے دی۔ طاقوں میں کافور رکھوا دیا جابجا کوئلہ ڈلوا دیا۔ باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں ذرا نمک تیز رہا کرے۔

---

[1] نرم دلی ۱۲ [2] جسمانی محنت جیسے روزہ رکھنا ۱۲ [3] اثر کرنے والا کوڑا ۱۲ [4] آفتاب نکلے پیچھے کی نماز ۱۲ [5] آدھی رات کے بعد کی نماز ۱۲ [6] بے آمیزش خالص ۱۲ [7] ہیضے کو عورتیں نناتواں کہتی ہیں معنی بے نام کی بیماری ۱۲ [8] ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے گرم اندر سرد صنعت انضاد ہے ۱۲ [9] زرد رنگ ۱۲

پیاز اور سرکہ دونوں وقت دسترخوان پر آیا کرے۔ گلاب۔ نارجیل[1] دریائی۔ جدوار۔ ثمر ہندی[2] سکنجبین وغیرہ جو دوائیں یونانی طبیب اس مرض میں استعمال کراتے ہیں تھوڑی تھوڑی سب بہم پہنچالیں تاکہ خدانخواستہ ضرورت کے وقت کوئی چیز ڈھونڈنی نہ پڑے۔ نصوح نے یہاں تک اہتمام کیا کہ انگریزی دوائیاں بھی فراہم کیں۔ کالرا پل (گولیاں) تو وہیں کوتوالی سے لے لیں۔ کالرا ٹنکچر الہ آباد میڈیکل ہال سے روپیہ بھیج کر منگوا رکھا۔ آگرے سے ایک دوست کی معرفت کلوروڈائن کی دو شیشیاں خرید لیں۔ ایک اخبار میں لکھا دیکھا کہ بنارس میں ایک بنگالی اس بیماری کا حکمی علاج کرتا ہے اور سرکار سے جو دس ہزار روپے کا انعام موعود ہے اس کا دعویدار ہوا ہے۔ چٹھی لکھ کر اس کی دوا بھی طلب کی۔ نصوح کو ایک وجہ تسلی یہ بھی تھی کہ ایک طبیب حاذق[3] اسی کے ہمسائے میں رہتا تھا۔ گو رسیاہ ہیضے کے توڑ کے واسطے اتنا سامان وافر موجود تھا مگر آخر نصوح کا گھر بھی فرشتوں کی نظر سے نہ بچا پر نہ بچا۔ باپ کی اجل آئی تو دوائیں رکھی ہی رہیں دینے اور پلانے کی نوبت بھی نہ پہنچی کہ بڑے میاں ہچکیاں[4] لینے لگے۔ وہ رشتے کی خالہ تھوڑی دیر سنبھلی تھیں۔ لیکن وہ کچھ ایسی زندگی سے سیر[5] تھیں کہ انھوں

---

۱ ناریل ۱۲ ۲ املی ۱۲ ۳ ہوشیار۔ تجربہ کار ۱۲ ۴ ہچکیاں ۱۲ ۵ لفظی معنی پیٹ بھری مراد یہ ہے کہ زندگی سے اکتا گئی تھیں ۱۲

نے خود خبر کرنے میں دیر کی غرض دوا اُن کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ ماما نے البتہ انگریزی یونانی سب طرح کی دوائیں ڈکوسیں مگر اس کی عمر ہو چکی تھی۔ اوّل اوّل نصوح کو اپنی احتیاط پر کچھ یوں ہی سا تکیہ(۱) ہوا تھا مگر جب وبا کا بہت زور ہوا اور خود اُسی کے گھر میں تابڑتوڑ(۲) ایک چھوڑ تین تین موتیں ہو گئیں ناچار تن بہ تقدیر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہا۔ غرض پورا ایک چلّہ(۳) شہر پر سختی و مصیبت کا گزرا نہیں معلوم کتنے غارت ہوئے کس قدر خاندان تباہی میں آ گئے یہاں تک کہ نواب عمدۃ الملک نے ہیضہ کیا کوئی دو تین گھڑی دن چڑھتے چڑھتے شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی اور نماز جمعہ کے بعد دیکھتے کیا ہیں کہ جنازہ جامع مسجد(۴) کے صحن میں رکھا ہے۔ یوں تو ہزارہا آدمی شہر میں تلف ہوئے مگر عمدۃ الملک کی موت سب پر بھاری تھی اوّل تو ان کی ٹکر(۵) کا شہر میں کوئی رئیس نہ تھا دوسرے اُن کی ذات سے غریبوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچتا تھا گویا ان کے مرنے کا گھر گھر ماتم تھا۔ لیکن لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ بس اب خدا نے ٹھنڈک(۶) ڈالی کیونکہ معتقدات(۷) عوام میں یہ بھی ہے کہ بے کسی بڑے رئیس کی بھینٹ(۸) لئے نہیں جاتی خیر لوگوں نے جو کچھ سمجھا ہو

---

(۱) بھروسا ۱۲ (۲) اوپر تلے ۱۲ (۳) چالیس دن ۱۲ (۴) دلی کی بڑی مسجد جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے لوگ اس دن مُردوں کے جنازے جامع مسجد میں لے آتے ہیں تاکہ بہت سے نمازی جنازے کی نماز پڑھیں ۱۲ (۵) برابر کا۔ مقابلے کا ۱۲ (۶) یعنی بیماری کھو دیا ۱۲ (۷) عام لوگوں کے عقائد ۱۲ (۸) قربانی ۱۲

یوں بھی شورش بہت کچھ فرو[1] ہو چلی تھی اور امن و امان ہوتا جاتا تھا لوگوں نے دکانیں بھی کھولنی شروع کر دیں اور دنیا کا کاروبار پھر جاری ہو چلا ان ہی دنوں نصوح نے اپنی بیوی سے کہا کہ دو دو مہینے سے چاولوں کو ترس گئے اب خدا نے اپنا فضل کیا آج زردہ پکواؤ مگر تاکید کرنا کہ چاول کھڑے نہ رہیں شام کو زردہ پکا اور گھر کے چھوٹے بڑے سب نے کھایا اور حسب عادت سو رہے۔ کوئی پہر رات باقی رہی ہوگی کہ دفعتًہ نصوح کی آنکھ کھل گئی جاگا تو پیٹ میں آگ بھنکی ہوئی تھی۔ اُٹھتے اُٹھتے کئی مرتبہ طبیعت نے مالش کی اس نے ننگے سر جلدی سے صحن میں نکل کر ٹہلنا شروع کیا خوب کس کر دونوں بازو باندھے گلے میں توے کی سیاہی تھوپی عطر کا پھویا ناک میں رکھا اور طبیعت کو دوسری طرف مصروف کیا مگر معلوم ہوتا تھا کہ حلق تک کوئی چیز بھری ہوئی ہے بہتیرا ضبط کیا بہتیرا ٹالا آخر بڑے زور سے استفراغ[2] ہوا۔ گھر والے سب جاگ اُٹھے۔ نصوح کو اس حالت میں باہر بیٹھا ہوا دیکھ سب کے کلیجے دھک[3] سے رہ گئے۔ کوئی پانی اور بیسن لے کر دوڑا۔ کوئی الائچی ڈال پان بنا کر پاس آکھڑا ہوا۔ کوئی پنکھا جھلنے لگا۔ نصوح کو تولا کر چارپائی پر لٹایا اور اب سب لوگ لگے اپنی اپنی تجویزیں کرنے۔ کسی نے کہا خیریت ہے۔

---

[1] دب چلی تھی ۱۲ [2] قے ۱۲ [3] جیسے دفعتًہ آگے سے دھکا لگ جائے ۱۲

غذا تھی۔ کوئی بولا زردے میں گھی بُرا تھا۔ کوئی کہنے لگا کھرچن کا فساد ہے غرض یہ صلاح ہوئی کہ ہیضہ وبائی نہیں ہے گلاب اور سونف کا عرق دیا جائے اور گھبرانے کی بات نہیں صبح تک طبیعت صاف ہو جائے گی خیر یہ تو تیمارداروں کا حال تھا۔ نصوح اگرچہ تکان کی وجہ سے مضمحل[۱] ہو گیا تھا مگر ہوش و حواس سب خدا کے فضل سے برجا تھے۔ سب کی صلاحیں اور تجویزیں سنتا تھا اور دوا جو لوگ پلاتے تھے پی لیتا تھا۔ لیکن استفراغ ہونے کے ساتھ ہی اُس نے کہہ دیا تھا کہ لو صاحب خدا حافظ ہم بھی رخصت ہوتے ہیں۔ استفراغ امتلائی[۲] مجھ کو بارہا ہوئے ہیں۔ مگر کچھ میرا جی اندر سے بیٹھا جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں میں سنسنی سی چلی آرہی ہے اتنا کہنے کے بعد تو نصوح دوسری ہی اُدھیڑ بُن میں لگ گیا اور سمجھا کہ بس دنیا سے چلا صبح ہوتے ہوتے ردائت[۳] کے کل آثار پیدا ہو گئے۔ برد[۴] اطراف تشنج[۵]۔ ضعف۔ متلی۔ اسہال[۶] تشنگی۔ ہر ایک کیفیت اشتداد[۷] پر تھی منہ اندھیرے آدمی حکیم کے پاس دوڑ گیا۔ حکیم جی خود خفقانی المزاج ہیضے کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے مگر ہمسائگی مدّت کی راہ و رسم طوعاً[۸] و کرہاً[۹] آئے اور کھڑے کھڑے تھوڑا سا تاڑ کر چلے گئے۔ بیمار میں تو بولنے اور بات کرنے کی بھی

---

۱ ڈھیلا ڈھال ۱۲ ۲ بہت کھا جانے کی وجہ سے جو قے ہو ۱۲ ۳ بگاڑ ۱۲ ۴ ہاتھ پاؤں کا ٹھنڈا پڑ جانا ۱۲ ۵ اینٹھن ۱۲ ۶ دست ۱۲ ۷ سختی۔ ترقی ۱۲ ۸ چاروناچار ۱۲ ۹ الاہنا ۱۲

طاقت نہ تھی ایک پہر ہی بھر کی بیماری میں چارپائی سے لگ گیا تھا۔ عورتوں نے پردے میں سے جہاں تک اس گھبراہٹ میں زبان نے یاری دی کہا لیکن حکیم صاحب یہی کہے چلے گئے کہ برف کے پانی میں نارجیل دریائی گھس گھس کر پلائے جاؤ۔ تیمارداروں کو ایسی سرسری[1] تشخیص اور ایسی رواروی[2] کی تجویز سے کیا خاک تسلی ہوتی فوراً آدمی کو شفاخانے دوڑایا اور ڈاکٹر دوا لے صدا[3] کی طرح آموجود ہوا۔ اوپر تلے چار پڑیاں تو اُس نے اپنے سامنے پلائیں چلتے ہوئے ایک عرق دیتا گیا کہ پاؤ گھنٹے بعد پلا کر مریض کو علیحدہ مکان میں لٹا دینا کوئی آدمی اس کے پاس نہ رہے تاکہ اس کو نیند آجائے۔ اگر سو گیا تو جاننا کہ بچ گیا۔ فوراً ہم کو خبر دینا۔ ڈاکٹر کے حکم کے مطابق نصوح کو اکیلے دالان میں سُلا کر لوگ ادھر ادھر ٹل گئے۔ مگر دبے پاؤں[4] آکر دیکھ دیکھ جاتے تھے۔

نصوح کے دل کی جو کیفیت تھی وہ البتہ عبرت[5] انگیز تھی یہ کچھ تو بیماری کا اشتداد ہوا مگر ہوش و حواس سب بدستور تھے وہ اپنے خیال میں ڈوبا ہوا تھا لوگ جانتے تھے کہ غش میں پڑا ہے۔ ابتدا میں تو نصوح بھی اپنی نسبت مرنے کا تصور کرنے سے گریز[6] کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اپنے تئیں مرنے والا سمجھے بلکہ جو لوگ

---

۱ یوں ہی بے سوچے سمجھے کی ۱۲ ۲ چل چلاؤ کی ۱۲ ۳ گونج کی آواز جو لوٹ کر آتی ہے ۱۲ ۴ آہستہ کہ پاؤں کی آہٹ نہ ہو ۱۲ ۵ یعنی اُس کے سننے سے ڈر لگتا ہے ۱۲ ۶ بھاگتا تھا۔ بچتا تھا ۱۲۔

اس کی علالت کو سوءِ ہضم[۱] اور امتلا کی وجہ سے تجویز کرتے تھے دل میں اُن کی رائے کی تحسین[۲] کرتا تھا لیکن افسوس یہ مسرت[۳] نصوح کو بہت ہی ذرا سی دیر تک نصیب ہوئی دم بدم اس کی حالت ایسی ردی ہوتی جاتی تھی کہ زندگی کے تمام تر احتمالات ضعیف تھے آخر چار و ناچار اس کو سمجھنا پڑا کہ اب میں دنیا میں چند ساعت کا مہمان اور ہوں اذعان[۴] مرگ کے ساتھ پہلا قلق[۵] اس کو دنیا کی مفارقت[۶] کا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مرنا وہ سفر ہے جس کا انقطاع[۷] نہیں۔ وہ جدائی ہے جس کے بعد وصال[۸] نہیں۔ وہ گم شدگی ہے جس کی کبھی بازیافت[۹] نہیں وہ غشی ہے جس سے افاقہ نہیں وہ بیگانگی ہے جس کے پیچھے کچھ تعلق نہیں کبھی وہ بیوی بچوں[۱۰] کو دیکھ کر روتا اور کبھی ساز و سامان دنیا پر نظر کر کے سر کو دھنتا اور کہتا ع

حیف[۱۰] در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

جس جس پہلو سے غور کرتا تھا اپنا مرنا اس کو بے وقت معلوم ہوتا تھا بیوی کو دیکھ دیکھ کر اپنے جی میں سوچتا تھا کہ بھلا کوئی اِس کی عمر بیوہ ہونے کی ہے نہ تو اس کے میکے میں کوئی اتنا ہے کہ اس کا متکفل[۱۱] ہو نہ بیٹوں میں کوئی اس قابل کہ گھر کو سنبھال لے اندوختہ[۱۲] جو ہے سو وا جبی ہی نا جبی ہے۔ کب تک اکتفا[۱۳] کریگا۔

۱؎ بدہضمی ۱۲ ۲؎ کہتا تھا انھوں نے ٹھیک سمجھا ۱۲ ۳؎ خوشی ۱۲ ۴؎ موت کا یقین ۱۲ ۵؎ رنج ۱۲ ۶؎ جدائی ۱۲ ۷؎ ہو چکنا ۱۲ ۸؎ ملنا ۱۲ ۹؎ کھو کر پا جانا ۱۲ ۱۰؎ افسوس پلک جھپکانے میں یار کی صحبت ختم ہو گئی۔ ہم پھول کے منہ کو دیکھنے بھی نہیں پائے کہ بہار کا موسم ہو چکا ۱۲ ۱۱؎ خرچ بات کی ذمہ داری کرنے والا ۱۲ ۱۲؎ جوڑا ہوا پس انداز ۱۲ ۱۳؎ کفایت۔ بس ۱۲

دو ناکتخدا[۱] بیٹیاں اس کے آگے ہیں کچّا ساتھ[۲] خالی ہاتھ بچوں کی پرورش کہیں سے کوڑی کی آمد کا آسرا نہیں۔ کیا ہوگا اور کیونکر یہ پہاڑ سی[۳] زندگی اس کے کاٹے کٹے گی۔ بڑا لڑکا تو پہلے ہی گویا ہاتھ[۴] سے جا چکا ہے۔ رہا منجھلا امسال انٹرنس[۵] پاس کرنے کو تھا اور امید تھی کہ یہ کچھ ہوگا مگر اب وہ تمام منصوبے بھی غلط ہوا چاہتا ہے۔ میری آنکھ بند ہوئی تو کیسا پڑھنا اور کس کا امتحان یہ دو لڑکیوں کا قرض کیسا اپنی گردن پر رہے چلا۔ بڑی لڑکی کی نسبت کن کن مصیبتوں سے ٹھہری تھی اور جب سے رہتے یہ دقت تھی تو اب ان دو بچیوں کا دیکھئے کیا ہو۔ پیش بینی اور مال اندیشی[۶][۷] کرکے پارسال گاؤں لیا تھا ابھی تک پٹی داروں[۸] نے اس میں اچھی طرح تسلط[۹] نہیں بیٹھنے دیا۔ بحال میں جو چالیس پچاس بیگھے سیر[۱۰] کرکے نیل بو لیا تھا وہ سب گیا گزرا ہوا۔ گودام پر جو روپیہ لگا دیا تھا۔ وہ بھی ڈوبا۔ رہنے کے مکان میں کس تنگی سے بسر ہوتی ہے کوئی مہمان آنکلتا ہے تو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ تمام روپیہ دالان در دالان بنوانے کا ارادہ تھا۔ ڈیرہ دون[۱۱] لکڑی کا روپیہ بھیج چکا ہوں وہ نہیں آئی۔ پزاوے[۱۲] والوں کو اینٹوں کی داونی دی تھی وہ نہیں نبٹی[۱۳] افسوس

---

۱ کواری ۱۲ ۲ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ ۱۲ بڑی لمبی بھاری ۱۲ ۳ بڑی لمبی بھاری ۱۲
۴ بس میں نہیں رہا آوارہ ہو گیا ۱۲ ۵ فضیلت کے درجے میں داخل ہونے کا امتحان ۱۲ ۶ آئندہ
کے واقعات کو پہلے سے دیکھ لینا ۱۲ ۷ انجام کار کو سوچنا ۱۲ ۸ زمینداری کے حصے دار ۱۲ ۹ قبضہ ۱۲
۱۰ زمیندار کی خود کاشت ۱۲ ۱۱ کوہ ہمالیہ میں ایک ضلع ہے وہاں لکڑی کا بڑا بھاری جنگل ہے ۱۲ ۱۲ پنجاوے کی قسم ۱۲
۱۳ ادا نہیں ہوئی ۱۲

کہ موت نے مجھ کو مہلت نہ دی لوگوں کا لینا دینا حساب کتاب بڑے بڑے بکھیڑے ہیں آج سمجھانے بیٹھوں تو مہینوں میں جا کر سلجھے[1] ہوں تو ہوں۔ اجل سر پر آ پہنچی تمام لینا لانا پڑا ہے کاش ابھی کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا تو یہ سب انتظام اپنی خواہش کے مطابق درست کر لیتا۔ بال بچے بھی ذرا اور سیانے ہو جاتے کھانے کمانے لگتے۔ ادھر ان کی شادی بیاہ کر چکتا گاؤں کا معاملہ بھی رو براہ[2] ہو جاتا یہ کان کو اپنے طور پر بنا لیتا۔ لوگوں کا حساب کتاب صاف کر دیتا۔ گھر والی کے واسطے کچھ ذخیرہ[3] وافی[4] فراہم[5] کر جاتا تب فراغت سے مرتا۔ کیا مرنے میں مجھ کو کچھ عذر یا خدانخواستہ کسی طرح کا انکار تھا یا میں اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھتا کہ دنیا میں آ کر مرنا ضرور ہے۔ مگر ہر چیز ایک وقت مناسب پر ہوتی ہے۔ یہ بھی کوئی مرنا ہے کہ ہر کام کو ادھورا ہر ایک انتظام کو ناقص و ناتمام چھوڑ کر چلا جاؤں ایسا بے ہنگام[6] مرنا نہ صرف میرے لیے بلکہ تمام متعلقین اور وابستگان[7] کے لیے موجب زیان[8] و باعث نقصان ہے۔ اگرچہ نصوح بہ نظر ظاہر ایک آزاد اور بیگانہ[9] وار زندگی بسر کرتا تھا نہ تو ہر وقت گھر میں گھسے رہنے کی اس کی خو تھی نہ بال بچوں ہی سے کچھ بہت اختلاط

---

[1] چکیں ۱۲ [2] یعنی گاؤں کے معاملے کا بھی کوئی رستہ نکل آتا ۱۲ [3] اندوختہ ۱۲ [4] کافی ۱۲ [5] جمع ۱۲ [6] بے وقت ۱۲ [7] جو آدمی کے پلے بندھے ہوں یعنی اہل و عیال ۱۲ [8] نقصان کا سبب ۱۲ [9] ان لوگوں کی سی زندگی جن کو گھر سے لگاؤ نہیں۔

کرنے کی عادت انتظام خانہ داری میں بھی بی بی کے تقاضے اور اصرار[1] سے بقدر ضرورت کچھ دخل دیا تو دیا ورنہ اس کی بھی چنداں پروا نہ تھی اور یہی سبب تھا کہ جب کبھی سننے کا اتفاق ہوتا کہ فلاں شخص نے بڑی حسرت[2] کے ساتھ جان دی تو نصوح کو تعجب ہوتا اور کہتا کہ خدا کی شان ہے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ دنیا سے نکلنے کو انکا جی ہی نہیں چاہتا نہیں معلوم دنیا کی کون سی ادا ان کو پسند ہوتی ہے ورنہ استغفر اللہ[3] یہ دار المحن[4] انسان کے رہنے کے لائق ہے۔ صدہا بکھیڑے۔ ہزارہا جھگڑے۔ روز کے جھگڑے آئے دن کی مصیبت سچ ہے خدائے تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت اور بندوں کی مصلحت سے خالی نہیں ظاہر میں تو موت سب کو بری معلوم ہوتی ہے اور اس سے لوگ ایسا ڈرتے ہیں جیسے مجرم سزا سے لیکن غور کرکے دیکھو تو مرنا بھی ایک نعمت ہے۔ انسان کی طبیعت تازگی پسند واقع ہوئی ہے جہاں ایک حالت سالہا سال رہی گو وہ کیسی ہی عمدہ اور پسندیدہ کیوں نہ ہو خواہ مخواہ آدمی اس سے ملول[5] ہو جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہی من و سلویٰ[6] کھاتے کھاتے

---

[1] ضد ۱۲ [2] افسوس ۱۲ [3] خدا سے معافی چاہتا ہوں۔ نفرت کی جگہ بولتے ہیں ۱۲ [4] محنتوں کا گھر ۱۲ [5] اکتا جاتا ہے ۱۲ [6] من ایک طرح کی اوس جو جم کر ترنجبین سی ہو جاتی تھی اور سلویٰ بٹیر کی قسم کا ایک جانور۔ من سلویٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو بے زحمت ملتا تھا۔

ایسے اُکتائے کہ آخر کو اُن کے دل لہسن اور پیاز پر للچائے۔ اگر دنیا میں موت
نہ ہوتی تو آدمی کنوؤں میں کود کود اور درختوں سے گر گر کر جان دیتے اور حیات
دراز[1] کو عذاب مقیم[2] سمجھتے میرے دل کی تو یہ کیفیت ہے کہ مجھ کو یہاں سے
چلے جانے کی مطلق پروا نہیں اور کسی چیز کو میں نہیں سمجھتا کہ مجھ کو اس کی مفارقت[3]
کا قلق[4] ہو۔ لیکن بڑا فرق ہے فرض[5] اور واقعات میں یہ بھی نصوح کے نفس کا مکر تھا
کہ وہ اپنے تئیں دنیا سے بے تعلق اور اپنی زندگی کو بے ہمہ و باہمہ[6] سمجھتا تھا۔
جب تک وہ دوسروں کو مرتا دیکھتا تھا اپنے تئیں مرنے پر دلیر پاتا تھا۔ لیکن
جب خود اپنے سر پر آن بنی تو سب سے زیادہ بودا نکلا۔ وہ اپنے تعلقات
سے واقع میں اب تک بے خبر تھا۔ جب موت سامنے آموجود ہوئی اور
چلنا ٹھہر گیا تو حقیقت کھلی کہ ادھر زن و فرزند کا فریفتہ[7] ہے ادھر مال و
متاع[8] کا دلدادہ[9]۔ اتنا بڑا سفر تو اس کو درپیش مگر بارِ علائق[10] کی وجہ سے
پہلے ہی قدم پر اس کے پاؤں ہزار ہزار[11] من کے ہو رہے تھے۔ ریل کی سیٹی
بج چکی تھی مگر یہ ابھی اسٹیشن کے باہر اسباب کے سنبھالنے میں مصروف تھا۔
اگر اسی حالت میں کہ اس کی روح تعلقِ دنیاوی میں ڈانواں ڈول بھٹکتی ہوئی۔

---

[1] لمبی زندگی ۱۲ [2] ٹھہرا ہوا عذاب جو ٹلتے نہیں ۱۲ [3] جدائی ۱۲ [4] رنج ۱۲ [5] یعنی دل میں
ایک بات کا مان لینا اور چیز ہے اور کر کے دکھانا دوسری چیز ۱۲ [6] سب سے الگ اور سب میں
شامل ۱۲ [7] ریجھا ہوا ۱۲ [8] سامان۔ اسباب ۱۲ [9] فریفتہ کا مترادف ہے ۱۲ [10] تعلقات
کا بوجھ ۱۲ [11] پاؤں ہزار ہزار من کے ہوں تو کیا ہلا جائے ۱۲

پھر رہی تھی کہیں خدانخواستہ اس کی جان نکل جاتی تو بس دونوں جہان سے گیا گذرا ہوا تھا خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ[1] - ازیں سو رنده و زاں سو درمانده۔ مگر خدا نے بڑا ہی فضل کیا کہ نا امیدی نے اس کی ہمت بندھائی اور اپنے دل میں سوچا کہ چلنا تو اب ٹلتا نہیں پھر قلق سے فائدہ اور اضطراب[2] سے حاصل مرتا ہوں تو مردانہ وار کیوں نہ مروں اور استقلال کے ساتھ جان کیوں نہ دوں اس بات کا ذہن میں آنا تھا کہ دنیا کی تمام چیزوں پر ایک اداسی سی چھا گئی اب جس چیز کو دیکھتا ہے، ہیچ[3] اور بے وقعت نظر آتی ہے یہ وہ وقت تھا کہ ڈاکٹر نے اس کو دوا پلا کر تنہا لٹوا دیا استغنا[4] سے ایک طرح کا اطمینان جو دل کو پہنچا اور ادھر علالت کی اشتداد کا تکان تھا ہی ادھر سے پہنچی دوا جو بالخاصہ[5] خواب آور تھی اور تیمار داروں[6] کا ہجوم ہوا کم۔ لیٹا تو نیند کی ایک جھپکی سی آ گئی۔ آنکھ کا بند ہونا تھا کہ نصوح ایک دوسری دنیا میں تھا۔ جو خیالات ابھی تھوڑی دیر ہوئی اس کے پیشِ نظر تھے۔ سب اس کے دماغ میں بھرے ہوئے تھے۔ اب متخیلہ[7] نے ان کو اگلے پچھلے تصورات سے گڈ مڈ[8] کر کے ایک نئے پیرائے[9] میں لا سامنے کھڑا کیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑی عمدہ اور عالیشان عمارت ہے اور چونکہ نصوح

---

[1] دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا ۱۲ [2] بے قراری ۱۲ [3] ذلیل ۱۲ [4] بے پروائی ۱۲ [5] یعنی اس دوا میں خدا نے خاصیت ہی یہی رکھی تھی ۱۲ [6] بیمار کے خبر گیر ۱۲ [7] خیال باندھنے کی قوت ۱۲ [8] ملا جلا کر ۱۲ [9] شکل، صورت ۱۲

خود کبھی ڈپٹی مجسٹریٹ حاکم فوجداری رہ چکا تھا تو اس کو یہ تصور بندھا کہ یہ گویا ہائی کورٹ کی کچہری ہے۔ لیکن حاکم کچہری کچھ اس طرح کا رعب دار ہے کہ باوجود یکہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہے مگر ہر شخص سکوت[1] کے عالم میں دم بخود[2] بیٹھا ہے کہ گویا کسی کے منہ میں زبان نہیں اور جو کوئی بضرورت بولتا اور بات بھی کرتا ہے تو اس قدر آہستہ کہ کانوں کان خبر نہ ہو۔ اتنی بڑی تو کچہری ہے مگر مختار اور وکیل کسی طرف دیکھنے میں نہیں آتے۔ کچہری کے عملے اس طرح کے گھُرّے[3] اور اپنے حاکم سے اتنا ڈرتے ہیں کہ کسی اہل معاملہ اور مقدمے والے کو اپنے پاس تک آنے کے روادار نہیں۔ غرض کیا مجال کہ کوئی اپنے بارے میں ناجائز پیروی کر کے یا روپے پیسے کا لالچ دکھا کر یا سعی سفارش بہم پہنچا کر سرکار برآری کر سکے۔ اگرچہ انصاف اور معاملہ فہمی[4] اور ہمہ دانی[5] کی وجہ سے حاکم کی ہیبت ادنیٰ اعلیٰ سب پر چھائی ہوئی ہے مگر جتنے مجرم ہیں کیا خفیف[6] کیا سنگین[7] کوئی اس کے رحم سے ناامید نہیں۔ اختیارات اس کے اس قدر وسیع ہیں کہ نہ اُس کے فیصلے کی اپیل ہے نہ اُس کے حکم کا مرافعہ۔ کام کرنے کا ایسا اچھا ڈھنگ ہے کہ کام روز کا روز صاف۔ کتنے ہی مقدمے پیشی ہیں کیوں نہیں۔ ممکن نہیں کہ تاریخ مقررہ پر فیصل نہ ہو جائیں۔ پھر یہ نہیں کہ کسی مقدمے کو سرسری طور

---

[1] خاموشی ۱۲ [2] سانس کو روکے ہوئے ۱۲ [3] گھُرّے یعنی مزاج کے رُوکھے ۱۲ [4] مقدمے کا سمجھ جانا ۱۲ [5] ہر ایک بات کو جان لینا ۱۲ [6] ہلکے ۱۲ [7] بھاری ۱۲

پر تجویز کر کے ٹال دیا جائے۔ نہیں جو حکم صادر کیا جاتا ہے ہر عذر کو رفع[1] حجت[2] کو قطع[3] بلکہ خود مجرم کو قائل معقول کر کے اور گنہگار کے منہ سے اس کی خطا تسلیم کرانے کے بعد۔ غرض جو تجویز ہے موجہ[4] جو فیصلہ ہے مدلل[5] جو رائے ہے حتمی[6] داؤ غائی جو حکم ہے دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔ گواہوں کے باب میں ایسی احتیاط ملحوظ ہے کہ صرف عدول[7] ثقہ[8] اور راست گو[9] کی گواہی لی جاتی ہے اور وہ بھی ایسے کہ واقف الحال[10] چشم دید[11] بلکہ مجرم کے رفیق اور ہمنشیں کہ اس کے راز دار[12] اور معین و مددگار ہوں۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ ہر مجرم کو فرداً فرداً[13] قرار داد جرم[14] کی ایک نقل دی گئی ہے کہ وہ اس کو پڑھ رہا ہے اور جتنے الزام اس پر لگائے گئے ہیں سب کو سمجھتا اور اپنی برأت[15] کے وجوہات کو سوچتا ہے۔ کچہری کا خیال نصوح کو حوالات کی طرف لے گیا تو دیکھا ہر شخص ایک علیحدہ جگہ میں نظر بند ہے جو جیسا مجرم ہے مناسب حالت حوالات میں سختی یا سہولت[16] کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ حوالات کے برابر جیل خانہ ہے مگر بہت ہی برا ٹھکانا[17] ہے۔ محنت کڑی

---

[1] ہٹا کر۔ اٹھا کر ۱۲ [2] دلیل ۱۲ [3] توڑ کر۔ جواب دے کر ۱۲ [4] وجہ کے ساتھ ۱۲ [5] دلیل کے ساتھ ۱۲ [6] یقینی ۱۲ [7] نیکوکار ۱۲ [8] بھلے مانس ۱۲ [9] سچ بولنے والے ۱۲ [10] حال سے واقف ۱۲ [11] جنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ۱۲ [12] بھیدی ۱۲ [13] ہر ایک کو الگ الگ ۱۲ [14] فوجداری کی مثل کا ایک کاغذ ہوتا ہے جس میں مجرم کا قصور لکھا رہتا ہے ۱۲ [15] صفائی ۱۲ [16] آسانی ۱۲ [17] بیں المصیر کا ترجمہ ہے ۱۲

مشقت سخت۔ جو اُس میں گرفتار ہیں سولی کے متمنی[1] اور پھانسی کے خواستگار ہیں نصوح یہ مقام ہولناک[2] دیکھتے ہی اُلٹے پاؤں پھرا۔ باہر آیا تو پھر حوالاتیوں اور زیر تجویزوں میں تھا۔ اِن لوگوں میں ہزار ہا آدمی تو اجنبی[3] تھے لیکن جابجا شہر اور محلے کے آدمی بھی نظر آتے تھے مگر وہ مر چکے تھے۔ نصوح کو یہ سب سامان دیکھ کر اُسی خواب کی حالت میں ایک حیرت تھی کہ الٰہی کونسا شہر ہے کس کی کچہری ہے یہ اتنے مجرم کہاں سے پکڑے ہوئے آئے ہیں میرے ہموطنوں نے کیا جرم کیا ہے کہ ماخوذ[4] ہیں اور یہ کیسے مرے تھے کہ میں ان کو یہاں جواب دہی میں دیکھتا ہوں اسی حیرت میں لوگوں کو دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا کہ دور سے اس کو اپنے والد بزرگوار حوالاتیوں میں بیٹھے نظر پڑے پہلے تو سمجھا کہ نظر غلطی کرتی ہے مگر غور کیا تو پہچانا کہ نہیں واقع میں وہی ہیں۔ دوڑ کر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ یا حضرت ہم سب آپ کی مفارقت میں تباہ ہیں آپ یہاں کہاں۔ باپ میں اپنے گناہوں کی جواب دہی میں ماخوذ ہوں۔ یہ مقام جو تم دیکھتے ہو دار الجزا[5] ہے اور خداوند تعالیٰ جل وعلا شانہٗ[6] اس محکمے کے حاکم۔ بیٹا: یا حضرت آپ تو بڑے متقی پرہیزگار خداپرست نیکوکار تھے آپ پر اور گناہوں کا الزام۔ باپ۔ گناہ بھی ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں۔ دیکھو یہ میرا نامہ اعمال کیسی رسوائی

---

[1] آرزومند ۱۲ [2] خوفناک ۱۲ [3] اوپری۔ ان جان ۱۲ [4] پکڑا ہوا ۱۲ [5] بدلا پانے کا گھر ۱۲ [6] اس کی شان بڑی اور اونچی ہے ۱۲

اور فضیحت سے بھرا ہوا ہے اور میں اس کو دیکھ دیکھ کر سخت پریشان ہوں کہ کیا جواب دوں گا اور کون سی وجہ اپنی برأت کی پیش کروں گا یہ وہی کاغذ تھا جو نصوح نے ہر شخص کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور اس کو دنیا کے خیالات کے مطابق فرد قرار داد جرم سمجھا تھا۔ باپ کا نامۂ اعمال دیکھا تو تھرّا اٹھا۔ شرک اور کفر اور نافرمانی۔ ناشکری اور بغاوت[۱] اور بے ایمانی کبر[۲] و نخوت[۳]۔ دروغ[۴] و غیبت[۵] طمع[۶] و حسد[۷] مردم آزاری[۸] نفاق[۹] ریا۔ حب دنیا[۱۰] کوئی الزام نہ تھا کہ اس میں نہ ہو۔ چونکہ نصوح کے دماغ میں خیالاتِ دنیوی گونج رہے تھے لگا باپ کے نامہ اعمال میں تعزیراتِ ہند کی دفعہ اور ضمن ڈھونڈنے سو تعزیرات ہند کے دفعات کے عوض قرآن کی سورتوں اور آیتوں کا حوالہ تھا متعجب ہو کر باپ سے پوچھا کہ یا حضرت پھر کیا آپ اِن تمام جرموں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ باپ۔ سب بیٹا۔ کیا آپ حضور حاکم اقرار[۱۱] کر چکے ہیں۔ باپ اِنکار کی گنجائش ہی نہیں میری مخالفت میں گواہی اتنی وافر[۱۲] ہے کہ اگر میں انکار کروں بھی تو پذیرا[۱۳] نہیں ہو سکتا بیٹا۔ جناب وہ کون لوگ ہیں جو آپ کی مخالفت پر آمادہ ہیں۔ باپ۔ اوّل تو دو شخص کراماً کاتبین[۱۴] اس بلا کے ہیں کہ میرا کوئی فعل ان سے مخفی[۱۵] نہیں۔

---

۱ سرکشی ۱۲ ۲ غرور ۱۲ ۳ جھوٹ ۱۲ ۴ کسی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہنا ۱۲ ۵ لالچ ۱۲ ۶ دوسرے کو دیکھ کر جلنا ۱۲ ۷ لوگوں کو ستانا ۱۲ ۸ مُنہ پر کچھ دل میں کچھ ۱۲ ۹ دکھاوا ۱۲ ۱۰ دنیا کو دوست رکھنا ۱۲ ۱۱ بہت ۱۲ ۱۲ قبول ۱۲ ۱۳ نیکی بدی لکھنے والے دو فرشتے جو ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں ۱۲ ۱۴ پوشیدہ ۱۲

جتنی باتیں کہتے ہیں پتے کی۔ اور کہتے کیا ہیں میرا روزنامچہ عمری لکھتے گئے ہیں۔
اب جو میں اُس کو دیکھتا ہوں حرف بحرف صحیح اور درست پاتا ہوں دوسرے
یہی میرے اعضا ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ کوئی میرے کہنے کا نہیں۔ سب کے
سب مجھ سے منحرف[1] سب کے سب مجھ سے برگشتہ[2] میری مخالفت پر آمادہ میری
تذلیل[3] پر کمربستہ[4] ہو رہے ہیں۔ بیٹا۔ آخر آپ کچھ اس کی وجہ بھی سمجھتے ہیں۔ باپ۔ میں
ان کی غلطی سے اعوان[5] و انصار بھیدی اور راز دار سمجھتا تھا۔ مگر واقع میں یہ سب
جاسوس[6] ایزدی تھے انھوں نے وہ سلوک میرے ساتھ کئے کہ کسر[7] لگا نہیں رکھا۔
بیٹا۔ پھر آپ کا کیا حال ہے۔ باپ۔ جب سے دُنیا کو چھوڑا قبر کی حوالات میں
ہوں تنہائی سے جی گھبراتا ہے انجام کار معلوم نہیں شبانہ[8] روز اسی اندیشے میں
پڑا گھلتا ہوں۔ حوالات میں مجھ کو اس قدر ایذا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مگر صبح و
شام ہر روز آتے جاتے جیل خانے کے پاس سے ہو کر گزرنا ہوتا ہے۔ دوزخ
وہی ہے۔ وہاں کی تکلیفات دیکھ کر اور سن کر ہوش اُڑے جاتے ہیں اور غنیمت معلوم
ہوتا ہے کہ اے کاش ہمیشہ کے واسطے اسی حوالات میں رہنے کا حکم ہو جاتا
بیٹا۔ پھر ہنوز آپ کا مقدمہ پیش نہیں ہوا۔ باپ۔ خدا نہ کرے کہ پیش ہو۔ جو دن
حوالات میں گزرتا ہے غنیمت ہے اوّل اوّل جب میں حوالات میں آیا تو اعمال نا

---

١ پھرے ہوئے ١٢ ٢ پھرے ہوئے ١٢ ٣ ذلیل کرنا ١٢ ٤ کمر باندھے ہوئے یعنی مستعد ١٢
٥ مددگار ١٢ ٦ خدا کی طرف سے ٹوہ لینے والا ١٢ ٧ گویا گردن جڑ سے کاٹ کر جدا کر دی ١٢ ٨ رات دن ١٢

مجھ کو حوالے کر دیا گیا بس اُسی کو دیکھا اور انجام کار سے ڈرا کرتا ہوں نجات کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ بیٹا کسی طرح ہم لوگ آپ کی اس مصیبت میں کام آسکتے ہیں باپ۔ اگر میرے لئے عاجزی اور خلوص[۱] کے ساتھ دُعا کرو تو کیا عجب ہے کہ مفید ہو۔ ابھی میرے ہمسائے میں ایک شخص کی رہائی ہوئی ہے اس پر بھی بہت سے الزام تھے۔ مگر جہاں اللہ تعالیٰ میں کامل درجے کا انصاف ہے رحم بھی بڑے ہی مرے کا ہے اس شخص کے پس ماندوں[۲] نے اس کے واسطے بہت زار[۳] نالی کی تو پرسوں یا اترسوں اُس کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تیرے افعال جیسے تھے وہ اب تجھ پر مخفی نہیں رہے مگر ہمارے کئی بندے تیری معافی کے واسطے ہمارے حضور میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ تیرے ہی زن و فرزند ہیں ہم کو تیری یہی ایک بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ تو نے اپنے خاندان میں نیکی اور دینداری کا بیج بو یا جا ہم نے تیری خطا معاف کی۔ بیٹا سچ کہنا تم لوگوں نے بھی کبھی میرے حق میں دعائے خیر کی ہے۔ بیٹا۔ جناب آپ کے انتقال کے بعد رونا پیٹنا تو بہت کچھ ہوا اور اب تک اس شدومد[۴] کے ساتھ ہوتا ہے کہ گویا آپ نے ابھی انتقال فرمایا ہے اور یہ رونا تو ہم لوگوں کے ساتھ ہے آپ کی عنایتیں آپ کی شفقتیں جب تک جئیں گے یاد کریں گے۔ رسم دنیا کے مطابق آپ کا کھانا بھی برادری میں تقسیم کر دیا ہے۔ لوگ شاید میرے منھ پر خوش آمد

---

[۱] صدق دل ۱۲ [۲] پیچھے رہے ہوئیں یعنی وارثوں ۱۲ [۳] گڑگڑا کر رونا ۱۲ [۴] زور و شور ۱۲

سے کہتے ہوں مگر کہتے تھے کہ اس مہنگے سمے میں باپ کا کھانا اچھا کیا۔ دغا کے بارے
میں غلط بات کیوں کر عرض کروں اہتمام نہیں ہوا آپ کے بعد ترکہ و میراث کے
ایسے جھگڑے پڑ گئے کہ آج تک نہیں سلجھے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ تو صوم[1] و صلوٰۃ[2]
کے بڑے پابند تھے کیا اعمال و افعال کچھ بھی کام نہ آئے۔ باپ۔ کیوں نہیں۔ یہ
اُن ہی اعمال کا طفیل ہے کہ تم مجھ کو اس حالت میں دیکھتے ہو ورنہ بہتیرے مجھ سے
بھی زیادہ تکلیف میں ہیں حوالات میں جیل خانے کی سی ایذا ہے۔ مگر یہاں اعمال
میں خلوص نیت شرط ہے۔ میں نے اپنے اعمال کو آ کر دیکھا تو اکثر جیسے جھوٹے
موتی کھوٹے روپے۔ نمازیں بے حضور قلب[3] اکارت گئیں اور روزے چونکہ
پابندیٔ رسم کے طور پر رکھنے کا اتفاق ہوتا تھا خالی فاقے کے شمار میں درآئے۔
بٹیا۔ پھر اس دربار میں کچھ سعی سفارش کا دخل نہیں۔ باپ استغفر اللہ۔ کوئی
کسی کی بات تو پوچھتا ہی نہیں نفسی نفسی[4] پڑی ہے ہر شخص اپنی بلا میں مبتلا اور اپنی
مصیبت میں گرفتار ہے۔ دوسرے کی نجات تو کوئی کیا کرائے گا پہلے آپ تو سُرخ
رو ہو لے۔ بٹیا۔ کیوں جناب معاذ اللہ[5] یہ شرک و کفر کا الزام آپ پر کیا ہم لوگ
تو خیر سارا شہر[6] آپ کے اتقا[7] کا معتقد تھا کیا آپ خدا کے قائل نہ تھے۔ باپ قائل

---

[1] روزہ ۱۲ [2] نماز ۱۲ [3] یعنی دل حاضر نہ تھا ۱۲ [4] اپنی اپنی جان ۱۲ [5] خدا کی پناہ۔ جب کسی نالائق بیہودہ اور بری چیز کا مذکور کریں تو یہ کلمہ کہہ لیا کرتے ہیں۔ یہاں شرک و کفر کی وجہ سے معاذ اللہ کہا ۱۲ [6] یعنی خیر ہم لوگوں نے سمجھا تو ہم پر آپ کا حق تھا آپ ہمارے بزرگ تھے ۱۲ [7] پرہیزگاری ۱۲

قائل تو تھا دل سے معتقد نہ تھا۔ بیٹیا۔ جناب آپ کے تمام اعمال ظاہر سے
مستنبط ہوتا تھا کہ آپ کو خدائے کریم کے ساتھ بڑی راسخ عقیدت ہے
باپ۔ وہ تمام عقیدت معلوم ہوا کہ اوپری دل سے تھی۔ جب اوّل اوّل میرا
اظہار لیا گیا تو پہلا سوال مجھ سے یہی پوچھا گیا کہ تیرا رب کون ہے چونکہ مرتے
وقت مجھ کو ایمان کی تلقین کی گئی تھی میں نے جواب دیا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ
تب اس پر جرح کیا گیا کہ بھلا جب تو نوکری سے برخاست ہو کر گھر آیا اور مدّت
تک خانہ نشین رہا اور جو کچھ کما کر لایا تھا سب صرف ہو گیا اور نانِ شبینہ کو محتاج
ہو کر نوکری کی جستجو میں ادھر اُدھر پھرتا اور مضطر ہو ہو کر ہم سے دعائیں مانگتا تھا
مگر ہم تیرا صبر و استقلال آزمانے کے لئے تیرے مدعا کو خیر التوا میں ڈالے
ہوئے تھے اور ایک انگریز حاکم ضلع نے کہ وہ بھی مثل تیرے ہمارا بندہ
تھا ہمارے ایما سے تیری پرورش کا وعدہ کیا مگر ہم نے تجھ پر اپنے ایما کو ظاہر
نہیں ہونے دیا اور تو یہی سمجھا کہ خود تیری ہی کوشش کا نتیجہ تھا سچ بتا کہ تجھ کو
اُس انگریز کے وعدۂ زبانی کا زیادہ آسرا تھا۔

ملہ ظاہر ہوتا تھا۔ نکلتا تھا ۱۲ ملہ پکا جما ہوا عقیدہ ۱۲ ملہ پروردگار ۱۲ ملہ تعلیم جب کوئی آدمی مرنے کو ہوتا ہے تو پاس والے اس کو دین کی باتیں یاد دلاتے ہیں ۱۲ ملہ اللہ تعالیٰ اکیلا جس کا کوئی ساجھی نہیں ۱۲ ملہ توڑ۔ اعتراض ۱۲ ملہ اتنی روزی کہ رات کو کھا کر سو رہے ۱۲ ملہ بے قرار ۱۲ ملہ یعنی تیرے مطالب کو ڈھیل میں ڈال دیا تھا ۱۲ ملہ اشارہ ۱۲ ۔

یا ہمارے تحریری تمسک وَمَا مِن دَابَّۃٍ فِی الاَرضِ اِلَّا عَلَی اللہِ رِزقُہَا کا اگر تو ہم کو صمیم قلب سے حاضر و ناظر۔ سمیع و بصیر و قادر جانتا تھا تو گناہ پر تجھ کو کیوں کر جسارت ہوتی تھی تو بھول کر کبھی بھاڑ میں تو نہیں کودا کبھی کھولتے پانی میں تو تو نے ہاتھ نہیں ڈالا۔ کبھی جلتی ہوئی آگ کو تو نے مٹھی میں نہیں لے لیا۔ مگر تو گناہوں کا نہایت بے باکی سے مرتکب ہوتا تھا ضرور ہے کہ یا تو تجھ کو ہمارے فرمانے کا یقین نہ تھا کہ گناہ کی سزا آتشِ دوزخ ہے یا اگر یقین تھا تو تو اس کو دنیا کی آگ سے کمتر سمجھتا تھا۔ دنیا میں جو کچھ رفاہ جو کچھ عیش و آرام ہم نے تجھ کو بے استحقاق صرف اپنی مہربانی سے عطا کیا تھا کیا تو نے اس کو ہمیشہ اپنی حسن تدبیر کی طرف منسوب نہیں کیا۔ جو تکلیف تجھ کو دنیا میں پہنچی اگرچہ تو اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارا کرتا تھا۔ مگر کیا تو اُس کا الزام ہماری ذات مجتمع الصفات پر نہیں لگاتا تھا۔ اے احسان فراموش ہزاروں لاکھوں احسان میں نے تجھ پر کئے اور تجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ بھلا منہ سے اقرار تو کرتا اے ناشکرے بے شمار نعمتیں میں نے تجھ کو عطا فرمائیں مگر تجھ پر اتنا بھی اثر نہ ہوا کہ کبھی زبان پر تو لاتا۔ جتنا میں نے تیرے ساتھ

---

۱ لکھی ہوئی دستاویز ۱۲ ۲ جتنے جاندار زمین پر ہیں اللہ سب کی روزی کا ذمہ وار ہے ۱۲ ۳ ہر جگہ موجود ۱۲ ۴ سب چیزوں کو دیکھنے والا ۱۲ ۵ سب کا سننے والا ۱۲ ۶ سب چیزوں کو دیکھنے والا ۱۲ ۷ ہر بات پر قدرت رکھنے والا ۱۲ ۸ دلیری ۱۲ ۹ یعنی بے دھڑک تجھ سے گناہ سرزد ہوتے تھے ۱۲ ۱۰ فائدہ آرام چین ۱۲ ۱۱ یعنی اپنی ہی کوشش کا نتیجہ سمجھا ۱۲ ۱۲ مراد ہے کہ آپ اپنا نقصان کرتا تھا ۱۲ ۱۳ جس میں تمام خوبیاں اکٹھی ہوں ۱۲ ۱۴ احسان کو بھول جانے والا ۱۲

سلوک کیا اتنا ہی تو میری مخالفت پر کمربستہ[1] رہا جتنی میں تیری رعایت کرتا رہا اُسی قدر تو گستاخ[2] اور شریر ہوتا گیا۔ اس حیاتِ بے ثبات[3] پر تجھ کو اتنا گھمنڈ[4] ہو گیا تھا کہ تو اپنے تئیں ہماری خدائی سے باہر رے چلا تھا۔ اس چند روزہ[5] زندگی پر تو اسقدر مغرور تھا کہ دائرہ عبودیت[6] سے اپنے تئیں خارج کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے تجھ کو نیست[7] سے ہست کیا اور خلعتِ انسانیت سے سرفراز بنایا جو تجھ کو درکار تھا۔ سو دیا جس کا تو حاجتمند تھا سب مہیا[8] کیا ہر حال میں تیرے حافظ۔ ہر کیفیت میں تیرے نگہبان رہے۔ کیا اسواسطے کہ تو کبھی بھول کر بھی ہماری طرف توجہ نہ کرے اور ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ[9] کی مسجد ہم سے جدا رکھے جب تو ایک مضغۂ[10] گوشت تھا ضعیف و لایعقل[11] نادان و جاہل ضعیف اتنا کہ نقل و حرکت[12] پر قادر نہیں نادان ایسا کہ خویش و بیگانے[13] کا امتیاز[14] نہیں ہم نے تجھ کو دودھ پلوا پلوا کر توانا کیا اور اپنے بندے جو تجھ پر ہر طرح کا تصرف رکھتے تھے یعنی تیرے ماں باپ تیری خدمت گزاری کو مقرر کئے اور ان کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ انھوں نے ہمارے حکم سے۔ تجھ کو پالا پوسا[15]

---

[1] مستعد طیار ۱۲ [2] بے ادب ۱۲ [3] زندگی ناپائیدار [4] غرور ۱۲ [5] تھوڑے دن کی ۱۲ [6] بندگی کا حلقہ ۱۲ [7] کچھ نہ تھا پیدا کر دیا ۱۲ [8] موجود ۱۲ [9] یہ محاورہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص دوسروں کی رائے کے خلاف اپنی سمجھ سے علیحدہ ایک کام کرتا ہے [10] گوشت کی لوتھڑی ۱۲ [11] بیوقوف ۱۲ [12] ہلنے چلنے کی بھی طاقت نہ تھی ۱۲ [13] اپنے پرائے ۱۲ [14] فرق کرنے کا سلیقہ ۱۲ [15] پرورش کیا ۱۲۔

اندر تو روز بروز چونچال[1] اور خوشحال ہوتا گیا پھر ہم نے عقل کو تیرا اصلاح کار بنایا کہ تو اس کی مدد سے اپنی آسائش جائز کے واسطے ہر طرح کا سامان بہم پہنچائے۔ دنیا کے چرند۔ پرند۔ حیوانات[2]۔ نباتات[3]۔ جمادات[4]۔ سب کو تیرا مطیع[5] فرمان بنا دیا کہ تو ان پر حکم رانی کرے اور ان میں تصرف[6] رہے کیا اس لئے کہ تو بہک کر کبھی کبھی ہماری طرف رخ نہ کرے اور سدا ہم سے بھاگا بھاگا پھرے تیری زندگی محض ایک ہستی بے بود[7] تھی دو دو لمحے تجھ کو تنفس[8] کے لئے ہوا نہ ملتی تو تیرا دم نکل جاتا۔ ایک رات دن بے آب و دانہ تجھ کو جینا دشوار ہوتا منوں ہوا تو سونگھ گیا اور کبھی نہ سوچا کہ ہمارے طفیل سے غلہ[9] انبار کے انبار ٹھونس گیا اور کبھی نہ سمجھا کہ ہماری بدولت زندگی بھر کی کنوئیں تو نے خالی کئے ہوں گے مگر کبھی دھیان نہ کیا کہ ہمارے صدقے ہیں اور ایک پانی اور ہوا اور غلہ و غذا کیا ضرورت کی کل چیزیں تو کہاں سے لاتا اور کہاں بہم پہنچاتا تھا۔ ہمارے توشہ[11] خانۂ عام سے۔ مگر اس پر تیری یہ ہیکڑی تھی کہ گویا ہم تیرے قرض دار ہیں یا ہم پر کچھ تیرا ادھار آتا ہے۔ تو کھاتا تھا اور مکرتا تھا لیتا تھا اور بھول بھول جاتا تھا۔ دنیا کی باتوں میں تو تیری عقل بڑی رسا تھی مگر تو جان بوجھ کر ہمارے ہی

---

[1] ہشیار ۱۲ [2] جان دار ۱۲ [3] کھیل پھول درخت ۱۲ [4] بے جان چیزیں جیسے مٹی پتھر وغیرہ ۱۲ [5] حکم کا تابع ۱۲ [6] اپنے کام میں لائے ۱۲ [7] بے حقیقت زندگی ۱۲ [8] سانس لینے کے لیے ۱۲ [9] ڈھیر کے ڈھیر [10] نکل گیا ۱۲ [11] مراد ہے گودام ۱۲ [12] مطلب کو پہنچنے والی ۱۲

ساتھ تجاہل[1] کرتا تھا۔ منھ پر آنکھیں تھیں اور اندھا۔ ایک چھوڑ دو دو کان تھے اور بہرا۔ زمین۔ آسمان۔ چاند۔ سورج۔ ستارے۔ جنگل۔ دریا میدان۔ انواع واقسام کے درخت۔ پھل پھول کھانے کو الوان نعمت[2] پہننے کو رنگا رنگ خلعت۔ جواہر بیش بہا[3]۔ نقرہ وطلا[4]۔ دنیا بھر کا سامان ہم نے تیرے واسطے مہیا کیا اور ایک تیرے دم کے لئے اس قدر لوازمہ[5] بہم پہنچایا۔ ہم کو یہاں تک تیری خاطر عزیز اور تو ہم سے منحرف[6]۔ ہم کو اس قدر تیری بزرگ داشت[7] ملحوظ اور تو ہم سے برگشتہ۔ ہم چاہتے تو ایک ادنیٰ سی چیونٹی تیرے ہلاک کرنے کو کافی تھی ہم حفاظت نہ کرتے تو خود تیرے جسم میں فساد کا مادہ ایسا تھا کہ ایک ذرا سا روگ تیرے فنا کردینے کو بہت تھا مگر ہم تجھ سے دوستی کرتے تھے اور تو ہم سے عداوت۔ ہم عنایت کرتے تھے اور تو بغاوت[8]۔ کیا یہی تھا بدلہ جو تو نے ہم کو دیا۔ کیا یہی تھا صلہ[9] جو تجھ سے ہم کو ملا۔ ہم نے تجھ کو دنیا میں بھیجتے وقت کیا تاکید کی تھی کہ دیکھ روح ایک جوہر لطیف[10] ہے اور مجھ کو بہت ہی عزیز ہے ایسا نہ کرنا کہ اس کو دنیا میں جاکر بگاڑ لاوے۔ یہ میری عمدہ امانت اور نفیس ودیعت[11] ہے۔

---

[1] جان بوجھ کر اپنے تئیں بے خبر بنانا ۱۲ [2] رنگ برنگ کے کھانے ۱۲ [3] بیش قیمت موتی ۱۲ [4] چاندی سونا ۱۲ [5] سامان ۱۲ [6] پھرا ہوا ۱۲ [7] خاطرداری ۱۲ [8] سرکشی ۱۲ [9] انعام ۱۲ [10] پاکیزہ جوہر ۱۲ [11] امانت ۱۲

دیکھ اس کی احتیاط کما ینبغی[1] اور حفاظت کما حقہ[2] کیجیو جیسا اُجلا شفاف براق روشن یہاں سے لیے جاتا ہے ایسا ہی دیکھ لوں گا۔ آج تو اے رُوسیاہ اس کو لایا ہے پر تجھ سے بدتر اور ٹھیکری سے کمتر بنا کر۔ نجس۔ ناپاک۔ تیرہ۔ بے آب لایا۔ بار رونق خراب۔ ہم نے تو تجھ سے چلتے چلتے کہہ دیا تھا کہ تو دنیا میں دل مت لگا ئیو اور اس طرح رہیو جیسے سرائے میں مسافر تو وہاں گیا تو بس وہیں کا ہو رہا اور ایسی لمبی تان کر سو یا[3] کہ قبر میں آکر جاگا۔ تھا تو مسافر اور بن بیٹھا مقیم۔ تھا تو سیاح[4] اور ہو گیا متوطن۔ کیا تو تمام عمر دنیا میں مال ہی نہیں جمع کرتا رہا اور کیا تو نے پکی پکی عمارتیں اس خیال سے نہیں بنوائیں کہ مدتوں اُن میں رہے گا۔ مسافر کا یہی کام ہے۔ سیاح کا یہی شیوہ ہے۔ تو تو جانتا تھا کہ تجھ کو یہاں لوٹ کر آنا ہے پھر مرنے کے نام سے تجھ کو موت کیوں آتی تھی اور چلنے کی خبر سن کر تو چلتا کیوں تھا۔ اول تو تجھ کو ہماری عبادت کا اتفاق ہی نہیں ہوا لیکن جب کبھی تو لوگوں کی شرم حضور یا دکھاوے یا اتباع رسم[5] کی وجہ سے مصروف عبادت ہوا بھی تو کس طرح کہ دل کہیں تھا اور تو کہیں۔ کوئی نماز بھی تیری سجدہ سہو[6] سے خالی نہ تھی۔ دُنیا کی برسوں کی بھولی بسری باتیں تجھ کو نماز میں یاد آتی تھیں اور نماز تو کیا پڑھتا

---

[1] جیسی چاہیے ۱۲ [2] جیسا حفاظت کا حق ہے ۱۲ [3] محاورہ ہے یعنی خوب پاؤں پھیلا کر سویا ۱۲ [4] لفظی معنی بہت سیر کرنے والا یہاں یہ مراد ہے کہ دنیا میں سیر کرنے کو آیا تھا اور اس طرح جم کر ہو بیٹھا کہ گویا کبھی یہاں سے چلنا ہی نہیں ۱۲ [5] رسم و رواج کی پابندی ۱۲ [6] اہل اسلام کے نزدیک نماز میں بعض ارکان کی کمی یا زیادتی سے نماز کے بعد دو سجدے کیے جاتے ہیں جن سے نماز پوری ہو جاتی ہے ۱۲

تھا گھاس کاٹتا تھا نہ تعدیلِ[1] ارکان ٹھیک۔ نہ قومہ[2] درست۔ نہ قعدہ[3] صحیح۔ برس بھر تو دوزخ شکم کو اناپ شناپ سے بھرتا رہتا تھا برس ویں دن صرف ایک مہینے کے روزے رکھنے کا ہم نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ تجھ کو ہماری نعمتوں کی قدر ہو تجھ کو اپنے ابنائے جنس[4] پر جو مبتلائے مصیبت ہیں رحم آئے اور تیری صحت بدنی کو بھی نفع پہنچے تیرے مزاج میں فروتنی[5] اور انکسار کی صفتِ محمود کہ یہ ادا ہم کو بہت بھاتی ہے پیدا ہو لیکن یوں دنیا کے کام دھندے میں تو تو دِن دِن بھر بے آب و دانہ مصروف رہا نہ شکوہ نہ گلہ تازہ دم ہشاش بشاش[6]۔ پھر کھانا تھوڑے کو موجود مگر روزہ چونکہ ہمارے حکم سے تھا دِن میں سینکڑوں مرتبہ تو پیاس کی شکایت اور جو آیا اُس سے ضعف و ناتوانی کی حکایت اَلعطش[7] اور اَلجوع[8] یہی تیرے دو وظیفے[9] تھے روزہ افطار کیا اور تو بدحواس ہو کر چارپائی پر ایسا گرا کہ گویا جان نہیں باوجودے کہ تو دو دو دن کا کھانا ایک ہی رات میں کھا لیتا تھا۔ پھر بھی اس تصور سے کہ کل پھر روزہ رکھنا ہے تیری جوع البقر[10] کو کسی چیز سے سیری نہ ہوتی تھی تو عید کا اس طرح منتظر رہتا تھا جیسے کوئی قیدی تاریخ رہائی کا تیرا بس چلتا تو انتیس[11]

---

[1] نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کو آہستگی اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا ۱۲ [2] کھڑا ہونا ۱۲ [3] بیٹھنا ۱۲ [4] تجھ جیسے لوگ بنی آدم ۱۲ [5] عاجزی ۱۲ [6] خوش و خرم ۱۲ [7] پیاس ۱۲ [8] بھوک ۱۲ [9] یعنی یہی دو شکایتیں ہر وقت تیری زبان پر جاری تھیں ۱۲ [10] گائے بیل کی سی بھوک جو کبھی کھانے سے سیر نہیں ہوتے ۱۲ [11] مسلمان ۲۹ کے چاند کی عید سے زیادہ خوش ہوتے ہیں ۱۲

کیا ۱۹ کی عید کرتا۔ کیا ایسے ہی روزوں کے ثواب کا تو امیدوار اور اجر کا متوقع ہے میں نے تجھ کو انسان بنا کر بھیجا تا کہ مصیبت زدوں کی ہمدردی کرے مگر تو نے ایسی تن آسانی اختیار کی کہ راحت پہنچانا تو درکنار دوسروں کو تکلیف دے کر بھی آسائش حاصل کرنے میں تجھ کو باک[1] نہ تھا تیرے ہمسائے ہمارے بندے رات کو فاقے سے سوتے تھے اور تجھ کو سوءہضم[2] کے علاج سے اُن کی پرداخت[3] کی پروا نہ تھی۔ تیرے پڑوس میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جاڑے کی لمبی راتیں آگ تاپ تاپ کر سحر کرتے اور تو دوہرے دوہرے لحاف اور بھاری بھاری توشکوں میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوتا۔ نعمت مال و دولت جو ہم نے تجھ کو عطا کی تھی تو نے تکلفات لایعنی[4] اور نمود و نمائش کی غیر ضروری چیزوں میں بہت کچھ تلف[5] کی اور جو لوگ اس کے سخت حاجت مند تھے ترستے کے ترستے رہ گئے۔ تیری سب خباثتیں[6] تجھ کو معلوم ہیں تو نے درماندگی[7] کا نام خدا رکھ چھوڑا تھا۔ جب تک سعی و تدبیر سے کار برآری کی اُمید ہوتی تھی تجھ کو ہرگز پروا نہ ہوتی تھی کہ خدا بھی کوئی چیز ہے۔ اور انتظام دنیا میں اس کو بھی کچھ دخل ہے۔ مگر ہاں جب تو عاجز درماندہ ہوتا تھا۔ تب تو خدا کو یاد کرتا تھا۔ اگر ہماری

---

۱ خوف ۱۲ ۲ بدہضمی ۱۲ ۳ پرورش ۱۲ ۴ بیکار ۱۲ ۵ ضائع کی ۱۲
۶ شرارتیں ۱۲ ۷ بے بسی یعنی جب تدبیر سے کام نہ چلتا تھا اور تو عاجز ہو رہا تھا تو اس وقت تجھ کو خدا یاد آتا تھا ۱۲

خدائی اور سلطنت تیری فرمانبرداری کی محتاج ہوتی تو تو نے اس کے اٹھا دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ تو نے ہمارے فرمان واجب الاذعان[۱] کی بے حرمتی اور احکام لازم الاحترام[۲] کی بے توقیری[۳] کی اور تو نے اپنا بُرا نمونہ دکھا کر میرے دوسرے بندوں یعنی اپنے فرزندوں کو بھی گمراہ کیا۔ ہر روز تو لوگوں کو مرتے دیکھتا اور سنتا تھا کیا تجھ کو نہیں سمجھنا چاہیئے تھا کہ ایک دن تو بھی مرے گا۔ خود تیری حالت میں کتنے کتنے انقلاب واقع ہوئے لڑکے سے جوان ہوا جوان سے بڈھا ناتواں بال تیرے سفید ہوئے دانت تیرے ٹوٹے کمر تیری جھکی۔ قوتوں میں تیری فتور[۴] آیا۔ غرض ہم نے تجھ کو سوتا دیکھ کر بہتیرا جھنجوڑا بہتیرے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیئے۔ کئی بار اُٹھا اُٹھا کر بٹھا بٹھا دیا مگر تیرے نصیب کچھ ایسے سوتے تھے کہ تو نے ہی کروٹ نہ لی ؎

تمام عمر تو غفلت میں سویا ہمارا کیا کیا اپنا ہی کھویا

سختگیری[۵] خود ہی ہماری عادت نہیں اور سختگیری ہم کریں بھی تو کس پر اپنے بندوں پر جن کا مارنا اور جلانا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے مگر جب بندہ بندہ ہو اور ہم کو اپنا مالک سمجھے۔ نہ خر[۶] نا مشخص کہ ہم تو دیں

---

۱ حکم جس کا تعمیل کرنا ضرور ہو ۱۲ ۲ ہمارے احکام جن کی عزت کرنی لازم تھی ۱۲ ۳ بے عزتی ۱۲ ۴ ضعف آیا ۱۲ ۵ سختی کرنا ۱۲ ۶ خر۔ گدھا نا مشخص بے ٹھکانہ ۱۲

زُبان اور وہ کہے کہ میری آنکھیں پھوٹیں۔ ہم سے زیادہ کبھی کوئی درگزر کرنیوالا ہوگا کہ ایک معذرت[1] پر عمر بھر کے گناہوں کو ہم نے قاطبتہً[2] بھلا بھلا دیا ہے لیکن یہ استغفار[3] ندامت و حسرت کا اظہار بھی تو کوئی کرے ہماری رحمت حیلے[4] جو ہماری رافت[5] بہانہ طلب کتنی کتنی بار جوش میں آئی مگر ہم نے اُس کو صرف کرنے کا موقع نہ پایا۔ اگر بندہ ہمارے ساتھ نسبتِ عبودیت[6] صحیح رکھتا تو ہم اُس کی لاکھ برائیوں پر خاک ڈالتے ہم کو تو بڑی شکایت یہی ہے کہ اس نے ہم کو معبود ہی نہ گردانا عالم اسباب میں رہ کر اسباب پرست ہوگیا۔ پھر ہم جو دیکھتے ہیں تو ہمارے احکام بھی کچھ سخت نہ تھے۔ کھانے کو ہم نے نہیں روکا۔ سونے کو ہم نے منع نہیں کیا۔ تمتعات[7] دنیوی سے ہم نے باز نہیں رکھا پھر جو تو نے ان کی بجا آوری نہ کی تو سوائے تیری بدنفسی[8] کے اور تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اے شخص نجات جس کا تو اب رہا بہت آرزومندی کے ساتھ خواہاں ہے اے کاش زندگی میں

---

[1] عذر، اہل اسلام کے ہاں لکھا ہے کہ اگر تمام عمر کوئی شخص برے کام کرے اور پھر خدا کے سامنے سچائی کے ساتھ عذر کرے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں گویا گناہوں کا معاف کرنا اپنے اختیار میں ہے ذرا ندامت کا اظہار ہوا اور گناہ معاف ۱۲

[2] بالکل ۱۲ [3] معافی مانگنا ۱۲ [4] یعنی خدا کی رحمت حیلے بہانے ڈھونڈا کرتی ہے ۱۲ [5] شفقت یہ کسی قدر رحمت سے بڑھی ہوئی ہے یہ کبھی موقع اور محل کی منتظر رہتی ہے ۱۲ [6] بندگی ۱۲ [7] دنیا کے فائدے ۱۲ [8] بدذاتی ۱۲

تجھ کو اس کی اتنی ہی پروا ہوتی جیسے اُڑد[۱] پر سفیدی۔ دُنیا کے چھوٹے چھوٹے نقصان اور ذرا ذرا سے زیان تجھ کو مضطر[۲] اور بے چین کر دیا کرتے تھے۔ اگرچہ کیا دنیا اور کیا دنیا کا خسارہ[۳] کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا لیکن تباہی دین کی تجھ کو خبر تک بھی تو نہیں ہوئی اے کاش تجھ کو نماز کے قضا ہونے کا اتنا ہی رنج ہوتا جتنا ایک مٹی کے پرانے آبخورے کے ٹوٹ جانے کا ہوتا تھا ہم جانتے ہیں کہ اب تجھ کو بہت ہی بڑی ندامت ہے۔ لیکن اس ندامت کا کچھ ماحصل[۴] نہیں اس واسطے کہ یہ دار الجزا[۵] ہے دار العمل[۶] نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو تو ایک بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ لیکن حجت تمام کرنے کی نظر سے ہم تجھ کو مہلت دیتے ہیں جا اپنے نامۂ اعمال[۷] کو دیکھ اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی بات ہم سے بیان کر بشرطیکہ معقول اور قابلِ قبول ہو۔

---

[۱] محاورہ ہے مراد اس سے مقدار قلیل ہے یعنی ذرا سی بھی پروا نہ ہوتی ۱۲ [۲] بیقرار ۱۲ [۳] گھاٹا نقصان ۱۲ [۴] کچھ فائدہ نہیں ۱۲ [۵] بدلے کا گھر۔ یعنی جو کچھ دنیا میں کیا ہے یہ وقت اس کے بدلے کا ہے ۱۲ [۶] کام کرنے کا گھر مراد اس دنیا سے ہے ۱۲ [۷] وہ کاغذ جس میں انسان کے تمام بُرے بھلے کام جو اس نے دنیا میں کیے ہیں لکھے ہوں گے ۱۲

خواب سے بیدار ہو کر نصوح کو اپنی اور اپنے خاندان کی لایعنی زندگی پر سخت تاسف ہوا اور اُس نے تلافیٔ مافات[1] کا عہد کر کے فہمیدہ اپنی بی بی سے ماجرائے خواب بیان کیا اور اصلاحِ خاندان کیلئے اُسکو اپنا مددگار بنایا

باپ نے جو یہ رام کہانی سنائی بیٹے پر اس طرح کی ہیبت چھائی کہ چونک پڑا۔ جاگا تو پھر وہی دالان تھا اور وہی تیمارداریوں کا سامان۔ بی بی پاس بیٹھی ہوئی آہستہ آہستہ پنکھا جھل رہی تھی۔ میاں کی آنکھ کھلی ہوئی دیکھ اس

---

[1] جو کام کرنے سے رہ گیا تھا۔ اس کا عوض یعنی اس نے اپنے دل میں عہد کیا کہ میں نے جو غفلت سے اپنا زمانہ برباد کیا ہے کسی طرح اِس کی کسر نکالوں ۱۲

کی جان میں بھی جان آئی ورنہ جس گھڑی سے میاں نے جی[1] برا کیا تھا سہمو
کے مارے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا۔ نصوح آٹھ بجے ڈاکٹر کی دوا پی کر جو پڑا
تھا تو اُس وقت کا سویا سویا اب کہیں دو بجے جاکر ہوشیار ہوا چونکہ ڈاکٹر
کہہ گیا تھا کہ نیند آگئی تو جاننا بیمار بچ گیا اس کے سونے سے سب کو تسلّی
سی ہو گئی تھی۔ مگر جب زیادہ دیر ہوئی تو عورتیں پھر گھبرانے لگیں کہ نہیں معلوم
کمبخت ڈاکٹر کیسی دوا پلا گیا ہے کہ دوپہر پڑے پڑے گزر گئے کروٹ تک
نہیں بدلی۔ خدا جانے اندر سے جی کیسا ہے اور دل پر ایسی کیا آن بنی ہے۔
کیونکہ ہوش آئے تو دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ نصوح بیدار ہوا تو بی بی نے پوچھا
کیسی طبیعت ہے۔ اچھے سوئے کہ گھر میں رونا پیٹنا ہوا کیا اور تم کو خبر نہیں
بولو بات کرو کہ اوپر والوں[2] کو تسلی ہو۔ کسی بچے کے مُنہ میں دانہ تک گیا
ہو تو حرام۔ چھوٹے بڑے سب کل کے کھائے ہوئے ہیں روتے روتے
لڑکیوں کی آنکھیں سوج گئی ہیں۔ لڑکے ہیں کہ مضطر اور پریشان پھرتے ہیں۔
بی بی نے ہر چند دل جوئی کی باتیں کیں۔ مگر نصوح کو خواب کا سارا ماجرا پیشِ نظر
تھا مطلق جواب نہ دیا۔ بی بی سمجھی کہ بیماری کی وجہ سے بولنے کو جی نہ چاہتا ہوگا۔
مگر وہ خدشہ[3] سب کے دل سے دفع ہو گیا۔ مبارک سلامت ہونے لگی اور

---

[1] عورتوں کا محاورہ ہے قے کرنے کو کہتے ہیں ۱۲ [2] یعنی تیمارداروں کو اور گھر کے لوگوں
کو تسلی ہو ۱۲ [3] اندیشہ ۱۲

گھر بھر نے بے رمضان کے عید منائی گو دیر ہوگئی تھی مگر لوگ بھوکے تھے بازار سے حلوا پوری منگوا کر سب نے تھوڑا بہت کھایا پیا کھانے ہی میں کسی نے یہ بات بھی چھیڑی کہ مریض کا غسلِ صحت ہو تو ایک رت جگا[1] بڑی دھوم سے کیا جائے اور اچھے ہونے کی شادی کریں۔ یہ لوگ تو شادی اور رت جگے کے ارادے کر رہے تھے اور نصوح اپنے خواب کے تصور میں غلطاں پیچاں[2] تھا۔ اس کا دل مان گیا تھا کہ یہ خواب میرے وہم و خیال کا بنایا ہوا تو ہرگز نہیں ہے۔ ہو نہ ہو یہ ایک امر من جانب اللہ ہے خواب کیا ہے رویائے[3] صادقہ اور الہام[4] آلہی ہے۔ باپ کا اظہار اس نے ایسی توجہ سے سنا تھا کہ حرف بحرف نوک زبان یاد تھا۔ جتنے الزام باپ پر لگائے گئے تھے غور کرتا تھا تو سب اپنے میں پاتا تھا بلکہ باپ کی حالت سے اپنی حالت کو مقابلہ کرتا تھا تو کچھ نسبت نہ تھی۔ اُن مرحوم[5] کا یہ حال تھا کہ نماز روزے کے پابند۔ درود وظائف کے مقید۔ معاملے کے صاف بیوہار کے کھرے۔ لوگوں کے دیکھنے میں محتاط[6]۔ پرہیزگار متقی۔ دیندار۔ اور یہاں نماز بھی تھی تو گنڈے دار[7]۔ عیدین[8] تو ضرور اس واسطے کہ عید سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی تیوہار نہیں اس سے

---

[1] جب کوئی خوشی ہوتی ہے تو عورتیں رات بھر جاگتی اور گیت گاتیاں ہیں ۱۲ [2] حیران پریشان ۱۲ [3] سچا خواب ۱۲ [4] خدا کی طرف کا اشارہ ۱۲ [5] رحم کیا گیا مسلمانوں میں جب کوئی مر جاتا ہو تو اس کی طرف اس لفظ سے اشارہ کیا کرتے ہیں ۱۲ [6] احتیاط والے ۱۲ [7] یعنی کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی ۱۲ [8] دونوں عیدیں یعنی عید۔ بقرعید ۱۲

بھاری کوئی میلہ نہیں برس روز میں یہی دو دن تو ساز و سامان کی نمائش کے ہوتے ہیں۔ کوئی اپنے نئے شان دار کپڑوں میں اکڑ رہا ہے۔ کوئی گھوڑے کو چھیڑ چھیڑ کر کُداتا ہوا قصداً لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی نوکروں کی ہٹو بڑھو سن کر پھولا ہوا ہے۔ کوئی کرائے یا مانگے کے تانگے پر سوار گاڑی بان سے کہتا ہے چودھری کیا سڑیل تانگہ بنا رکھا ہے گز[؟] ہے تو میلا۔ پوششِ[۱] تو پھٹی ہوئی نہ بیلوں کے گلے میں گھونگھرو۔ نہ بہیوں میں جھبا۔ خیر اب نماز کا وقت قریب ہے اتنا نوکر کہ وہ آگے اِکہ جا رہا ہے اُس کے برابر لگائے چل مرد آدمی تجھ کو انعام لینے کا بھی سلیقہ نہیں رہا۔ جمعہ کی نماز اگر کپڑے خوب صاف ہوئے اور دھوپ بھی ایسی سخت نہ ہوئی دن ابر و باد سے پاک ہوا دوست آشناؤں سے ملنے کو جی چاہا تو گئے ورنہ محلے ہی کی مسجد میں ٹرخائی[۲] یا دل میں تاویل کر لی کہ شرائطِ جمعہ میں اختلاف ہے۔ پنج وقتی کو تو فرض و واجب کیا مستحب بھی نہیں سمجھا۔ صبح اور ظہر اور عشا تو عمر بھر پڑھی نہیں کیونکہ عین سونے کا وقت تھی۔ رہی عصر سو ہوا خوری اور سیر بازار اور خرید و فروخت دوست آشناؤں کی ملاقات دنیا بھر کی ضرورتوں کو بالائے طاق رکھتے تو ایک نماز پڑھتے۔ مغرب کے واسطے تو عذر ظاہر تھا وقت

---

[۱] اوپر ڈالنے کا کپڑا ۱۲ [۲] یعنی بے دلی سے ادا کی ۱۲

کی تنگی جب تک پھر پھرا کر گھر آئے حمرت[1] شفق زائل ہو جاتی تھی۔ یہ تو اس
عبادت کا حال تھا جس کو ثواب بے زحمت اور اجر بے تکان کہنا چاہیے اور
جس عبادت میں ذرا سی تکلیف بھی تھی جیسے روزہ یا زکوٰۃ حتی الوسع[2] کوئی
نہ کوئی حیلہ شرعی اُس سے معاف رہنے کا سوچ لیا جاتا تھا۔ رجب کا مہینا آیا
اور روزوں کے ڈر کے مارے ایک عجب طرح کا سہم چڑھا۔ سب سے
آسان نسخہ[3] یہ کہ کسی طبیب کے یہاں آنا جانا شروع کیا اُنھوں نے چند
روزہ زندگی کے واسطے وہ وہ بکھیڑے کھڑے کر رکھے ہیں کہ روئے زمین
پر اُن کے نزدیک کوئی تندرست ہی نہیں۔ یوں ملنے ملاقات کرنے جاؤ
تو پان کی عوض نسخہ حوالے کر دیتے ہیں اور جہاں ایک دفعہ دوا پی اور روگ
در روگ لگا۔ رمضان کے آتے آتے تو طبیعت خاص محتاج مسہل[4] ہو گئی اور
حکیم صاحب کی بدولت روزوں سے بچ گئے۔ زکوٰۃ[5] کا ٹال دینا تو کچھ بڑی
بات نہ تھی نصاب[6] پر حولان[7] کامل کیوں گزرنے دیں کہ زکوٰۃ دینی پڑے جب
دیکھا کہ برس پورا ہونے آیا بی بی کے نام زبانی ہبہ[8] کر دیا۔ گھی کہاں گیا

---

[1] شفق کی سرخی نماز مغرب کا وقت۔ حمرت شفق کے زائل ہونے کے بعد نہیں رہتا ۱۲
[2] جہاں تک ہو سکتا تھا ۱۲ [3] تدبیر ۱۲ [4] جلاب ۱۲ [5] مال کا چالیسواں حصہ جو برس پیچھے خدا کی راہ میں دیا جاتا ہے ۱۲ [6] مال کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اقل درجہ چاندی کا دو سو درہم کے برابر ہے اور سونے کا بیس دینار کے برابر۔ درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے اور دینار ساڑھے چار ماشے کا ۱۲ [7] پورا سال ۱۲ [8] بخشش بلا عوض ۱۲

گھی کہاں گیا کھچڑی میں جب بی بی پر وجوب زکوٰۃ کا وقت آیا پھر اپنے
نام ہبہ کرالیا اور ٹھیٹر[1] بدلائی کرکے خدا کو بالا[2] بتایا مال کو ایسے پیرائے میں
رکھا کہ زکوٰۃ سے بری رہے خاصی طرح دو کانیں مول لیں۔ مکان بنوائے
ان میں کرایہ دار بسائے کہ مال نامی[3] زکوٰۃ ندارد غرض جہاں تک نصوح احتنا
کرتا تھا اپنے تئیں دین سے بے بہرہ۔ ایمان سے بے نصیب۔ نجات سے دور
ہلاکت و تباہی سے قریب پاتا تھا جب عمل نیک پر نظر کرتا یا تو سرے سے اُس
کے اعمال نامے میں تھا ہی نہیں اور تھا بھی تو ایک عمل اور سینکڑوں رخنے[4] ہزاروں
فساد۔ دو چار نمازیں ہیں تو کاہلی و بے دلی دریا[5] سے خالی نہیں کبھی جاڑے
کے دنوں میں یا افطار و سحور[6] میں شریک ہونے کی نظر سے جو روزے رکھنے کا
اتفاق ہوا تھا تو ان میں دکھاوے اور ظاہر داری کا نقص تو تھا ہی تکلیف
کی شکایت سے نیکی برباد گناہ لازم۔ کبھی کسی بھوکے ننگے کو وہ چیز جو
جو اپنے مصرف کی نہ تھی دی تو اس کو یوں اکارت[7] کہ ایک دفعہ دے کر
سو سو بار احسان جتایا اور یہ سمجھے کہ بیچارے محتاج کو عمر بھر کیواسطے

---

[1] ٹھیٹر سے سیانے یا سنوں کا بہت رد و بدل کرتے رہتے ہیں ۱۲ [2] ٹال دیا ۱۲ [3] نامی کے دو معنی ہیں اول متعارف یعنی نامیدہ مشہور اور دوسرے اسم فاعل نمو سے یعنی بالندہ اور بڑھنے والا افزود یا مال نامی میں دوسرے معنی مراد ہیں اور آپ نامی میں پہلے ۱۲ [4] لفظی معنی سوراخ یعنی خلل ۱۲ [5] دکھاوا ۱۲
[6] افطار روزہ کھولنے کو کہتے ہیں اور سحور آخر شب کے اٹھنے کو کہ اس وقت مسلمان کھا پی کر روزہ شروع کر دیتے ہیں ۱۲ [7] بے کار کیا ۱۲

مول لے لیا۔ خلاصہ یہ کہ کوئی عمل نیک نہ تھا۔ جو خالصۃً للہ[1] ہوا ور انصافاً
اس کے ثواب کی توقع اُس کے اجر کی امید کی جائے۔ ان خیالات نے نصوح
کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ بے اختیار ہو کر رو دیا اور کہنے لگا کہ الٰہی مجھ سے زیادہ
نالائق نابکار ناکس۔ ناہنجار[2] بھی کوئی شخص ہوگا کہ میں نے اپنی ساری عمر تیری
نافرمانی میں کاٹی۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا یا پیدا ہوا تھا تو معصیت[3] پر قدرت
ہی نہ رکھتا۔ کوئی ایسی سخت مصیبت مجھ پر پڑتی کہ سر کھجلانے کی فرصت نہ دیتی
مجھ پر بجلی نہ گری آسمان نہ ٹوٹ پڑا۔ مجھ کو سانپ نہ سونگھ گیا۔ ہیضہ کر کرا کے میں
بے حیا پھر اُٹھ بیٹھا۔ لعنت ہے مجھ پر اگر اب مدت العمر[4] گناہ کے پاس پھٹکوں۔ تف
ہے میری زندگی پر اگر پھر معصیت پر اقدام[5] کروں۔ یہ عہد اپنے جی میں استوار[6] کر کے
اس کو پھر اپنی تلف شدہ[7] زندگی کا خیال آگیا اور دل میں کہنے لگا کہ میں نے ساری عمر جو
اس تباہ حالت میں غارت کی اس کی تلافی کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں اور بڑی
بے انصافی ہے کہ میں جرم کروں اور سزا نہ پاؤں۔ گناہ کروں اور اس کی پاداش[8]
نہ بھگتوں۔ نصوح کو اپنے گناہوں پر اس وقت اتنی ندامت تھی کہ مرنے کو وہ
اپنی ایک ادنیٰ سی سزا سمجھتا تھا۔ گھر بھر اس کے جان بر[9] ہونے کی خوشی منا رہا تھا

---

[1] خاص خدا کے لیے ۱۲ [2] نالائق۔ بیہودہ ۱۲ [3] گناہ ۱۲ [4] جب تک جیتا رہوں ۱۲
[5] سبقت کروں ۱۲ [6] مضبوط ۱۲ [7] جو عمر بے کار کھو چکا تھا ۱۲ [8] سزا ۱۲ [9] زندہ
بچ جانے ۱۲

اور اُس کو افسوس تھا کہ میں مر کیوں نہیں گیا۔ علالت کی وجہ سے اُٹھنے سے معذور تھا۔ مگر تکیے پر اوندھا سر کیے ہوئے پڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدایا میں تو اسی قابل ہوں کہ دوزخ میں جھونک دیا جاؤں مگر جب تو نے اپنے فضل سے پھر چند روز کے واسطے دنیا میں رکھ لیا ہے تو ایسی توفیق عطا کر کہ نکوکاری اور تیری اطاعت و فرمانبرداری میں رہوں اور میری زندگی دیندارانہ زندگی کا نمونہ ہو۔ اپنے نفس کے احتساب سے فارغ ہوا تو نصوح کو خاندان کا خیال آیا۔ دیکھا تو بی بی بچے سب ایک رنگ میں ہیں دنیا میں منہمک[۱] - دین سے بے خبر۔ تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ واحسرتا[۲] میں تو تباہ ہوا ہی تھا میں نے اِن تمام بندگانِ خدا کی بھی باٹ ماری[۳]۔ اپنی شامتِ اعمال کیا کم تھی کہ میں نے ان سب کا وبال سمیٹا۔ مجھ کو خدا نے اس گھر کا مالک اور سردار بنایا تھا اور اتنی روحیں مجھ کو سپرد کی تھیں افسوس میں ودیعتِ ایزدی کو تلف کیا اور امانتِ الٰہی کی نگہداشت میں مجھ سے اس قدر سخت غفلت ہوئی یہ سب لوگ میرے حکم کے مطیع اور میری مرضی کے تابع تھے میں نے اپنا بُرا نمونہ دکھا کر اُن سب کو گمراہ کیا اگر میں قدغن[۴] رکھتا تو یہ کیوں بگڑتے اور یہ بگڑے تو آخر ان سے جو نسل چلے گی

---

[۱] مصروف ۱۲ [۲] اے افسوس ۱۲ [۳] رستہ کھوٹا کیا ۱۲ [۴] ترکی لفظ ہے اس کے معنی تاکید و تنبیہ کے ہیں ۱۲

وہ بھی بگڑے گی غرض میں دُنیا میں بدی کا بیج بو چلا۔ جو لوگ خدا کے اچھے بندے ہوتے ہیں باقیات[1] الصالحات اور یادگار نیک دُنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ میں ایسا بدبخت ہوا کہ مجھ سے یادگار بھی رہی تو بدی جب تک میری نسل رہے گی بڑھتی اور پھیلتی جائے گی۔ جب یہ لوگ خدا کے روبرو جواب دہی کے واسطے حاضر ہوں گے تو آخر کہیں گے کہ ہم کو کسی نے راہ نیک بتلائی نہیں تو میں کیا جواب دوں گا یہ خیال کر کے نصوح پھر ایک مرتبہ پکار کر رویا اور دوسرا عہد اس نے یہ کیا کہ جتنے لوگ میرے خاندان میں ہیں سب کی اصلاح وضع کروں گا اور پھر اس نے خدا سے دعا کی کہ اے ار[2] العالمین تو اس ارادے[3] میں میری مدد کر جو مشکل آئے آسان ہو جائے میری بات میں اثر دے اور میرے عزم[4] میں استحکام۔ نصوح کو ایسی ٹھوکر نہیں لگی تھی کہ وہ اس کو بھول جاتا متنبہ ہوئے پیچھے اُس کو اپنی اصلاح دشوار نہ تھی مگر اصلاحِ خاندان ایک بڑا مشکل کام تھا وہ بخوبی واقف تھا کہ دینداری اور خدا پرستی میرے خاندان کے لیے بالکل نئے الفاظ ہیں جن سے چھوٹے بڑے کسی کے کان آشنا نہیں وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ گھر بھر ایک طرف ہوگا اور میں اکیلا ایک طرف نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنے گا اور میں ایک سورما چنا[5] بن کر کیوں کر معصیت کے بھاڑ کو پھوڑ ڈالوں گا

---

[1] اچھے یادگار نیک کام ۱۲ [2] اے تمام جہانوں کے معبود ۱۲ [3] ارادہ ۱۲ [4] محاورہ یعنی تنہا کیا کروں گا

پس وہ غور کرنے لگا کہ کس کو اپنا مددگار بنائے کس کو صلاح کار قرار دے آخر یہی دل میں آیا کہ اصلاح خاندان کے لئے بی بی سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں اور خدا کو کچھ اس خاندان کی فلاح[1] ہی منظور تھی کہ نصوح نے بی بی کو پڑھا لکھا بھی لیا تھا۔ جب نصوح کا نیا نیا بیاہ ہوا ان ہی دنوں تعلیم نسواں[2] کا چرچا شروع تھا نئی نئی کتابیں جو عورتوں کے واسطے جاری ہوئی تھیں نصوح نے سب کو بہت شوق سے دیکھا تھا اور اس کا دل اس بات کو مان گیا تھا کہ عورتوں کے لکھانے پڑھانے میں چند در چند فوائد دینی و دنیوی مضمر[3] ہیں چنانچہ اس نے بعض کتابوں میں سے بعض مقامات دل چسپ[4] بی بی کو پڑھ کر سنائے بھلائی کی بات سبھی کو بھلی معلوم ہوتی ہے بی بی نے بھی اس کو تسلیم کیا کہ عورتوں کے لئے پڑھنا بہت مفید ہے بال بچوں کا کچھ بکھیڑا نہ تھا میاں سے پڑھنا شروع کیا تو چار پانچ مہینے میں اردو لکھنے پڑھنے لگی تب سے اب تک تھوڑا بہت مشغلہ[5] چلا ہی جاتا تھا۔ نصوح کو اس وقت بی بی کا پڑھا ہونا بہت ہی غنیمت معلوم ہوا اور سمجھا کہ بی بی یوں بھی خدا کے فضل سے اسم با مسمی[6] فہمیدہ ہے۔ اس کو سمجھا لیا تو چنداں دشوار نہیں رہے بچے جن کی عمر چھوٹی ہے وہ بھی اصلاح پذیر ہیں بڑی دقت بڑی عمر والوں کی ہے۔ ایک بیٹا ایک

---

۱ بہتری ۱۲ ۲ عورتوں کے پڑھنے ۱۲ ۳ پوشیدہ ۱۲ ۴ دل کو لگتے ہوئے ۱۲
۵ شغل ۱۲ ۶ فہمیدہ کے معنی سمجھدار کے ہیں مراد یہ ہے کہ نری نام ہی فہمیدہ نہ تھا بلکہ تھی بھی سمجھدار ۱۲

بیٹی بیاہے جا چکے تھے سمجھا کر دونوں اپنے اپنے گھر کے ہیں کسی پر میرا اختیار باقی نہیں اور ہو بھی تو جوان بیٹا جوان بیٹی مار نہیں سکتا گھر ک نہیں سکتا نرا سمجھانا اور وہ بھی اس عمر میں بڈھے طوطوں[1] کا پڑھانا ہے آخر وہ کہیں گے نہیں کہ برے ہیں تو بیدین ہیں تو تم ہی نے ہم کو ایسا اٹھایا اور جب ہماری عادتیں راسخ[2] اور خصلتیں طبیعت ہو گئیں تو اب ہم کو ان کا ترک کرنا تعلیم کرتے اور ہم کو ناحق ملزم بناتے ہو۔ یہ سوچنا تھا کہ نصوح کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور سمجھا کہ ان دو کی اصلاح محال ہے۔ اس کو زیادہ تر افسوس اس بات کا تھا کہ خدا کے فضل سے دونوں کے آگے اولاد ہے جس طرح میری بدی نے میری اولاد میں اثر کیا کیا ان کی بدی ان کی اولاد میں سرایت نہ کرے گی؟ مگر پھر بھی نصوح نے مصمم ارادہ کر لیا کہ انشاء اللہ اپنے مقدور بھر تو کوشش کرونگا یا تو راہ راست پر آئیں گے یا جیتے جی چھوڑ دوں گا جو خدا کا نہیں وہ میرا بھی نہیں۔ منجھلے[3] بیٹے اور منجھلی بیٹی کی طرف سے بھی نصوح کو خوب اطمینان نہ تھا اور جانتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی دقت کرنی پڑے گی۔ لیکن اس کا ارادہ ایسا مستحکم[4] تھا کہ کوئی مشکل اس کو روک نہیں سکتی تھی اور وہ مضطرب[5] اور مستعجل[6]

---

[1] قاعدہ ہے کہ طوطے کا بچہ جو باتیں سکھاؤ سیکھ جاتا ہے اور بڑا ہو کر وحشی کا وحشی رہتا ہے۔ یہاں یہ معنی ہیں کہ یہ بڑے ہو گئے ہیں ان کی اصلاح مشکل ہے ۱۲ [2] پکی مضبوط ۱۲ [3] بڑے سے چھوٹا اور چھوٹے سے بڑا۔ بچلا ۱۲ [4] بے چین ۱۲ [5] جلد باز ۱۲

اس قدر تھا کہ چاہتا تھا ہتھیلی پر سرسوں جما لوں۔ ابھی اچھی طرح بدن میں اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہیں آئی تھی کہ اس نے بی بی سے کہا تھوڑا پانی گرم کرا دو تو میں نہا لوں۔ بیوی۔ کیا غضب کرتے ہو ہاتھ پاؤں میں ذرا دم تو آنے دو نہلانے کی ایسی کونسی ساعت ماری جاتی ہے جب اصل خیر سے چلنے پھرنے لگو گے عاصی طرح حمام میں جا کر غسل کرنا۔ میاں۔ میں نماز پڑھنی چاہتا ہوں علالت میں طرح طرح کی بے احتیاطی ہوئی ہے جی قبول نہیں کرتا کہ اسی حالت سے نیت باندھ لوں۔ بیوی۔ کیا اچھے ہونے کے نفل مانے تھے۔ بی بی نے جو نماز کی سن کر ایسا تعجب ظاہر کیا نصوح پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور جی میں کہنے لگا کہ اللہ اللہ مجھ میں اور نماز میں اتنی دوری ہے کہ گھر والی بی بی سنکر تعجب کرتی ہے

وائے بر من وائے بر انجام من　　عار دارد کفر از اسلام من

اور ایک آہ سرد کھینچ کر بی بی سے کہا کہ اگر میں نفلیں پڑھنے والا ہوتا تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔ بی بی۔ منت نہیں۔ نیاز نہیں تو پھر کیا جلدی ہے نماز

---

۱ محاورہ ہے کام میں بے موقع جلدی کرنے سے مراد لی جاتی ہے ۱۲ ۲ گھڑی۔ مگر یہاں مراد ہے وہ گھڑی جو نجومی نے یا مذہب نے ٹھہرا دی ہو ۱۲ ۳ خیر و خوبی سے۔ عورتوں کی بولی ہے ۱۲ ۴ نماز پڑھنے لگو ۱۲ ۵ نماز جو فرض کے علاوہ پڑھی جائے ۱۲ ۶ محاورہ ہے یعنی مارے شرمندگی کے اتنا پسینہ آیا کہ جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ہو ۱۲ ۷ افسوس میرے انجام پر میرے اسلام سے کفر بھی شرماتا ہے ۱۲ ۸ نذر ۱۲ ۹ عمل ۱۲

کہیں بھاگی نہیں جاتی اچھی طرح تندرست ہو جاؤ گے تو بہتیری نمازیں پڑھ لینا۔ اب نصوح وہ نصوح نہیں رہا تھا کہ بی بی کو ایسی بےوقعتی[1] کے ساتھ نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے سُنتا اور اس کو ناگوار نہ ہوتا۔ غصہ تو آیا مگر پھر اپنے جی میں سمجھا کہ بی بی کا کچھ قصور نہیں جس کا شوہر بے دین ہو اُس کے ایسے ہی خیالات ہونے چاہئیں۔ تمام تر میری ہی خطا ہے اور ایک میری بے دینی نے سارے گھر کو تباہ کر رکھا ہے۔ بی بی سے اُس وقت ردوکد کرنا مناسب نہ سمجھ کر اتنا ہی کہا کہ افسوس ناکارہ صحبت نے تم کو کس قدر گمراہ کر دیا کہ فرض خدا کو تم نے ایک سرسری[2] سا کام سمجھا۔ غرض بی بی کے منع کرتے کرتے نصوح نے غسل کر کپڑے بدل نماز پڑھی۔ آج نصوح کی یہ پہلی نماز تھی کہ اُس کو داخلِ عبادت کر سکتے ہیں وہ اس طرح ہاتھ باندھے ہوئے مودب کھڑا تھا جیسے کسی بادشاہ عالی جاہ کے رُوبرو کوئی خونی کھڑا ہوتا ہے آنکھیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں ہیبت[3] سلطانی اس پر ایسی چھا رہی تھی کہ نہ ہلتا تھا نہ جلتا تھا بس ایک بت کی طرح بے حس[4] و حرکت کھڑا ہوا تھا۔ عاجزی اور فروتنی[5] اس کے چہرے سے ظاہر تھی حکم کے مطابق کھڑا تھا۔ لیکن[6] جھک جھک جاتا تھا اور گر گر پڑتا[7] تھا غرض ایسی ایسی حرکتیں اس سے سرزد ہوتی تھیں کہ خواہ مخواہ دیکھنے والے کو رحم آئے۔

---

[1] بے قدری ۱۲ [2] آسان ۱۲ ۔ غیر ضروری ۱۲ [3] بادشاہ کا خوف ۱۲ [4] نہ ہلتا تھا نہ جلتا تھا ۱۲ [5] عاجزی ۱۲ [6] یہ نماز کا رکوع ۱۲ [7] یہ نماز کا سجدہ ۱۲

ہفتے عشرے تک علالت کا کسل[1] رہا۔ پھر تو خدا کے فضل سے نصوح بدستور توانا و تندرست ہو گیا مگر بیماری کے بعد اس کی عادتیں اکثر بدل گئی تھیں ہر وقت تو وہ کچھ سوچ میں رہتا تھا بے ضرورت بکنا بے تمیزی کے ساتھ ہنسنا لایعنی[2] باتوں میں شریک ہونا اس نے مطلقاً چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ لنیت[3]۔ تواضع[4]۔ وسعتِ اخلاق[5] انکسار[6] یہ صفتیں بھی اس میں آ گئی تھیں۔ بیماری سے پہلے اُس کی بدمزاجی اس درجے کی تھی کہ گھر والے اس کو ہوّا[7] سمجھتے تھے۔ دروازے کے اندر اس نے قدم رکھا اور کیا چھوٹے کیا بڑے سب پر ایک سہم چڑھا۔ اگر بھولے سے کوئی چیز بے موقع پڑی رہ گئی اور اس نے دیکھ پائی۔ سب پر ایک آفت توڑ ماری کھانے میں اٹکل ہی تو ہے ذرا نمک زیادہ ہو گیا یا میٹھا[8] لونا رہ گیا بس اُسی روز جانو کہ گھر میں فاقہ ہوا کتنے تو پیالے شہید ہوئے کتنی رکابیوں کا خون ہوا سارے محلے میں خبر ہوئی کہ آج کھانا بگڑا۔ بچوں کو بات بات میں گھڑکی یا اب نصوح کے سر پر ڈھول[9] بجاؤ کچھ خبر نہیں بلکہ فہمیدہ بچوں کو شوخی کرتے دیکھ کر خفا ہوتی اور کہتی کیسے ناہموار بچے ہیں باپ کا تو یہ حال ہے اور انھیں کے کان میں جا کر شور کرتے ہیں ذرا ڈر

---

[1] تکان ۱۲ [2] بے مطلب کی ۱۲ [3] نرمی ۱۲ [4] خاکساری ۱۲ [5] ہر ایک سے خاطر داری کے ساتھ پیش آنا ۱۲ [6] عاجزی ۱۲ [7] ڈرنے کی چیز ۱۲ [8] پھیکا ۱۲ [9] مطلب یہ ہے کہ کتنا ہی غل کرو ۱۲

نہیں دیکھو اکبھی ہی کسر نکالے گی۔ شروع میں نصوح کا یہ انداز دیکھ کر گھر والوں کو بڑا کھٹکا[1] تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیماری سے اٹھے ہیں ضرور ہے کہ پہلے سے زیادہ نازک مزاج ہو گئے ہوں گے اس بلا کا غصہ[2] بڑھا ہے کہ کسی سے بولتے ہی نہیں دیکھئے یہ قہر کس پر ٹوٹتا ہے کس کی شامت آتی ہے۔ مگر نصوح نے ایسا جلاب نہیں لیا تھا کہ اس نے خون میں ذرا سی گرمی بھی لگی رہنے دی ہو۔ لوگ بیماری سے اٹھ کر چڑچڑے اور بدمزاج ہو جاتے ہیں اور نصوح حلیم و بردبار[3] نرم دل و خاکسار ہو کر اٹھا تھا۔ معاملات روزمرہ[4] میں اسکی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جو رکھ دیا چاؤ سے کھا لیا جو دے دیا خوشی سے پہن لیا۔ نہ حجت نہ تکرار نہ غل نہ غپاڑا[5]۔ نصوح کی عادت بدلی تو لوگوں کی مدارات بھی اس کے ساتھ بدل چلی۔ جو پہلے ڈرتے تھے اب اس کا ادب ملحوظ رکھتے جن کو وحشت و نفرت تھی اب اس کے ساتھ انس و محبت کرتے۔ تھوڑے ہی دنوں میں گھر شور و شغب سے پاک اور لڑائی جھگڑے سے صاف ہو گیا۔ ابتداءً نصوح کو نماز وغیرہ کا اہتمام کرتے دیکھ کر گھر والوں نے اچنبھا کیا تھا لیکن پھر تو بے کہے دوسروں پر خود بخود ایک اثر سا ہونے لگا

---

1. خدشہ ۱۲ 2. غصہ ۱۲ 3. برداشت کرنیوالا ۱۲ اسکے لفظی معنی ہیں بوجھ اٹھانے والا مراد ہے سخت بات کا سہار جانے والا ۱۲ 4. ہر روزہ ۱۲ 6. بہ تاؤ ۱۲ 5. غل غپاڑہ ۱۲

اور نصوح اسی کا منتظر تھا کہ لوگ اس طرز اجنبی سے کسی قدر مانوس[۱] اور خوگر ہولیں تو اپنا انتظام شروع کریں۔ نصوح کی جہاں اور عادتیں بدلی تھیں وہاں ایک یہ بھی تھی کہ وہ خلوت[۲] پسند ہو گیا تھا۔ تمام تمام دن اکیلا بالا خانے پر بیٹھا رہتا۔ بے بلائے اگر کوئی آجاتا تو یہ بھی نہ تھا کہ اس سے بات چیت نہ کرے بعض کو یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید نیند بڑھ گئی ہے کوئی یہ سمجھتا تھا کہ اترنے چڑھنے کی توانائی نہیں آئی۔ مگر فہمیدہ کو اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا کہ شاید نیند بڑھ گئی ہے کوئی یہ سمجھتا تھا کہ اترنے چڑھنے کی توانائی نہیں آئی۔ مگر فہمیدہ کو اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا کبھی نماز پڑھتے دیکھا کبھی چپ بیٹھے ہوئے آخر ایک روز پوچھا کہ اکیلے تنہا چپ چاپ بیٹھے ہوئے تمہارا جی نہیں گھبراتا تھوڑی دیر کو نیچے ہی اتر آیا کرو بال بچوں کی باتوں میں دل بہلے۔ مجھ کو گھر کے کام دھندے سے فرصت نہیں ملتی۔ نصوح۔ میں تم سے اس بات کی شکایت کرنے والا تھا کہ جب سے بیمار ہو کر اٹھا ہوں۔

مصرع تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیوں کر ہوا

کیا تم کو میرے عادات میں فرق معلوم نہیں ہوتا۔ فہمیدہ۔ رات دن کا تفاوت زمین و آسمان کا فرق۔ اور پوچھنے کو تمہارے سر کی قسم کئی بار منھ تک

---

[۱] ہل مل جائیں ۱۲ [۲] تنہائی کا پسند کرنیوالا ۱۲

بات آئی مگر تمہارا ڈھنگ دیکھ کر جرأت[۵۱] نہ ہوئی کہ پوچھوں۔ نصوح ڈھنگ کیسا۔ فہمیدہ۔ بُرا ماننے کی بات نہیں مزاج تمہارا سدا کا تیز ہے یوں ہی ہم سب لوگ تم سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جب سے بیمار ہو کر اُٹھے ہو سب کو خوف تھا کہ ایک تو کریلا دوسرے نیم چڑھا[۵۲] پہلے ہی سے بلا کا غصہ ہے۔ اب بیماری کے بعد کیا ٹھکانا ہے۔ اُدھر تم کو دیکھا تو کسی کی طرف ملتفت[۵۳] نہ پایا سمجھے کہ ضرور طبیعت برہم اور مزاج نادرست ہے پھر کس کی جرأت۔ کس کو اتنی ہمت کہ پوچھے اور دریافت کرے نصوح کیوں صاحب کبھی تم نے میرے مزاج کی خرابی پر متنبہ[۵۴] نہ کیا۔ فہمیدہ۔ تنبیہ کرنا تو درکنار بات کرنے کا تو یارا[۵۵] ہی نہ تھا۔ نصوح۔ لیکن اِن دنوں تو میں کسی پر ناخوش نہیں ہوا۔ فہمیدہ۔ گھر بھر کو اس کا تعجب ہے۔ نصوح۔ آخر لوگ اس کا سبب کیا قرار دیتے ہیں۔ فہمیدہ۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وبا میں کثرت سے لوگوں کو مرتے دیکھا اپنے گھر میں تین موتیں ہو گئیں خود بیمار پڑے اور خدا کے گھر سے پھر کر آئے سو دل میں ڈر بیٹھ گیا ہے۔ تمہارے بڑے صاحب زادے یہ تجویز کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نے جو اسہال[۵۶] بند کرنے کی دوا دی دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے۔ بہرکیف سب کی یہی رائے ہے کہ

---

۵۱ ہمت۔ دلیری ۱۲ ۵۲ یہ کہاوت ہے کہ کریلا اپنی ذات سے کڑوا دوسرے چڑھا نیم پر اندر بھی کڑواہٹ آگئی ۱۲ ۵۳ متوجہ ۱۲ ۵۴ آگاہ ۱۲ ۵۵ مجال ۱۲ ۵۶ دست ۱۲

علاج کرنا چاہیئے۔ نصوح۔ نہ گرمی ہے نہ خلل دماغ ہے خوف البتہ ہے۔
فہمیدہ۔ مرد ہو کر تم اتنے ڈر گئے آخر ہم سب بھی تو اسی آفت میں تھے۔
نصوح۔ تم ہرگز اس آفت میں نہ تھیں۔ فہمیدہ۔ یعنی یہ کہ میں نے ہیضہ نہیں
کیا لیکن تمھارا ہیضہ کرنا مجھ کو اپنے مرنے سے زیادہ شاق[1] تھا۔ نصوح۔ نہیں
ہیضہ کرنے کی بات نہیں۔ بیماری اگرچہ ظاہر میں سخت تھی مگر میں تم سے کہتا
ہوں کہ شروع سے آخر تک میرے ہوش وحواس درست تھے۔ تمھاری
ساری باتیں میں سُنتا اور سمجھتا تھا۔ ابتدائے علالت میں جو تم لوگوں نے ہیضہ
امتلائی تجویز کیا پھر صبح کو حکیم صاحب تشریف لائے اور میری کیفیت تم نے
ان سے بیان کی پھر ڈاکٹر آئے اور انھوں نے دوا پلائی مجھ کو سب خبر ہے۔ جب
تم لوگوں نے ڈاکٹر کے کہنے سے مجھ کو علیحدہ دالان میں لٹایا تو مجھ کو غنودگی[2] سی
آگئی اور میں نے اپنے تئیں دوسرے جہاں میں دیکھا۔ اس کے بعد نصوح
نے خواب کا سارا ماجرا حرف بحرف بی بی سے بیان کیا۔ مردوں کی نسبت عورتوں
کے دلوں میں نرمی اور رقت[3] زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذہبی تعلیم
عورتوں میں جلد اثر کرتی ہے۔ فہمیدہ نے جو میاں کا خواب سُنا اس قدر خوف
اس پر طاری[4] ہوا کہ قریب تھا کہ غش آجائے۔ نصوح اگرچہ تنہائی میں اپنے

---

[1] ناگوار ۱۲ [2] اونگھ ۱۲ [3] گداز پن ۱۲ [4] چھا گیا ۱۲

گناہوں پر تاسف[1] کرکے ہر روز دو چار مرتبہ رو لیا کرتا تھا اور ظاہر میں نہیں بھی روتا تھا تو اندر سے اُس کا دِل روتا رہتا تھا۔ اب بی بی کی ہمدردی اور ہمدمی کا سہارا پاکر تو اتنا رویا اتنا رویا کہ گھگھی بندھ گئی۔ فہمیدہ پہلے ہی خوف زدہ ہو رہی تھی میاں کا رونا اس کے حق میں اندھے[2] کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوا اس نے بھی بلبلا کر رونا شروع کیا۔ پھر تو دونوں میاں بی بی ایسا روئے کہ ساون[3] بھادو کا سماں بندھ گیا۔ آخر نصوح نے اپنے تئیں سنبھالا اور بی بی سے کہا کہ دنیا میں اگر رونے کی چیز رونے کے قابل ہے تو میرے نزدیک گناہ اور خدا کی نافرمانی ہے اور بس کیونکہ کوئی مصیبت کوئی آفت گناہ سے بڑھ کر نہیں۔ دُنیا کے نقصانوں پر رونا بے فائدہ دیدے کھونا ہے۔ مگر گناہ پر رونا گویا داغ الزام کو دھونا ہے۔ رونا کفارہ[4] معصیت ہے۔ رونا گناہ گار کے لئے بہترین معذرت ہے۔ رونا رحمت کی دلیل اور مغفرت کا کفیل[5] ہے۔ لیکن ہم کو اپنی آئندہ زندگی کا انتظام بھی کرنا ضرور ہے۔ ندامت[6] وہی سند ہے کہ انفعال[7] مابعد میں اس کا اثر ظاہر ہو۔ توبہ وہی بھلی ہے کہ آدمی جو دل میں سوچے یا منھ سے کہے ویسا ہی کر دکھائے۔ فہمیدہ۔ لیکن اتنی عمر اس

---

[1] افسوس ۱۲ [2] کہاوت ہے کہ اندھے کو ذرا دھکا دو تو وہ نہ لیٹا بھی ہو تو لیٹ جائے ۱۲
[3] ساون بھادوں دو برسات کے مہینے ہیں جن میں اکثر پانی بہت برستا ہے ۱۲ [4] جس سے گناہ چھوٹ جائیں ۱۲ [5] ضامن ۱۲ [6] شرمندگی ۱۲ [7] توبہ کے بعد کے کام ۱۲

خرابی میں بسر کی اب نجات و مغفرت کی کیا امید ہے میں تو جانتی ہوں کہ ہمارا
مرض علاج سے درگزرا۔ نصوح خدا کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کفر ہے
وہ بے نیاز بڑا غفور رحیم ہے کچھ اس کو ہماری عبادت کی پروا نہیں۔ اگر
روئے زمین کے تمام آدمی اُس کی نافرمانی کریں تو اس کی ابدی اور دائمی
سلطنت میں ایک سرِ مو برابر بھی فرق نہیں آئے گا اور اسی طرح اگر تمام
زمانہ فرشتہ سیرت ہو جائے اور سارے آدمی شبانہ روز مصروف
عبادت رہیں تو اس کی عظمت اور کبریائی میں ایک رائی کے دانے کی
قدر بھی زیادتی اور افزونی نہ ہوگی۔ اگر خدا کو اپنی پرستش اور عبادت
ہی گرانی منظور ہوتی تو وہ نافرمان گنہگار سرکش متمرد انسان کی جگہ
فرشتے پیدا کر سکتا تھا۔ پھر یہ باتیں جو ہم پر فرض واجب کی گئی ہیں ہماری
ہی اصلاح ہماری ہی بہبود کے لیے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس پرلے
سرے کا رحم اور غایت درجے کا حلم ہے لاکھ گناہ کرو جہاں عجز و الحاح
کیا منت و زاری سے پیش آئے بس پھر کچھ نہیں ٥

---

١ گزاری ١٢ ٢ ناامید ١٢ ٣ جو کسی کی پروا نہ کرے کسی کا محتاج نہ ہو ١٢ ٤ معاف
کرنے والا رحم کرنے والا ١٢ ٥ سدا سدا کو رہنے والی ١٢ ٦ ہمیشہ ٹھہرنے والی ١٢ ٧
بال برابر ١٢ ٨ فرشتوں کی سی خصلت ١٢ ٩ رات دن ١٢ ١٠ مشغول ١٢ ١١ شان
بڑائی ١٢ ١٢ اونچا درجہ ١٢ ١٣ خود سر ١٢ ١٤ بہتری ١٢ ١٥ گڑگڑانا ١٢

اگر[1] خشم گیرد بکردار زشت　　چو باز آمدی ماجرا در نوشت

وہ معبود جابر نہیں سخت گیر نہیں کینہ ور نہیں مگر ہے کیا کہ غیور[2] بڑا ہے اس کی مطلق برداشت نہیں کہ کسی کو اس کا شریک خدائی گردانا جائے۔ فہمیدہ۔ کتنا ہی درگزر کیوں نہ ہو مگر اپنے گناہوں کی کچھ انتہا ہے۔ ماں باپ کو جیسی اولاد کی مامتا ہوتی ہے ظاہر۔ مگر دیکھو کلیم کی حرکتوں سے میرا تمھارا دونوں کا جی آخر کھٹا ہو ہی گیا۔ کتنی برداشت کہاں تک چشم پوشی۔ نصوح۔ خدا کی پاکیزہ اور کامل صفتوں کو آدمی کی ناقص ناتمام عادتوں پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ تمام دنیا کے ماں باپوں کو جو اولاد کی محبت ہے وہ ایک شمہ[3] ہے اس عنایت بے غایت[4] اور لطف و شفقت بے منت[5] کا جو خداوند کریم ہر حال میں اپنے بندوں پر فرماتا ہے۔ گناہ اور نافرمانی انسان کے خمیر میں ہے۔ اگر بندوں کے گناہ پر اس کو نظر ہوتی تو ہر ہر متنفس[6] کشتنی[7] اور گردن زدنی[8] تھا۔ دنیا کا ہے کو بستی۔ لیکن اللہ رے درگزر۔ گناہ بھی ہو رہے ہیں اور رزق کا راتب[9] جو سرکار سے بندھا ہے موقوف ہونا کیسا کبھی ناغہ بھی تو نہیں ہوتا۔ سانس لینے کو ہوا تیار پینے کو پانی موجود۔ آرام کرنے کو رات کام کرنے کو دن۔

ف۱ اگر کسی بڑے کام پر ناراض ہو جائے جب اسکی طرف رجوع کرے بات گئی گزری ہوئی ۱۲ ف۲ غیرت مند ۱۲ ف۳ قدر قلیل ۱۲ ف۴ بے انتہا ۱۲ ف۵ بے احسان یعنی دیتا ہے اور احسان جتا کر شرمندہ نہیں کرتا ۱۲ ف۶ سانس لینے والا مراد ہے ہر فرد بشر ۱۲ ف۷ قتل کیے جانے کے قابل ۱۲ ف۸ گردن زدنی مارنے کے قابل ۱۲ ف۹ خوراک کا معمول مقرر ۱۲

رہنے کو مکان - وہی چاند - وہی سورج - وہی سامان - وہی زمین وہی آسمان وہی برسات - وہی میوے[1] و نباتات[2] جملہ اعضا[3] - ہاتھ پاؤں - آنکھ کان - اپنی اپنی خدمت پر مستعد - نہ ماندگی نہ کسل نہ تکان - پس جب کہ خدا ایسے ایسے گناہ اور ایسی ایسی نافرمانیوں پر نیکی سے نہیں چوکتا تو یہ بات اس کی ذات ستودہ[4] صفات سے بہت ہی مستبعد[5] معلوم ہوتی ہے کہ اس کی درگاہ میں معذرت کی جائے اور نہ بخشے توبہ کی جائے اور قبول نہ کرے - اُسی وقت میاں بی بی دونوں نے دعا کے واسطے ہاتھ پھیلا دیئے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے اور ایک دوسرے کے گناہوں کی مغفرت چاہی - اِس کے بعد فہمیدہ تو مسرت و اطمینان کی سی باتیں کرنے لگی مگر نصوح کی افسردہ دلی بدستور باقی تھی - تب فہمیدہ نے پوچھا کہ جب توبہ کرنے سے گناہوں کا معاف ہو جانا یقینی ہے اور آئندہ کے واسطے ہم عہد کرتے ہیں کہ پھر ایسا نہ کرینگے تو کیا وجہ ہے کہ تم اداس ہو میں دیکھتی ہوں تو تمھارے مُنھ پر ذرا بھی بحالی نہیں - نصوح - ایمان خوف و رجا[6] کا نام ہے توبہ کا قبول کیا جانا کچھ ہمارا استحقاق نہیں خدائے تعالیٰ قبول کرے تو اس کی عنایت ہے اور قبول نہ کرے تو ہم کو نہ مقام گلہ ہے نہ محل شکایت سہ

---

[1] میوے ۱۲ [2] پھل پھول - ترکاریاں ۱۲ [3] بدن کے عضو ۱۲ [4] جس کی خوبیاں تعریف کے لائق ہیں ۱۲ [5] دور - بعید از قیاس ۱۲ [6] اُمید ۱۲

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

آئندہ کے عہد پر بھی بھروسا ہو سکتا ہے اِنسان مخلوق ضعیف البنیان[1] ہے۔ غفلت اس کی طینت[2] ہے اور نافرمانی اس کی طبیعت۔ خدا ہی توفیق خیر دے تو نباہ اور وعدے کا ایفا ممکن ہے ورنہ آدمی سے کیا ہو سکتا ہے ؎

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا

جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

اور میری افسردگی کی ایک وجہ اور ہے کہ کسی طرح اس سے میرا قلب مطمئن نہیں ہوتا۔ فہمیدہ۔ وہ کیا۔ نصوح۔ وہ یہ ہے کہ میں تو بگڑا ہی تھا میں نے اِن بچوں کو کیسا غارت کیا۔ میری دیکھا دیکھی یہ بھی گئے گزرے ہوئے تم دیکھتی ہو کہ چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں ہیں کسی کو بھی دینداری سے مس[3] ہے۔ کوئی بھی خدا پرستی کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ اور رغبت ہو تو کہاں سے ہو۔ نہ تو گھر میں دین و مذہب کا چرچا کہ خیر دوسروں کو دیکھ کر آدمی نصیحت پکڑے نہ کوئی کہنے اور سمجھانے والا کہ نیک و بد کا امتیاز سکھلائے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ میں اِن کی تباہی اور خرابی میں ہر طرح کی مدد کرتا رہا۔

---

[1] جس کی بنیاد کمزور ہے ۱۲ [2] مٹی مراد ہے کہ غفلت اس کی جبلی خصلت ہے ۱۲ [3] چھونا یعنی دینداری کسی کو چھو بھی نہیں گئی ہے ۱۲

افسوس ہے کہ میں نے اِن کے حق[1] میں کانٹے بوئے۔ ان کے ساتھ دشمنی کرتا رہا۔ اور جانا کہ میں ان کی بہتری چاہتا ہوں۔ میں جب غور کرتا ہوں تو کھیل کود کی جتنی خراب عادتیں ہیں حقیقت میں اُن کا بانی[2] اور معلم[3] میں ہوں۔ میں نے اُن کا جی بہلانے کو کھلونے اور کنکوے لے لے دیئے۔ میں اُن کو خوش کرنے کی نظر سے بازار ساتھ لے گیا۔ میں نے اُن کو دام دے دے کر بازاری سودوں کی چاٹ لگائی۔ جانور پالنے اِن کو میں نے سکھلائے۔ میلے تماشے ان کو میں نے دکھائے۔ خوش وضعی۔ خوش لباسی کی عادت ان کو میں نے ڈلوائی۔ میں خود عیب مجسم[4] ایک برا نمونہ اِن کے پیش نظر تھا۔ جو جو کچھ یہ کرتے ہیں ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آئے۔ مجھ سے سیکھا میری تقلید[5] کی۔ میں ہرگز اس نعمت کے لائق نہ تھا کہ مجھ کو بچوں کا باپ بنایا جائے۔ میں کس طرح اس عنایت کے شایان[6] نہ تھا کہ مجھ کو ایک بھرے کنبے کی سرداری ملے۔ یہ بھی میرے نصیبوں کی شامت اور اِن کی بدقسمتی تھی کہ ان کی پرداخت[7] میرے سپرد ہوئی۔ افسوس سن تمیز کو پہنچنے سے پہلے یہ یتیم کیوں نہیں ہو گئے۔ شیرخوارگی[8] ہی میں میرا سایۂ زبون[9] ان کے سر پر سے کیوں نہیں اٹھا لیا گیا کہ کوئی دوسرا ان کی تربیت[10] کا متکفل[11]

---

[1] یعنی ان کے رستے میں کہ کانٹوں کے ڈر سے سیدھا رستہ چھوڑ کر ٹیڑھا اختیار کریں ۱۲ [2] بنیاد ڈالنے والا ۱۲ [3] سکھانے والا ۱۲ [4] سرتاپا عیب ۱۲ [5] پیروی ۱۲ [6] لائق سزاوار ۱۲ [7] پرورش [8] دودھ پینے کی حالت ۱۲ [9] پرورش۔ تعلیم ۱۲ [10] ذمہ دار ۱۲ [11] برا۔ منحوس ۱۲

ہوتا جو اپنی خدمت کو مجھ سے بدرجہا بہتر[1] انجام دیتا۔ غضب ہے کہ یہ اشراف کے بچے کہلائیں اور پاجیوں کی سی عادتیں رکھیں مجھ کو اب ان کی شکل زہر معلوم ہوتی ہے۔ صورت سیرت ظاہر باطن ایک سے ایک خراب۔ ایک سے ایک بدتر۔ ایک نابکار کو دیکھو کہ وہ ماش کے آٹے کی طرح ہر وقت اینٹھا ہی رہتا ہے۔ کبھی سینے پر نظر ہے۔ کبھی بازوؤں پر نگاہ ہے آدم زاد ہو کر لقا[2] کبوتر کا پٹھا بنا پھرتا ہے اتنا اکڑتا ہے کہ گردن گُدّی میں جا لگی ہے کپڑے ایسے چست کہ گویا بدن پر سیئے گئے ہیں۔ چھاتی پر انگرکھے کے بند ہیں۔ گھٹنوں تک پاجامے کی چوڑیاں پڑی ہیں۔ ایک ذیوڑھی برابر ٹوپی ہے کہ خود بخود گری پڑتی ہے۔ دوسرا ناہنجار[3] صبح اٹھا اور کبوتر کھول باپ دادے کا نام اچھالنے کو کوٹھے پر چڑھا پھر سوا پہر دن چڑھے تک کوٹھے پر دھما چوکڑی مچائی۔ بارے باندھے مدرسے گیا عصر کے بعد سے پھر کوٹھا ہے اور کنکوا ہے۔ شام ہوئی اور شطرنج بچھا۔ اتوار کو مدرسے سے چھٹی ملی تو بٹیریں لڑائیں تیسرے نالائق بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ[4] محلہ نالاں۔ ہمسائے عاجز۔ اس کو مار۔ اس کو چھیڑ۔ چاروں طرف ایک تراہ تراہ مچ رہی ہے غرض کچھ اس طرح کے بے سرے بچے ہیں ناہموار

---

[1] کئی درجے ۱۲ [2] ایک قسم کا کبوتر ہے جس کی گردن پیٹھ پر پڑی رہتی ہے ۱۲ [3] نابکار ۱۲ [4] یہ کہاوت ہے ۱۲

آوارہ۔ بے ادب۔ بے تمیز بے حیا بے غیرت۔ بے ہنر۔ بدمزاج۔ بدزبان بدوضع کہ چند روز سے دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اترتا ہے ان کی حرکات وسکنات نشست وبرخاست کوئی بھی تو بھلے مانسوں کی سی نہیں۔ گالی دینے میں ان کو باک[1] نہیں۔ فحش[2] بکنے میں ان کو تامل نہیں قسم ان کا تکیہ کلام[3] ہے۔ نہ زبان کو روک ہے۔ نہ منھ کو لگام ہے۔ ان کی چال ہی کچھ عجب طرح کی اکھڑی اکھڑی ہے کہ بے تہذیبی[4] ان کی رفتار سے ظاہر ہے۔ رہیں لڑکیاں میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان میں اس طرح کے عیوب نہ ہوں گے جو لڑکوں میں ہیں لیکن ساتھ ہی مجھ کو اس کا بھی یقین ہے کہ دیندارانہ زندگی تو کسی کی بھی نہیں ان کو بھی اکثر گڑیوں میں مصروف پاتا ہوں یا کنبے میں کوئی تقریب ہونے والی ہوتی ہے تو کپڑوں کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں لڑکے گالیاں بہت بکتے ہیں تو لڑکیاں کوسنے کثرت سے دیا کرتی ہیں قسم کھانے میں جیسے وہ بے باک ہیں یہ بھی بے دھڑک ہیں۔ بہر کیف کیا لڑکے کیا لڑکیاں میرے نزدیک تو دونوں کچھ ایک ہی طرح کے ہیں۔ ان سب کی یہ تباہ حالت دیکھ کر میں زہر کے سے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہوں۔ مگر پھر دیکھتا ہوں تو ان کا کچھ بھی

---

[1] خوف ۱۲ [2] بُری بات ۱۲ [3] جو الفاظ بے ترتیب نہ ہوں سوچے بغیر منہ سے نکلیں جیسے کیا نام ہے جو ہے سو ۱۲ [4] ناشائستگی ۱۲ [5] شادی بیاہ وغیرہ ۱۲

قصور نہیں۔ خطا اگر ہے تو میری ہے اور تمہاری۔ ان کے عیوب پر جھڑکنا اور ملامت کرنا کیسا ہم نے کبھی اِن کو روکا تک بھی تو نہیں۔ فہمیدہ تم تو باہر کے اٹھنے بیٹھنے والے ٹھہرے اس میں تو میرا ہی سراسر قصور ہے۔ بچے ابتدا میں ماؤں ہی سے زیادہ مانوس[1] ہوتے اور ماؤں ہی کی خو بو پکڑتے ہیں۔ بلکہ تم جب کبھی اِن کو نصیحت کرتے اور کسی بات پر گھڑکتے تو میں اُلٹی ان کی حمایت لیتی تھی۔ ان سب کو میں نے خراب کیا اور اِس کا الزام بالکل میری گردن پر ہے۔ نصوح بیشک تمنے بھی ان کی اصلاح میں کوشش نہیں کی لیکن پھر بھی میں باپ تھا تم سے اِن کی پرورش متعلق تھی اور مجھ سے ان کی اصلاح و تہذیب۔ فہمیدہ۔ ہاں میں نے اِن کے بدنوں کو پالا اور ان کی روحوں کو تباہ اور ہلاک کیا۔ میری ہی بیہودہ محبت نے ان کی عادتیں بگاڑیں۔ میرے ہی نامعقول لاڈ پیار نے اُنکے مزاجوں کو گندہ اِن کی طبعیتوں کو بے قابو بنایا۔ نصوح لیکن اگر میں اپنے کام پر آمادہ اور سرگرم ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ میں کہوں اور وہ نہ سنیں میں چاہوں اور وہ نہ کریں آخر میں ان پر ضابطہ تھا۔ میں ان پر ہر طرح کی قدرت رکھتا تھا اور نہ صرف ان پر بلکہ تم پر اندر سارے گھر پر۔ فہمیدہ۔ پھر بھی جسقدر ان کی برائیاں مجھ پر

---

[1] ہلے ہوئے ۱۲

ظاہر ہوتی رہتی تھیں اُن کا شاید دسواں حصہ بھی تم پر منکشف[1] نہ ہوتا ہوگا۔ جان بوجھ کر میری عقل پر پردہ پڑ گیا۔ دیکھتے بھالتے میں اندھی بنی رہی۔ اب بھی جو جو خرابیاں ان کی میں جانتی ہوں تم کو معلوم نہیں۔ دیکھو لڑکیاں ہی ہیں کہ تم گڑیاں کھیلنے اور کپڑوں کا اہتمام کرنے کے سوائے اُن کے حالات سے محض بے خبر ہو۔ میں جانتی ہوں کہ ان کے مزاجوں میں کیا کیا خرابیاں ہیں ان کی عادتوں میں کیسے کیسے بگاڑ ہیں۔ نصوح۔ پھر آخر کیا کرنا ہوگا۔ فہمیدہ۔ میرے گمان میں ان بچوں کی اصلاح تو اب ہمارے امکان سے خارج ہے۔ نصوح۔ البتہ ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ہونے میں بھی کچھ شک نہیں۔ فہمیدہ۔ دشوار تم ہی کہو۔ آسمان میں تھگلی[2] کا لگانا ممکن ہے اور ان کی اصلاح ممکن نہیں۔ ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے مگر یہ درست ہونے والے نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کلیم ایک ایک بات کے سو سو جواب دینے کو موجود ہے۔ اور اک کلیم پر کیا الزام ہے جتنے بڑے ویتنے کڑے جتنے چھوٹے ویتنے کھوٹے۔ نصوح۔ تو کیا ان کو اسی گمراہی میں رہنے دیں کہ اور بدتر ہوں ان کو باختیار خود چھوڑ دیں کہ پیٹ بھر کر خراب ہوں۔ فہمیدہ۔ بڈھے طوطوں کا پڑھانا۔ پکی لکڑی کا لچکانا تم سے ہو سکے تو بسم اللہ کیا خدانخواستہ میں مانع اور مزاحم[3] ہوں۔ مگر میں ایسی ان ہونی کا

---

[1] ظاہر ۱۲ [2] پیوند ۱۲ [3] اٹکانے والا ۱۲

بیڑا[1] نہیں اٹھاتی۔ ایاز[2] قدر خود بشناس۔ میں خود جانتی ہوں کہ بیٹوں کی نظروں میں میرا کتنا وقر ہے بیٹیاں کتنا میرا ادب لحاظ کرتی ہیں۔ رشتے میں ماں ضرور ہوں مگر افتاد[3] سے مجبور ہوں۔ کوئی میرے بس کا نہیں۔ نصوح۔ لیکن تم خود کہتی تھیں کہ بچوں کی اصلاح تم پر فرض تھی اور جب تک مادری و فرزندی کا تعلق باقی ہے وہ فرض تمہاری گردن پر لدا ہے میں نے ایک بڑے سویرے نہیں معلوم کس بچے کو چاہا کہ باہر حکیم کو لیجا کر دکھا دوں تم اسوقت اس کا منہ دھلانے کو اٹھیں میں جلدی کرتا تھا اور تم کہتی تھیں کہ ذرا صبر کرو منہ دھلا دوں کرتہ بدلوا دوں اس حالت سے لیجاؤ گے تو حکیم صاحب کیا کہیں گے کہ گھروالی کیسی پھوہڑ ہے کہ ایسا نا صاف رکھتی ہے بے شک وہ بات تمہاری بہت معقول تھی لیکن جب تمہارے بچے گندی روح اور ناپاک دل لے کر خدا کے حضور میں جائیں گے تو کیا تم پھوہڑ نہیں بنو گی۔ وہاں یہ معذوری اور مجبوری کچھ نہیں سُنی جائے گی علاوہ اس کے کیوں کر تمہاری محبت اقتضا کرتی ہے کہ اپنے فرزندوں کو مبتلائے مصیبت دیکھو اور اُن کو اُس مصیبت سے نکالنے کی کچھ تدبیر نہ کرو۔ اس واسطے کہ وہ مصیبت ان پر بہت دنوں سے ہے اور

---

[1] ذمہ نہیں لیتی یہ محاورہ ہے ۱۲ [2] ایاز محمود غزنوی کا غلام تھا اس کے بہت منہ لگا ہوا مگر اپنی ہستی کو نہیں بھولا یہ اس کا مقولہ ہے کہ اے ایاز اپنی قدر پر نگاہ رکھ ۱۲ [3] طریقہ جو شروع سے پڑ گیا ہے ۱۲

میرے اور تمھارے سبب سے ہے کیا مدت کے بیمار کو دوا نہیں دیتے۔ پرانے ناسور کا علاج نہیں کرتے۔ اولاد کی اصلاح ماں باپ پر فرض ہے اگر اس فرض کو ہم نے غفلت اور بیوقوفی سے اب تک ادا نہیں کیا تو کیا ضرور ہے کہ آئندہ بھی معصیتِ[1] ترکِ فرض میں گرفتار رہیں۔ فہمیدہ۔ کچھ مجھ کو انکار نہیں گریز نہیں نہ میں یہ کہتی ہوں کہ بچوں کی اصلاح ہم پر فرض نہ تھی یا اب نہیں ہے بلکہ مجھ کو ان کی اصلاح سے یاس[2] کلّی ہے اور میں جانتی ہوں کہ ان کی اصلاح و تہذیب اور تادیب و تعلیم میں کوشش فضول ہے سعی عبث تدبیر بے سود۔ محنت رائگاں۔ بھلا کہیں ٹھنڈے[3] لوہے بھی پیٹنے سے ڈھیلے پڑے ہیں۔ نصوح۔ آہا لیکن ہم پر اسی قدر لازم ہے کہ کوشش کریں اور نتیجے کا مرتب ہونا اثر کا پیدا کر دینا ہمارا کام نہیں یہ خدا کے اختیار میں ہے اور کون جانے کہ خدا ہمارے ارادے میں برکت ہماری تدبیر میں تاثیر دے اور یہ درست ہو جائیں تو کیا تم کو مسرت نہ ہوگی کوشش میں ناکام رہنا اور مطلقاً کوشش نہ کرنا ان دو باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے انجام دونوں کا ایک ہو مگر کوشش کرنا ہمارے لئے ایک وجہ برأت[4] ہے۔ فہمیدہ۔ اس بات کا فیصلہ میرے اور تمھارے درمیان میں ہونا ممکن نہیں اس واسطے کہ میری حالت اور ہے اور تمھاری حالت اور۔ اوّل تو

---

[1] خدا کی فرض کی ہوئی باتوں کو چھوڑ بیٹھنے کا گناہ ۱۲ [2] میں اس سے بھاگتی بچتی ہیں ۱۲ [3] بالکل ناامیدی ۱۲ [4] محاورہ ہے ۱۲ [5] بری الذمہ ہو جانے کا سبب ۱۲

بچّوں پر تمھارا رعب داب ہے تم سے کچھ کبھی ڈرتے ہیں اور میرے ساتھ تو سب کے سب اس قدر گستاخ ہیں کہ بیٹیاں تو خیر مجھ کو برابر کی سہیلی ہی سمجھتی ہیں بیٹے تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کون بلا ہے اور کیا بکتی ہے۔ دوسرے تم کو اپنے بچّوں کی یہ کیفیت بخوبی معلوم نہیں اور میں ان کے رگ و ریشے سے واقف ہوں نصوح۔ یہ سب سچ ہے۔ لیکن تمھاری تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اب اِن کی اصلاح بڑا مشکل کام ہے۔ فہمیدہ۔ پھر تم نے بات کو بدلا۔ میں نے اپنے مُنھ سے مشکل ہرگز نہیں کہا۔ میں شروع سے ناممکن اور محال ہی کہے جاتی ہوں۔ نصوح۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی دیر سے میں تمھارے ساتھ بک رہا ہوں اور تم نہیں سمجھتیں۔ کیوں صاحب ناممکن اور محال کیوں ہے۔ فہمیدہ۔ اگر تم کہو میں تمھاری خاطر سے مان لوں لیکن چونکہ تم میری رائے پوچھتے ہو تو میں بے شک ناممکن اور محال ہی سمجھتی ہوں اور وجہ یہ کہ اِن کی عادتیں را[۱]سخ ہوتے ہوتے طبیعت ہو گئی ہیں برابر کے بیٹے برابر کی بیٹیاں مار ہم نہیں سکتے گھُڑک ہم نہیں سکتے جبر[۲] ہم نہیں کر سکتے بھلا پھر اُن عادتوں کو جن کے وہ مدتوں سے خوگر ہو رہے ہیں کیونکر چھڑا دیں گے۔ نصوح۔ تو تمھارا مطلب یہ ہے کہ کوئی تدبیر کارگر سمجھ میں نہیں آتی اور جو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کارگر نہیں

---

[۱] جمی ہوئی پکی ۱۲ [۲] زبردستی ۱۲

معلوم ہوتی۔ فہمیدہ۔ وہ ایک ہی بات ہے۔ نصوح۔ اس سے مجھ کو بھی انکار نہیں کہ معمولی تدبیریں اب محض بے سود ہیں۔ مادّہ سخت ہے تو جلاب بھی کوئی بڑا ہی کڑوا دینا ہوگا۔ جو کام پہلے ایک بات سے نکلتا اب جوتی لات سے بھی نکلنے کی امید نہیں۔ فہمیدہ لیکن اگر بچوّں کے ساتھ تم اس طرح کی سختی برتوگے تو تمام دنیا تھڑی[1] تھڑی کرے گی اور سختی سے بچّوں کے دلوں میں بھی دونی ضد اور نفرت پیدا ہوگی۔ نصوح۔ اگر میں یہ سمجھوں کہ میں اپنے ذمے کا ایک فرض ادا کرتا ہوں تو دنیا کے کہنے کی انشاءاللہ مجھ کو مطلق پروا نہ ہوگی۔ لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں سو کہیں۔ لیکن سختی خود میرے نزدیک ایک تدبیر نامناسب ہے اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ بڑے لڑکے کسی طرح سختی کی برداشت نہیں کر سکتے اور اگر ان کے ساتھ خشونت[2] اور درشتی[3] سے پیش آؤں گا تو بالکل الٹا اثر ہوگا اور جیسے کہ میں خود ان کی خرابی کا باعث ہوا ہوں تو سختی کا میں سزاوار ہوں نہ وہ۔ فہمیدہ بھلا پھر سختی کروگے نہیں اور نرمی سے کام نکلنا نہیں۔ اسی نرمی نے تو ان کو اس ہڈ[4]رنے تک پہنچایا تو آخر وہی بات ہوئی کہ ہونا ہوانا کچھ نہیں ناحق کا درد سر ہے

---

[1] یعنی تمہارے جنم میں تھوکے گی ۱۲ [2] و [3] دونوں لفظوں کے معنی سختی ۱۲ [4] حال۔ یہ لفظ خاص عورتوں کی بول چال میں آتا ہے ۱۲

نصوح میں اس شعر پہ عمل کروں گا ؎

درشتی[۱] و نرمی بہم در بہ است | چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کے محل پہ سختی اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ انشاء اللہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوں گا۔ آخر آدمی کے بچے ہیں بات کو سمجھتے ہیں عقل رکھتے ہیں۔ جب اُن ہی کے فائدے کی بات میں اُن سے کہوں گا تو کب تک نہ سمجھیں گے اور سختی تو بس اسی قدر میں عمل میں لاؤں گا کہ یہ بات بخوبی اُن کے ذہن نشین کر دوں گا کہ جو میرے کہے کا نہیں میں اُس کا اور وہ میرا شریک رنج و راحت[۲] نہیں یہی کہوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ یہی کر دکھاؤں گا مگر بے تمہاری مدد کے یہ ارادہ پورا نہیں ہو سکتا۔ فہمیدہ میں دل و جان سے مدد کرنے کو موجود ہوں میں جانتی ہوں کہ تم ان ہی کی بہتری کے واسطے کہتے اور کرتے ہو۔ اپنی اولاد کا فائدہ ہوتے جاتے اگر میں کوتاہی کروں تو ماں کاہے کو ہوئی کوئی ڈائن[۳] ہوئی۔ نصوح۔ تم میرے شریک حال رہو تو مجھ کو ہر طرح کی تقویت[۴] ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بچے بات بات میں تمھارا

۱؎ سختی اور نرمی دونوں کو ملا کر کام لینا اچھا ہوتا ہے جیسے جرّاح کہ فصد بھی کھولتا ہے اور مرہم پٹی بھی کرتا ہے تو لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے ۱۲ ۲؎ تکلیف آرام ۱۲ ۳؎ بلا جو اپنے بچوں کو آپ کھا جائے ۱۲ ۴؎ مضبوطی، ڈھارس ۱۲

آسرا تمھارا سہارا پکڑتے ہیں۔ ہو میری بی بی مگر معاملات خانہ داری میں میرے کل فیصلوں کی اپیل تمھارے یہاں ہوتی ہے میں تم کو الزام نہیں دیتا اس واسطے کہ تم سے زیادہ میں خود ملزم ہوں۔ لیکن بچوں میں سے جس کو تم نے زیادہ پیار کیا وہی زیادہ خوار ہوا ہر چند میں نے کوشش کی کسی امر دینی کے واسطے نہیں بلکہ معمولی پڑھنے لکھنے کے واسطے مگر جب تک تمھاری تائید نہیں ہوئی ایک نہیں چلی۔ فہمیدہ اب وہ کیفیت نہیں ہے جب تک چھوٹے تھے مجھ کو ماں سمجھتے تھے اور میں ان کی فریاد لیتی تھی۔ حمایت کرتی تھی۔ اب ہر ایک اپنے دل کا بادشاہ ہے۔ لڑکوں سے تو کچھ تعلق ہی نہیں رہا۔ ہفتوں بات چیت کرنے کا اتفاق بھی نہیں ہوتا۔ پکارتی کی پکارتی رہ جاتی ہوں منہ پھیر کر بھی نہیں دیکھتے۔ لڑکیاں البتہ کہاں جائیں اور کس کے پاس جائیں گھر ہی میں بیٹھی کھیلا کرتی ہیں میں گھر کے کام دھندے میں لگی رہتی ہوں لیکن پھر بھی جہاں تک تمھارے نیک ارادے ہیں خدا اس کو پورا کرے مجھ سے مدد مل سکتی ہے تم دیکھ لینا انشاءاللہ اپنے مقدور بھر اٹھا نہ رکھوں گی۔ نصوح بھلا چھوٹے چھوٹے بچوں کو تو سنبھال لوگی۔ ان کا درست کر لینا کیا مشکل ہے۔ یہ تو موم کی ناک ہیں۔ جدھر کو پھیر دو پھر گئے۔ بلکہ شاید ان کو منہ سے کہنے کی بھی

ضرورت نہ ہو بچوں کا قاعدہ ہے کہ جیسا بڑوں کو کرتے دیکھتے ہیں خواہ مخواہ اس کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی حمیدہ نے مجھ کو رُلا رُلا دیا ہے۔ کیا تو اس کی چھ برس کی بساط ہے مگر ماشاء اللہ میرے منہ میں خاک مغز سے اتار کر بڑے بوڑھوں کی سی باتیں کرتی ہے۔ نصوح کیا ہوا تھا۔

فہمیدہ اور منجھلی بیٹی حمیدہ کی گفتگو

فہمیدہ۔ تم کو جواب چند روز سے نماز پڑھتے دیکھتی ہے تو پرسوں مجھ سے پوچھنے لگی کہ اماں جان دن میں کئی مرتبہ ابا جان ہاتھ منہ دھو کر یہ کیا کیا کرتے ہیں پہلے دیر تک بڑے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں چپکے چپکے کچھ باتیں کرتے جاتے ہیں۔ پھر جھکتے ہیں پھر منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔ میں۔ بیٹی نماز پڑھتے ہیں۔ حمیدہ اماں جان نماز کیا۔ نماز کو اس استعجاب کے ساتھ پوچھنا یہ پہلی چٹکی تھی کہ اس نے میرے دل میں لی۔ میں۔ بیٹیا خدا کی عبادت کو نماز کہتے ہیں۔ حمیدہ۔ اماں جان خدا کیا چیز ہے اور عبادت اس کی کون ہے۔ اس کا بھولے پن سے یہ پوچھنا

---

۱ عمر سے مراد ہے ۱۲ ۲ جو خدا چاہے۔ نظر بد سے بچنے کیلئے ماشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں ۱۲ ۳ یہ بھی ماشاء اللہ کیطرح نظر بد سے بچنے کا ٹوٹکا سمجھو ۱۲ ۴ تعجب ۱۲

تھا کہ خدا کیا چیز ہے اور عبادت اس کی کون ہے کہ میرے بدن[1] پر رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ میں ۔ کیوں کیا تم خدا کو نہیں جانتیں ۔ حمیدہ ۔ میں سب لوگوں کو خدا کی قسم کھاتے تو سنتی ہوں اور جب کبھی اماں جان تم مجھ پر تو نہیں اور کسی پر خفا ہوتی ہو تو کہا کرتی ہو خدا کی مار اور تجھ سے خدا سمجھے شاید خدا بیچا[2] کو کہتے ہیں مگر بیچا ہوتی تو اس کی قسم نہ کھاتے ۔ میں حمیدہ ۔ توبہ کرو ۔ توبہ خدا بیچا نہیں ہے ۔ خدا وہ ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے ۔ وہی روزی دیتا ہے ۔ وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے ۔ وہی پالتا ہے ۔ حمیدہ ۔ کیا اماں جان تم کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے ۔ میں ۔ ہاں مجھ کو بھی ۔ حمیدہ ۔ اور ابا جان کو بھی ۔ میں ہاں تمھارے ابا جان کو بھی ۔ حمیدہ ۔ اور ننی لوا کو بھی ۔ میں ۔ ہاں ۔ ننی لوا کو بھی ۔ اماں جان کیا ہر روز ہمارے گھر میں کھانا نہیں پکتا ۔ میں ۔ کیوں نہیں ۔ پکتا ۔ حمیدہ ۔ پھر تم تو کہتی ہو کہ خدا سب کو کھانے کو دیتا ہے ۔ میں ۔ اللہ میاں پانی برساتے ہیں ۔ اللہ میاں غلے اور میوے اور ترکاریاں ہم لوگوں کے واسطے زمین میں اگاتے ہیں ۔ وہی ہم سب لوگ کھاتے ہیں ۔ حمیدہ ۔ ننی لوا کو تو اماں جان تم دودھ پلاتی ہو ۔ میں ۔ دودھ بھی اللہ میاں ہی اتارتے ہیں تمھاری ہی دفعہ اسی دودھ کے پیچھے برسوں مصیبت اٹھائی ۔

---

[1] ڈر کے مارے ۱۲ [2] جس چیز سے بچوں کو ڈراتے ہیں اس کو بیچا کہتے ہیں ۱۲

چھٹی[1] تک الغاروں[2] دودھ تھا چھٹی نہا کر اٹھی کہ یکایک جاڑا چڑھ بخار آیا تو کس شدّت کا کہ الاماں[3] تمام بدن سے آنچ نکلتی تھی۔ وہ پہر کھیر کا بخار آنا اور دودھ کا تاؤ کھا جانا پھر بہتیری شادن بھانتی زیرہ پیا حکیم کا علاج کیا تمھارے دادا جان خدا جنت نصیب کرے ہر روز صبح کو طشتری[4] لکھ دیا کرتے تھے مگر دودھ کچھ ایسی گھڑی کا سوکھا تھا کہ پھر نہ اترا پر نہ اترا۔ جب دیکھا کہ بچی بھوک کے مارے پھڑکی چلی جاتی ہے ناچار اتار رکھی اور وہ عذاب اٹھائے کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھلائے۔ خدا نے زندگی بخشی تھی کہ تم پل گئیں حمیدہ۔ تو اللہ میاں بڑے اچھے ہیں ہم سب کو کھانے کو دیتے ہیں ہماری نئی بوا کے واسطے دودھ اتارتے ہیں۔ لیکن اماں جان اللہ میاں سے ہمارا کچھ رشتہ ناطہ ہے کہ اتنے سلوک کرتے ہیں۔ میں۔ رشتہ ناطہ یہ کہ ہم اُن کے بندے ہیں۔ مرد اُن کے غلام ہیں۔ عورتیں ان کی لونڈیاں۔ حمیدہ۔ لونڈی غلاموں کے ساتھ اتنا سلوک کہ کوئی اپنے بچوں کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ لیکن لونڈی غلام تو اپنے مالک کی خدمت کرتے ہیں۔ ٹہل کرتے ہیں ہم اللہ میاں

---

[1] بچے کے پیدا ہونے کے چھٹے دن زچہ غسل کرتی بچے کا موڈن ہوتا اس کا نام رکھا جاتا اس شادی کو چھٹی کہتے ہیں ۱۲ [2] ڈھیروں ۱۲ [3] خدا اپنی پناہ میں رکھے اور آگے کو امن دے ۱۲ [4] حد سے زیادہ گرم ہو جاتا ۱۲ [5] چینی کی طشتری پر قرآن کی آیتیں اور دعائیں لکھ کر طشتری کو دھو کر پی لینے سے دودھ بڑھتا ہے ۱۲

کا کون سا کام کرتے ہیں۔ حمیدہ۔ ہاں اب میں سمجھی کہ نماز جو تم نے اپنے باپ کو پڑھتے دیکھی اور جس کو عبادت کہتے ہیں۔ حمیدہ۔ ہاں اب میں سمجھی کہ نماز اللہ میاں کا کام ہے تو سبھی کو نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ لونڈی غلام سب ہیں اللہ میاں کی دی ہوئی روٹی سب کھاتے ہیں۔ میں۔ بے شک خدا کی عبادت سب پر فرض ہے۔ حمیدہ۔ اماں جان تم تو نماز نہیں پڑھتیں۔ کیا تم اللہ میاں کی لونڈی نہیں ہو اور کیا تم اُس کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتیں۔ حمیدہ نے جو سادہ دلی اور بھولے پن سے یہ الزام دیا مجھ کو اس قدر شرم آئی کہ زمین پھٹ گئی ہوتی تو میں سما جاتی۔ میں۔ میں لونڈی بے شک ہوں اور خدا کی دی ہوئی روٹی کھاتی ہوں لیکن کیا بعض لونڈیاں نکمی اور کام چور اور نمک حرام اور بے غیرت نہیں ہوتیں۔ ویسی ہی اللہ میاں کی ایک لونڈی میں ہوں۔ حمیدہ۔ ابا جان بھی تو اب بیماری سے اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے ہیں کیا اس سے پہلے وہ خدا کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتے تھے یہ سن کر نصوح کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ میں۔ وہ بھی بُرا کرتے تھے۔ حمیدہ۔ اچھی اماں جان اللہ میاں خفا ہوئے ہوں گے۔ میں۔ خفا ہونے کی تو بات ہی ہے۔ حمیدہ۔ الہٰی نہ ہو روٹی بند کر دیں۔ تو پھر ہم کہاں سے کھائیں گے۔ اور اگر ننی بوا کا دودھ سوکھ جائے گا تو ہماری ننی روئے گی یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی۔ میں نے اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور

پیار کیا۔ لیکن جس قدر میں اُس کو تسلی دیتی تھی وہ اور زیادہ روتی تھی۔ مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور مجھ کو روتے دیکھ کر وہ اور بھی بے تاب ہو گئی۔ آخر بڑی بڑی مشکلوں سے میں نے اُس کو سنبھالا اور کہا کہ حمیدہ تم ڈرو مت اللہ میاں کا یہ دستور نہیں ہے کہ جو لونڈی غلام کام نہ کریں اُن کا کھانا بند کر دیں۔ حمیدہ۔ سچ۔ میں۔ ہاں ہاں تم گھبراؤ مت۔ حمیدہ۔ اچھی اماں جان ننی کو پلا کر دیکھو دودھ ہے یا نہیں۔ میں۔ بیٹی ننی کو سونے دو اور دودھ سے اطمینان رکھو دودھ خدا کا دیا ہوا بہت۔ حمیدہ۔ ہمارے گھر میں تو لونڈی غلام نہیں نوکر چاکر ہیں۔ مگر کام نہیں کرتے تو تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے ابا جان جرمانہ کر دیا کرتے ہیں۔ گھر سے نکال دیتے ہیں اللہ میاں اپنے لونڈی غلاموں پر کبھی خفا نہیں تو ان کا کام تو اور بھی جی لگا کر کرنا چاہیئے۔ کیا کام نہ کرنا اور کھانا بے غیرتی نہیں ہے۔ میں۔ بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حمیدہ۔ اماں جان میں نے تو آج تک نماز نہیں پڑھی اور نہ مجھ کو نماز پڑھنی آتی ہے اور تم تو دن رات میں دو ہی دفعہ کھانا کھاتی ہو۔ میں نہیں معلوم کتنی دفعہ کھاتی ہوں مجھ پر اللہ میاں ضرور خفا ہوئے ہونگے یہ کہہ کر پھر حمیدہ روئی اور ڈر کے مارے دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور پھر میں نے سمجھایا کہ حمیدہ ڈرو مت اللہ میاں تم سے ناخوش نہیں ہیں۔ ابھی تم بچی ہو تم کو نماز معاف ہے۔ حمیدہ۔ کھانا تو مجھ کو بھی سب کے برابر بلکہ سب سے اچھا اور زیادہ ملتا ہے۔ میں۔ ہاں۔ ملتا ہے۔ اور یہ بھی خدا کی مہربانی ہے۔

کہ تم کو کام معاف کر رکھا ہے۔ حمیدہ۔ پھر اللہ میاں مجھ کو کیوں کھانا دیتے ہیں۔ میں۔ اس واسطے کہ جب بڑی ہو جاؤ تو اس کے بدلہ کا بہت سا کام کرو۔ حمیدہ۔ لیکن کیا اب میں کام نہیں کر سکتی دیکھو تم کو پان بنا دیتی ہوں ابا جان کو پانی پلا دیا کرتی ہوں ننی بوا کو بہلا لیتی ہوں کیوں اماں جان کرتی ہوں نا۔ میں۔ ہاں بوا تم تو میرے بہت کام کرتی ہو پنکھا جھل دیتی ہو دھاگا بٹ دیتی ہو سوئی میں دھاگا پرو دیتی ہو جو چیز مجھ کو درکار ہوتی ہے لے آتی ہو۔ حمیدہ۔ تو کیا میں اللہ میاں کا چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکتی۔ کیا نماز پڑھنا بڑا مشکل کام ہے میں تو دیکھتی ہوں ابا جان ہاتھ منھ دھو کر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ کیا اتنا مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میں۔ اس کے سوائے کچھ پڑھنا بھی ہوتا ہے جس کو تم کہتی تھیں کہ چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے ہیں۔ حمیدہ۔ وہ کیا باتیں ہیں۔ میں خدا کی تعریف اور اس کے احسانوں کا شکریہ اپنے گناہوں کا اقرار اور اُن کی معافی کی درخواست اس کے رحم کی تمنا اُس سے فضل کی آرزو۔

بس یہی نماز ہے۔ حمیدہ۔ یہ سب باتیں اسی طرح نہ کرتے ہیں جیسے ہم لوگ آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ میں۔ اور کیا۔ حمیدہ۔ مگر ابا جان تو کچھ اور ہی طرح کی بولی بولنے لگتے ہیں۔ میں وہ عربی زبان ہے۔ حمیدہ۔ وہ تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اماں جان تم جانتی ہو۔ میں نہیں میں بھی نہیں جانتی۔ حمیدہ۔ تو کیا خدا سے عربی ہی زبان میں باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ میں۔ نہیں وہ سب

کی بولی سمجھتا ہے بلکہ وہ دلوں کے ارادوں اور طبیعتوں کے منصوبوں سے واقف ہے۔ حمیدہ۔ یہ کیوں کر۔ میں۔ اسواسطے کہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی چیز کوئی بات اُس سے مخفی[1] نہیں۔ سب کو دیکھتا ہے سب کی سنتا ہے۔ اگلے پچھلے کل حال اُسے معلوم ہیں۔ حمیدہ۔ (گھبرا کر) کیا اللہ میاں یہاں ہمارے گھر میں بھی بیٹھے ہیں۔ میں۔ گھر میں کیا ہمارے پاس بیٹھے ہیں۔ مگر ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ سن کر حمیدہ نے جلدی سے اوڑھنی اوڑھ لی اور سنبھل کر مؤدب[2] ہو بیٹھی اور مجھ سے بھی آہستہ سے کہا اماں جان سر ڈھک لو۔ اس کے بعد حمیدہ پر کچھ ایسی ہیبت[3] غالب آئی کہ میری گود میں تھوڑی دیر تک چپ پڑی رہی آخر اُونگھنے لگی سو گئی۔ میری ٹانگیں سن ہونے لگیں تو میں نے آہستہ سے چارپائی پر لٹا کر بیدارا[4] کو پاس بٹھا دیا کہ دیکھ ہاتھ رکھے رہیو ایسا نہ ہو کہ لڑکی سوتے سوتے ڈر کر چونک پڑے اور میں یہاں چلی آئی مجھ کو حمیدہ کی باتوں سے ایسا ڈر لگا کہ اندر سے کلیجہ تھر تھر کانپا جاتا تھا۔ نصوح۔ کیوں ڈر کی اس میں کیا بات تھی۔ فہمیدہ۔ میں کہتی تھی کہ ایسی چھوٹی سی لڑکی اور ایسی باتیں کچھ اس کو ہو تو نہیں گیا۔ نصوح۔ مذہب میں بڑی خوبی اور عمدگی تو یہی ہے کہ وہ ایسی باتوں کی تعلیم کرتا ہے۔ جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

---

۱ پوشیدہ ۱۲ ۲ باادب ۱۲ ۳ ڈر ۱۲ ۴ گھر کی ماما کا نام ۱۲

Remarks of Nasooh on hearing from his wife what the sentiments of his younger daugh were.

مسائلِ[۱] دینی آدمیوں کے بنائے ہوئے معمے[۲] اور لوگوں کی گڑھی ہوئی پہیلیاں نہیں ہیں کہ اُن کے حل کرنے اور بوجھنے کو بڑا غور و خوض درکار ہو بلکہ اس حکیم برحق کے باندھے ہوئے اصول[۳] اور ٹھہرائے ہوئے ضابطے[۴] ہیں اور اصول بھی کیسے سلیس اور آسان ضابطے سہل اور بدیہی[۵] نہیں معلوم انسان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے ہیں کہ اتنی موٹی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ زمین و آسمان چاند سورج ستارے انواع و اقسام کے حیوانات رنگ برنگ کے نباتات ساری دنیا تمام زمانہ اتنا بڑا کارخانہ جس میں کا ایک پتہ اٹھا کر دیکھو تو ہزاروں صنعتوں[۶] سے بھرا ہوا ہے آخر خود بخود تو نہیں ہو گیا ضرور اس کا بنانے والا ہے اور پھر اس نے جو انسان کو ایک خاص صفت عقل عطا کی ہے کچھ تو اس تخصیص[۷] کا مطلب ہے مگر ہے کیا کہ انسان اس تصور کو اپنے ذہن میں آنے ہی نہیں دیتا اور نہ ساری خدائی خدا کی گواہی دے رہی ہے ؎

برگِ[۸] درختاں سبز در نظرِ ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

---

۱ دین کے مسئلے ۱۲ ۲ چیستان ۱۲ ۳ قاعدے ۱۲ ۴ دستور ۱۲ ۵ ظاہر باتیں جن کو ہر شخص مان لے ۱۲ ۶ کاریگریاں ۱۲ ۷ یعنی انسان کو جو عقل کے ساتھ خاص کیا اسی کو عقل دی اور دوسری مخلوقات کو نہ دی تو عقل کی وجہ سے انسان پر کوئی خاص ذمہ واری بھی ضرور ہو گی ۱۲ ۸ ہرے درختوں کے پتے عقلمند کی نگاہ میں نرے پتے نہیں بلکہ خدا کے پہچاننے کے لئے

حمیدہ نے کوئی بات اچنبھے کی نہیں کی۔ اچنبھے کی بات تو یہ ہے کہ ہم میں نادان بچوں کی برابر بھی عقل نہیں ڈوب مرنے کی جگہ ہے زمین میں گڑ جانے کا مقام ہے۔ بلکہ حمیدہ کی باتوں کو میں ایک فال نیک اپنی کامیابی کی سمجھتا ہوں افسوس ہے کہ تم اس کو میرے پاس نہ لے آئیں اس کی ہر ہر بات لوح دل پر کندہ کرنے کے لائق ہے اور یہ باتیں اس نے کیا کہیں خدا نے اس کے منہ سے کہلوائیں۔ بچی کیا ہے۔ سچ پوچھو تو ہمارے لیے ہدایت کا فرشتہ ہے اور بچے جو معصوم کہلاتے ہیں اسی سبب سے کہ ان کے دل لوث دنیا سے پاک اور تیرگی گناہ سے صاف ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ایک سے تو اطمینان ہوا اب یہ بتاؤ مگر اوروں کے واسطے کیا انتظام کرنا ہوگا۔ فہمیدہ۔ تم ہی کوئی تجویز سوچو۔ نصوح۔ میں نے تو یہ سوچا ہے کہ لڑکیوں کو تم سنبھالو اور لڑکوں کو میں سمجھ لوں گا۔ فہمیدہ۔ بھلا میں بھی تو سمجھوں کیوں کر سمجھ لوگے کہ وہی تدبیر میں بھی کروں۔ نصوح۔ میں۔ پہلے چھوٹوں سے شروع کروں گا۔ امید ہے کہ جلد راہ پر آجائیں۔ بڑوں کا مجھ کو بڑا کھٹکا ہے۔ یہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ یہ نیا ڈھنگ دیکھ کر ان کے کان کھڑے ہوں گے۔ مگر نہیں معلوم کس سے

---

۱ تعجب ۱۲ ۲ دل کی تختی پر کھود دینے کے لائق ۱۲ ۳ بے گناہ ۱۲ ۴ یعنی دنیا کی محبت سے نہیں لتھڑے ۱۲ ۵ سیاہی ۱۲ ۶ جانور جب کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو کان کھڑے کر لیتا ہے مطلب یہ ہے کہ حیران ہوں گے تعجب کریں گے ۱۲ ۷ تعجب ۱۲

کیا معاملہ پیش آئے تم اتنا کرو کہ ایک تو میرا تمہارا دونوں کا کام ایک ساتھ شروع ہو۔ جب اندر باہر دونوں جگہ ایک ہی بات کا چرچا ہو گا تو کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ دیکھو خاص کو ہمارے پیچھے پڑے ہیں اولاد اولاد سب برابر اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتے دوسرے یہ کہ تمہاری ادا سے یہ بات پیدا ہو کہ اس معاملے میں ہم دونوں کو ایک اہتمامِ خاص ہے کیونکہ ذرا سا ضعف بھی ظاہر ہو گا تو تمام تر انتظام درہم برہم ہو جائے گا فہمیدہ اِن شاءَاللہ اس کے خلاف نہ ہو گا۔

نصوح اور چھوٹے بیٹے کی گفتگو

آج تو میاں بی بی میں یہ قول و قرار ہوا اگلے دن چھوٹا بیٹا سلیم ابھی سو کر نہیں اُٹھا تھا کہ بیدارانے آجگایا کہ صاحب زادے اُٹھئے بالا خانہ پر میاں بلاتے ہیں سلیم کی عمر اس وقت کچھ کم دس برس کی تھی۔ سلیم نے جو طلب کی خبر سنی گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور جلدی سے ہاتھ منہ دھو ماں سے آ کر پوچھنے لگا۔ اماں جان تم کو معلوم ہے ابا جان نے کیوں بلایا؟

لے روک ٹوک ۱۲ ۲ے کمزوری ۱۲ ۳ے الٹ پلٹ ۱۲

ہے ۔ ماں ۔ بھائی مجھ کو تو کچھ خبر نہیں ۔ بٹیا کچھ خفا تو نہیں ہیں ۔ ماں ۔ ابھی تو کوٹھے پر سے بھی نہیں اُترے ۔ سلیم ۔ بیدارا مجھ کو کچھ معلوم ہے بیدارا میاں ہیں اوپر لوٹا لینے گئی تھی میاں اکیلے بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے میں آنے لگی تو میاں نے آپ کا نام لیا اور کہا ان کو بھیج دیجیے ۔ سلیم صورت سے کچھ غصّہ تو نہیں معلوم ہوتا تھا ۔ بیدارا نہیں تو ۔ سلیم ۔ تو اماں جان ذرا تم بھی میرے ساتھ چلو ۔ ماں میری گود میں لڑکی سوتی ہے تم اتنا ڈرتے کیوں ہو جاتے کیوں نہیں ۔ سلیم ۔ کچھ پوچھیں گے ۔ ماں ۔ جو کچھ پوچھیں گے تم اس کا معقول طور پر جواب دینا ۔ غرض سلیم ڈرتا ڈرتا اوپر گیا ۔ اور سلام کر کے اوپر جا کھڑا ہوا ۔ باپ نے پیار سے بلا کر پاس بٹھا لیا اور پوچھا کیوں صاحب ابھی مدرسے نہیں گئے ۔ بیٹا ۔ جی بس اب جاتا ہوں ابھی کوئی گھنٹے بھر کی دیر اور ہے ۔ باپ تم اپنے بھائی[۱] کے ساتھ مدرسے جاتے ہو یا الگ ۔ بیٹا کبھی کبھی بھائی جان کے ساتھ چلا جاتا ہوں ۔ باپ کیوں ۔ بیٹا ۔ اگلے مہینے میں امتحان ہونے والا ہے چھوٹے بھائی جان اسی کے واسطے تیاری کر رہے ہیں ۔ صبح سویرے اُٹھ کر کسی ہم جماعت[۲] کے یہاں چلے جاتے ہیں وہاں ان کو دیر ہو جاتی ہے تو پھر گھر بھی نہیں آتے ۔

۱؎ مراد ہے منجھلا بھائی علیم ۱۲ ۲؎ جتنے لڑکے مدرسے کی ایک جماعت میں پڑھتے ہوں ایک دوسرے کے ہم جماعت کہلاتے ہیں ۱۲

میں جاتا ہوں تو اُن کو مدرسے میں پاتا ہوں۔ باپ کیا اپنے گھر میں جگہ نہیں ہے کہ دوسروں کے یہاں جاتے ہیں۔ بیٹیا۔ جگہ تو ہے مگر وہ کہتے تھے کہ یہاں بڑے بھائی جان کے پاس ہر وقت گنجیفہ اور شطرنج ہوا کرتا ہے اطمینان سے ساتھ پڑھنا نہیں ہو سکتا۔ باپ۔ تم بھی شطرنج کھیلنی جانتے ہو۔ بیٹیا۔ مہرے پہچانتا ہوں چالیں جانتا ہوں مگر کبھی خود کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ باپ مگر زیادہ دنوں تک دیکھتے دیکھتے یقین ہے کہ تم بھی کھیلنے لگو گے۔ بیٹیا۔ شاید مجھ کو عمر بھر بھی۔ شطرنج کھیلنی نہ آئے گی۔ باپ کیوں کیا ایسی مشکل ہے۔ بیٹیا مشکل ہو یا نہ ہو۔ میرا جی ہی نہیں لگتا۔ باپ۔ سبب بیٹیا میں پسند نہیں کرتا۔ باپ۔ چونکہ مشکل ہے۔ اکثر مبتدی گھبرایا کرتے ہیں۔ مجھ کو یقین ہے کہ گنجیفے میں تمہاری طبیعت خوب لگتی ہوگی وہ بہ نسبت شطرنج کے بہت آسان ہے۔ بیٹیا۔ میں شطرنج کی نسبت گنجیفے کو زیادہ تر ناپسند کرتا ہوں۔ باپ۔ شطرنج میں طبیعت پر زور پڑتا ہے اور گنجیفے میں حافظے پر بیٹیا میری ناپسندیدگی کا کچھ خاص کر یہی سبب نہیں ہے بلکہ مجھ کو سارے کھیل بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ باپ۔ تمہاری اس بات سے مجھ کو تعجب ہوتا ہے۔ اور میں تم سے تمہاری ناپسندیدگی کا اصلی سبب سننا چاہتا ہوں۔

کیونکہ شاید اب سے پانچ یا چھ مہینے پہلے جن دنوں میں باہر کے مکان
میں بیٹھا کرتا تھا میں نے خود تم کو ہر طرح کے کھیلوں میں نہایت شوق کے
کے ساتھ شریک ہوتے دیکھا تھا۔ بیٹا۔ آپ درست فرماتے ہیں میں ہمیشہ
کھیل کے پیچھے دیوانہ بنا رہتا تھا مگر اب تو مجھ کو دلی نفرت سی ہو گئی ہے۔
باپ۔ آخر اس کا کوئی سبب خاص ہو گا۔ بیٹا۔ آپ نے اکثر چار لڑکوں
کو کتابیں بغل میں دابے انارکلی میں آتے جاتے دیکھا ہو گا۔ باپ۔ وہی
گورے گورے چار لڑکے جو ایک ساتھ رہتے ہیں۔ پھدڑی[1] جوتیاں پہنے
منڈے ہوئے سر اونچے پائجامے۔ نیچی چولیاں[2]۔ بیٹا۔ ہاں جناب وہی
چار لڑکے۔ باپ۔ پھر بیٹا۔ آپ نے ان کو کسی قسم کی شرارت[3] کرتے کبھی دیکھا
ہے۔ باپ کبھی نہیں۔ بیٹا۔ جناب کچھ عجیب عادات ان لڑکوں کی ہے راہ میں
چلتے ہیں تو گردن نیچی کیے ہوئے۔ اپنے سے بڑا مل جائے جان پہچان ہو یا نہ
ہو اُن کو سلام کر لینا ضرور کئی برس سے اس محلے میں رہتے ہیں مگر کانوں کان
خبر نہیں۔ محلے میں کوڑیوں[4] لڑکے بھرے پڑے ہیں لیکن ان کو کسی سے کچھ
واسطہ نہیں آپس میں اوپر تلے کے چاروں بھائی ہیں نہ کبھی لڑتے نہ کبھی جھگڑتے

---

۱ جوتی کی ایڑی کو اندر کی طرف بٹھا دینے سے جوتی پھدڑی ہو جاتی ہے ۱۲ ۲ انگرکھے کا اوپر کا حصہ
گریبان سے بند بندھنے کی جگہ تک چولی ہے ۱۲ ۳ دنگا ۱۲ ۴ بیس کی ایک کوڑی جیسے ۱۲ کا ایک

نہ گالی بکتے نہ قسم کھاتے نہ جھوٹ بولتے نہ کسی کو چھیڑتے نہ کسی پر آوازہ کستے۔
ہمارے ہی مدرسے میں پڑھتے ہیں نہ ہاں بھی ان کا یہی حال ہے کبھی کسی نے
ان کی جھوٹی شکایت بھی تو نہیں کی۔ ڈیڑھ بجے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوا کرتی ہے
اور لڑکے تو کھیل کود میں لگ جاتے ہیں یہ چاروں بھائی ایک پاس کی مسجد میں
نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں۔ باپ۔ بھلا۔ پھر۔ بیٹا منجھلا لڑکا میرا ہم جماعت ہے۔
ایک دن میرا آموختہ[1] یاد نہ تھا مولوی صاحب نہایت ناخوش ہوئے اور اس کی
طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا کہ کمبخت گھر سے گھر ملا ہوا ہے اس کے پاس
جا کر یاد کر لیا کر۔ میں نے جو پوچھا کیوں صاحب یاد کرا دیا کرو گے تو کہا[2] بسر و چشم۔
غرض میں اگلے دن اُن کے گھر گیا۔ آواز دی اُنھوں نے مجھ کو اندر بلایا۔ دیکھا
کہ ایک بہت بوڑھی سی عورت تخت پر جا نماز بچھائے قبلہ رو[3] بیٹھی ہوئی
کچھ پڑھ رہی ہیں۔ وہ ان لڑکوں کی نانی ہیں۔ لوگ حضرت بی کہتے ہیں۔
میں سیدھا سامنے دالان میں اپنے ہم جماعت کے پاس جا بیٹھا جب حضرت
بی اپنے پڑھنے سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا گو تم نے
مجھ کو سلام نہیں کیا لیکن ضرور ہے کہ میں تم کو دعا دوں جیتے رہو عمر دراز خدا
نیک ہدایت دے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میں غیرت کے مارے زمین میں گڑ گیا۔

---

[1] پچھلا پڑھا ہوا ۱۲ [2] یعنی سر سے اور آنکھوں سے ۱۲ [3] قبلے کی طرف منہ کیے

اور فوراً آمیں نے اُٹھ کر نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا۔ تب حضرت بی نے فرمایا کہ بیٹی بُرا مت ماننا یہ بھلے مانسوں کا دستور ہے کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہے۔ اس کو سلام کر لیا کرتے ہیں۔ اور میں تم کو نہ ٹوکتی لیکن چونکہ تم میرے بچوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہو اس سبب سے مجھ کو جتا دینا ضرور تھا۔ اس کے بعد حضرت بی نے مجھ کو مٹھائی دی اور اصرار[۱] کر کے کھلائی۔ مدتوں میں اُن کے گھر جاتا رہا۔ حضرت بی مجھ کو بھی اپنے نواسوں کی طرح چاہنے اور پیار کرنے لگیں اور ہمیشہ مجھ کو نصیحت کیا کرتی تھیں۔ تبھی سے میرا دل تمام کھیل کی باتوں سے کھٹا[۲] ہو گیا۔ باپ۔ یہ تو تم نے اچھا اختصار کیا۔ اجی اچھی طرح جی کھول کر بے تکلف سب باتیں مجھ کو سناؤ کیا تم سے حضرت بی نے کہا رک رک کر چبا چبا کر باتیں کرنے سے میری طبیعت اُلجھتی ہے۔ ہاں تو پھر کیا ہوا۔ بیٹا ہر روز آنے جانے سے میں ان لوگوں کے ساتھ خوب بے تکلف ہو گیا مگر حضرت بی نے بس پہلے دن سلام نہ کرنے پر تو ٹوکا تھا پھر کوئی گرفت[۳] نہیں کی۔ باوجود یکہ میں شوخی بھی کرتا تھا نہ خفا ہوتی تھیں۔ ایک دن مجھ سے اور ایک ہمسائے کے لڑکے سے باہر گلی میں کھیلتے کھیلتے عین ان ہی کے دروازے پر لڑائی ہو پڑی سخت کلامی کے بعد گالی

---

[۱] ضد ۱۲ [۲] کھٹی چیز کا کھانا ناگوار ہوتا ہے مراد یہ ہے کہ جی بھر گیا ۱۲ [۳] پکڑ۔ یعنی میری کوئی خطا نہیں پکڑی ۱۲

گلو چ کی نوبت پہنچی پھر مار کٹائی ہونے لگی۔ لڑکا مجھ سے تھا کمزور اڑنگے[1] پر چڑھا جوں ایک پٹخنی دیتا ہوں چاروں[2] شانے چت پھر تو میں اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور بچا کو ایسے گھسے دیئے کہ یاد ہی کئے ہوں گے اندر چھڑا نہ دیتے تو میں اس کو ادھ موا[3] کر ہی چکا تھا۔ بارے دو چار آدمیوں نے مجھ کو اس پر سے اتارا اور دو ایک نے میری پیٹھ بھی ٹھونکی کہ شاباش پٹھے[4] شاباش۔ لیکن وہ لڑکا ایسا چیمڑ[5] باز تھا کہ پھر خم ٹھوک[6] کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ پھر گتھ[7] جاؤں اتنے میں اندر سے امی میرے ہم جماعت نے آواز دی۔ ادھر لوگوں نے کہا کہ میاں جانے بھی دو یہ تمہارے جوڑ[8] کا نہیں ہے۔ غرض میں اندر چلا گیا۔ میرے ہم جماعت نے پوچھا کیوں جی کس سے لڑ رہے تھے میں نے کہا میاں یہی کنجڑے والا رمضانی کمزور مار کھانے کی نشانی لیکن خدا کی قسم میں نے بھی آج اس ......[9] کو ایسا رگڑا ہے کہ یاد ہی تو کرے گا۔ اس وقت تک غصہ اور طیش تو فرد ہوا ہی نہ تھا۔ نہیں معلوم کیا کیا میں نے بکا

---

۱ پہلو پر اٹھا لینے کو اڑنگا کہتے ہیں ۱۲ ۲ دونوں مونڈھے دونوں کولھے ملا کر چاروں شانے کہلاتے ہیں ۱۲ ۳ نیم مردہ ۱۲ ۴ جوان کو پٹھا کہتے ہیں ۱۲ ۵ بے جا تکرار کرنے والا ۱۲ ۶ ایک بازو کو دوسرے ہاتھ سے ٹھونکنا ۱۲ ۷ لپٹ جاؤں ۱۲ ۸ برابر کا ۱۲ ۹ ان لفظوں سے مراد ہے کہ سلیم نے اس لڑکے کی شان میں اور بے جا الفاظ کہے جو لکھے نہیں گئے ۱۲

کہ سب گھر والوں نے سن کر آنکھیں نیچی کر لیں اور بڑی دیر تک سرنگوں[1]
بیٹھے رہے آخر حضرت بی بولیں کہ سلیم بڑی افسوس کی بات ہے کہ تو ایسا
پیارا لڑکا۔ اور گن[2] تیرے ایسے خراب۔ اِس مُنہ سے ایسی باتیں۔ آج کئی
دن سے میں تجھ کو سمجھانے والی تھی مگر اِس وقت جو میں نے تیری گفتگو سنی
مجھ کو یقین ہو گیا کہ تجھ کو سمجھانا بے سُود[3] ہے۔ بڑا رنج تو مجھ کو اس بات کا ہے
کہ تو ہاتھ سے گیا گزرا تھا۔ دوسرا کھٹکا یہ ہے کہ تو میرے لڑکوں کے پاس
آتا جاتا ہے اگر خدا نخواستہ تیری خو بو کا ایک شمہ انھوں نے اختیار کیا تو
میری طرف سے یہ جیتے جی مر گئے۔ ملنا جلنا تو بڑی بات ہے اب یہ محلہ مجھ کو چھوڑنا
پڑا۔ اتنی بیحیائی۔ ایسی بدزبانی۔ اوّل تو لڑنا اور پھر گلی کوچے میں اور اس پر
ایسی موٹی موٹی گالیاں۔ میں۔ جناب خدا کی قسم ہرگز میں نے پہل[4] نہیں کی۔ وہ
سر چڑھ کر مجھ سے لڑا۔ حضرت بی۔ بس اپنی قسموں کو بند کرو۔ میں قسم اور گالی
دونوں کو برابر سمجھتی ہوں جس کو بے موقع بے محل خدا کا نام لینے میں باک نہیں
اُس کو کسی بات کے بک دینے میں تامل نہیں۔ میں۔ گالی بھی پہلے اس نے
مجھ کو دی۔ حضرت بی۔ تم نے کیوں گالی کھانے کی بات کی۔ میں۔ یہی تو عرض
کرتا ہوں کہ میرا مطلق قصور نہ تھا۔ حضرت بی۔ کیا ایسے بیہودہ لڑکوں سے

---

[1] اوندھا سر کیے ۱۲ [2] عادتیں ۱۲ [3] بے فائدہ ۱۲ [4] ابتدا ۱۲

ملاقات رکھنا تمھارا قصور نہیں ہے۔ میں۔ جناب آپ کو معلوم نہیں وہ لڑکا راہ چلتوں کے سر ہوتا ہے۔ حضرت بی۔ یک[1] نہ شد دو شد دروغ[2] گویم بروئے تو۔ میرے لڑکوں کے کوئی بھی سر نہیں ہوتا۔ میں۔ اِن سے تو میرے سے جان پہچان ہی نہیں۔ حضرت بی۔ اور تم سے ہے۔ میں۔ یہ کیوں کر کہوں کہ نہیں ہے۔ حضرت بی۔ نہ ہے تو وہی تمھارا قصور ہے اور اس کی یہ سزا ہے کہ تم نے بازار میں گالیاں کھائیں۔ میں۔ لیکن میں نے بھی خوب ہی بدلا لیا حضرت بی۔ بس یہی تو تمہاری خرابی کے لچھن ہیں اور تم اس کو بدلا سمجھتے ہو۔ اگر ایک شخص تمہارے ساتھ کچھ برائی کرے تو اس کو لوگ برا کہیں گے۔ میں۔ ضرور کہیں گے۔ حضرت بی۔ اور جب تم اس کے ساتھ زیادہ برائی کرو تو کیا تم زیادہ بڑے نہ کہلاؤ گے۔ گالیاں بکنا ایک زبوں[3] بات ہے۔ اس نے بکیں تو جھک مارا اور تم نے زیادہ بکیں تو زیادہ جھک مارا ایسلیم تم اپنے میں اور اس کنجڑے کے چھوکرے میں کچھ فرق سمجھتے ہو۔ یہ سن کر مجھ کو ندامت شروع ہوئی اور میں نے کہا کہ واقع میں اس وقت تو مجھ میں اور اُس میں کچھ فرق نہ تھا۔ حضرت بی۔ لیکن وہ ایک بازاری آدمی کا بیٹا ہے اور تم ایک بڑے عزّت دار کے لڑکے ہو۔ تمھارے دادا کا شہر میں وہ شہرہ

---

[1] ایک جھوٹ تو تھا ہی دوسرا اِدھر ہوا ۱۲ [2] جھوٹ بھی بولوں تو تمھارے رو در رو ۱۲ [3] بُری ۱۲

ہے کہ اُن کے نام کی لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ اُن ہی کے پوتے تم ہو جھوٹ بولنے پر دلیر قسم کھانے میں بے باک۔ فحش بکنے میں بے دھڑک۔ سلیم! کوئی شخص دین ہو یا دنیا کسی جگہ اس وجہ سے عزت نہیں پا سکتا کہ اس کے باپ دادا عزّت دار تھے۔ اصل میں عزّت آدمی کے کردار[۱] کی ہے۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ یہ عادتیں جو تم نے سیکھی ہیں عزّت حاصل کرنے کی ہیں۔ ہرگز نہیں یہ سُن کر مجھ کو قسم کھاتے یا فحش بکتے یا جھوٹ بولتے یا بازاری لڑکوں میں کھیلتے مَیں تو مجھ کو اپنے گھر میں نہ آنے دیجیے گا۔ باپ۔ کیا بس اُسی دن سے تم کو کھیلنے سے نفرت ہو گئی۔ بیٹا۔ جناب نہیں نہیں میں حضرت بی کے یہاں جاتا رہا اور ہر روز نصیحت کی دو چار باتیں وہ مجھ سے کہا کرتی تھیں۔ ایک روز انھوں نے مجھ سے ------------- میرے وقت کا حساب پوچھا۔ میں نے سونا اور کھانا اور کھیلنا اور تھوڑی دیر لکھنا پڑھنا بہتیرے کام گنوائے مگر انھوں نے سُن کر ایک ایسی آہ کھینچی کہ آج تک اس کی چوٹ میں اپنے دل میں پاتا ہوں اور کہا کہ سلیم آٹھ پہر میں خدا کا ایک کام بھی نہیں۔ خدا نے تم کو آدمی بنایا کیا ممکن نہ تھا کہ وہ تم کو بلّی یا کتّا بنا دیتا۔ پھر آدمی بھی بنایا تو ایسے خاندان کا جو عزت دار

---

[۱] کرتوت عمل ۱۲ [۲] آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۱۲

اور خوش حال ہے۔ ہو سکتا تھا کہ تم مزدور یا لکڑہارے کے گھر میں ہوتے اور ایسی ہی چھوٹی سی عمر میں تم کو پیٹ پورا کرنے کے واسطے محنت کرنی پڑتی اور پھر بھی سوائے چبینے[1] کے اور کچھ نہ پاتے اور نہ کبھی پیٹ بھر کر ہاں ایک لنگوٹی تم باندھے پھرتے۔ نہ پاؤں میں جوتی نہ سر پہ ٹوپی۔ نہ گلے میں انگرکھا۔ جہاں جاتے دُر دُر[2] جس کے پاس کھڑے ہوتے پھٹ پھٹ[3]۔ پھر صورت تم کو ایسی پاکیزہ دی کہ جو دیکھے پیار کرے۔ کیا تم کو کالا بھبٹ[4]۔ کانڑا لنگڑا کوڑھی بنا دینا اس کو مشکل تھا۔ جس خدا کے تم پر اتنے سلوک اور اتنے احسان ہیں ستم[5] ہے کہ دن رات میں ایک دفعہ بھی اس کے آگے سر نہ جھکاؤ غضب ہے کہ ایک لمحہ بھی اس کو یاد نہ کرو۔ تب حضرت بی نے مجھ کو نماز سکھائی اور اس کے معنی سمجھائے اور اسی طرح انھوں نے مجھ کو ہزاروں نصیحتیں کیں کہ بر زبان یاد نہیں رہیں مگر افسوس ہے کہ کئی مہینے سے ان کے گھر میرا جانا چھوٹ گیا۔ یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ باپ۔ کیوں تم نے کس لئے ان کے یہاں کا جانا ترک[6] کیا۔ کیا ان کے نواسوں سے لڑائی ہو گئی۔ بیٹا۔ جناب ان کے نواسے مجھ کو بھائیوں سے کہیں زیادہ عزیز

---

[1] چنے وغیرہ جو چبائے جاتے ہیں ۱۲ [2] دُور دُور کا مخفف ہے ۱۲ [3] پھٹکار سے نکلا ہے ۱۲
[4] بھٹی کی طرح سیاہ ۱۲۔
[5] ظلم ۱۲ [6] چھوڑ دینا

ہیں اگر میں ان سے لڑتا تو دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی نالائق نہ تھا۔ باپ۔ پھر کیا خود حضرت بی تم سے ناخوش ہو گئیں۔ بیٹا۔ اَستَغفِرُ اللّٰہ[1] وہ تو اس درجے کی نیک ہیں کہ غصہ ان کو چھو ہی نہیں گیا۔ باپ۔ تو کیا تم آپ سے آپ بیٹھ رہے۔ بیٹا۔ میں تو ہر روز وہاں جانے کے واسطے تڑپتا ہوں۔ باپ۔ تو کیا یہاں تم کو کسی نے منع کیا۔ بیٹا۔ نہیں کسی نے بھی منع نہیں کیا۔ باپ۔ پھر کیا سبب ہوا۔ بیٹا۔ اگر آپ مجھ کو اس کا سبب بیان کرنے سے معاف رکھتے تو بہتر تھا۔ باپ۔ نہیں ضرور ہے کہ میں تمھارے نہ جانے کا سبب معلوم کروں۔ بیٹا۔ اس میں ایک شخص کی شکایت ہوگی اور حضرت بی نے مجھ کو غیبت[2] اور چغلی سے ممانعت کی ہے۔ باپ۔ لیکن کیا وہاں کے نہ جانے سے تمھارا نقصان نہیں ہے۔ بیٹا۔ اے جناب نقصان سا نقصان ہے مگر میرے اختیار کی بات نہیں۔ باپ۔ تو میں تم کو اپنے منصب[3] پدری کی رو سے حکم دیتا ہوں کہ تم سارا حال پوست کندہ[4] بیان کرو۔ بیٹا۔ جناب۔ آپ پوچھتے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت بی نے ایک مرتبہ مجھ کو بتاکید کہا تھا کہ تم اپنے

---

[1] اس کے لفظی معنی تو ہیں کہ میں خدا سے معافی مانگتا ہوں مگر مراد یہ ہے کہ اگر میری کسی بات سے آپ نے حضرت بی کا قصور سمجھا تو وہ میری غلطی ہے خدا معاف کرے ۱۲۔

[2] کسی پیٹھ پیچھے برا کہنا ۱۲ [3] یعنی باپ ہونے کے حق سے ۱۲ [4] صاف صاف لفظی معنی اوپر کی چھال یا کھال نکلی ہوئی ۱۲

سر کے بال منڈوا ڈالو اگرچہ مجھ کو بال بہت عزیز تھے اور میں ان کی خدمت[1]
بھی بہت کچھ کرتا تھا لیکن مجھ کو یقین تھا کہ حضرت بی جو بات کہتی ہیں ضرور میری
منفعت کے واسطے کہتی ہیں میں نے کہا بہت خوب حضرت بی نے اور تو
کچھ سبب بیان نہیں کیا مگر اتنا کہا کہ بالوں کی نگہداشت میں تمہارا بہت
سا وقت صرف ہوتا ہے اور وقت ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو ایسی فضول باتوں میں
صرف کیا جائے اور تم کو بڑے بال رکھنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگلے دن
جو حجام بڑے بھائی جان کا خط بنانے[2] آیا میں نے اُس سے کہا کہ خلیفہ[3] میرے
بال مونڈ دینا۔ بالوں کا مونڈنا سُن کر بڑے بھائی جان اس قدر خفا ہوئے کہ
میں عرض نہیں کر سکتا۔ مجھ کو جو چاہتے کہہ لیتے حضرت بی اور اُن کے نواسوں
کو بہت ہی بُرا بھلا کہا۔ یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے۔ باپ۔
تمہارے بڑے بھائی سے اور حضرت بی سے کیا واسطہ اور ان کو تمہارے
افعال میں میرے ہوتے کیا دخل۔ بیٹا۔ جناب نہیں معلوم اُن کو کس طرح معلوم
ہو گیا تھا کہ میں ان کے گھر آتا جاتا ہوں وہ ایک مرتبہ مجھ سے پہلے بھی کہا تھا
کہ لو ان مردہ شو[4]۔ قل اعوذیوں[5] کے ساتھ اکثر رہتا ہے کیا تو بھی مُلّانا اور

---

[1] خدمت۔ حفاظت ۱۲ [2] داڑھی مونچھ کی اصلاح کو خط بنوانے بولتے ہیں ۱۲ [3] حجاموں کو عموماً عزت کی راہ سے خلیفہ کہنے لگے ہیں ورنہ حقیقت میں خلیفہ اُستاد کا جانشین ۱۲ [4] مردوں کو نہلانیوالے ۱۲ [5] قل اعوذ سے قرآن کی دو سورتیں شروع ہوتی ہیں نمازی لوگ ان سورتوں کو اکثر پڑھتے رہتے ہیں آفتوں سے بچنے کیلئے بڑی مفید ہیں سلیم نے حقارت سے قل اعوذیئے کہا ۱۲

مسجد کا ٹکڑ گدا بنے گا۔ اُس دن بالوں پر کہنے لگے کہ دیکھا آخر اُن نابکاروں کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ آپ اچھے خاصے سر کو چھلا ہوا کیسرو بنانے چلے ہیں کہ دیکھتے ہی ہتھیلی کھجلائے چانٹا مارنے کو جی چاہے۔ ابے اکیلے سر منڈانے سے کیا ہوتا ہے ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہن گھٹنوں تک کا پائے جامہ بنا پنج آیت[۵] کے واسطے دو چار سورتیں یاد کر اور جب چاہے کہ فقط انگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل اور سراسر منڈا کر بے پانی کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو بچّا ہاتھ دھو رکھو گھٹنا تو ملنے ہی کا نہیں۔ باپ۔ تم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ بیٹا۔ جناب اوّل تو بڑے بھائی کو جواب دینا خلافِ شیوۂ ادب تھا۔ اور اگر دیتا تو مجھ کو جیتا کبھی نہ چھوڑتے۔ جب تک میں سامنے سے ٹل نہیں گیا انہوں نے زبان بند نہیں کی اور ناحق حضرت بی اور ان کے نواسوں کی شان میں بُری بُری باتیں کہیں۔ غرض ڈر کے مارے پھر میں نے بال منڈوانے کے نام نہیں لیا اور نہیں سے مجھ کو ایک حجاب[۵] سا پیدا ہوا کہ کئی بار مجھ سے کہہ چکی ہیں اپنے دل میں کیا کہتی ہوں گی کہ کیسا خود سر لڑکا ہے لیکن پھر انھوں نے کچھ تذکرہ نہیں کیا معلوم نہیں بھول گئیں یا کہنے سے کچھ فائدہ نہ دیکھ کر چپ

۱۔ روٹی کے ٹکڑوں کے لئے بھیک مانگنا مولوی لوگ اکثر دعوتیں کھاتے رہتے ہیں کلیم نے ان کو ٹکڑ گدا بنا دیا ۱۲ ۔ ۲۔ مردے کا تیجا ہوتا ہے تو کم سے کم پانچ آیتیں پڑھ کر ثواب پہنچاتے ہیں ۱۲

۳۔ مراد بے شرم ۱۲ ۔ ۵۔ جو کسی کا کہنا نہ مانے اپنے ہی جی میں آئے سو کرے ۱۲

ہو رہیں لیکن ابھی تک بھی میں نے جانا نہیں چھوڑا اگرچہ میرا جانا داخل بے غرقی تھا جب انھوں نے مجھ کو نماز سکھائی اور نماز کی تاکید کی تو میں نے ایک دن گھر میں نماز پڑھنی چاہی بڑے بھائی جان اور ان کے یار دوست برابر ہنس دیتے جاتے تھے اور نہیں ہنستا تھا۔ تو جا نماز الٹ الٹ دیتے۔ سجدے میں جاتا تو اوپر بیٹھ بیٹھ جاتے ایسی حالت میں ممکن نہ تھا کہ میں نماز پڑھ سکوں اور حضرت بی سچ بولنے کا مجھ سے عہد لے ہی چکی تھیں۔ میں نے سوچا جاؤں گا تو نماز کو پوچھیں گی کیا کہوں گا بالوں کی شرمندگی اور نماز کی ندامت غرض اعمال کی شامت کہ میں نے جانا چھوڑ دیا۔ اب وہاں گئے مجھ کو ساڑھے تین مہینے ہو گئے۔ میری اس نااہلی[۱] کو دیکھیے کہ تبھی سے وہ میرے ہم جماعت بیمار پڑے ہیں میں ان کی عیادت[۲] کو بھی نہیں جا سکا۔ باپ۔ لیکن تم نے اپنی مجبوری کا حال مجھ پر کیوں نہیں ظاہر کیا۔

بیٹا۔ اس خوف سے کہ غیبت ہو گی۔ باپ۔ تم نے اپنے بڑے بھائی کے روبرو[۳] کہا ہوتا۔ بیٹا۔ اتنی مجال نہ مجھ میں کبھی تھی۔ نہ اب ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں ہر وقت آپ کے پاس رہنے سے رہا جب اکیلا پائیں گے مجھ کو ٹھیک[۴] بنائیں گے۔ باپ۔ تم کو خوف ہی خوف تھا یا تم

۱؎ نالائقی ۱۲ ۲؎ بیمار پرسی ۱۲ ۳؎ منھ در منھ ۱۲ ۴؎ مراد ہے کہ ماریں گے ستائیں گے ۱۲۔

کو بڑے بھائی نے کبھی مارا بھی تھا۔ بیٹا۔ اس کی گنتی نہ میں بتا سکتا ہوں
اور نہ بڑے بھائی جان بتا سکتے ہیں۔ باپ کس بات پر۔ بیٹا۔ میں تو ہمیشہ
اُن کے مارنے کو ناحق بے سبب بے قصور بے خطا ہی سمجھا۔ باپ۔ تم نے
اپنی ماں سے بھی کبھی تذکرہ نہ کیا۔ بیٹا۔ جو وجہ آپ کی خدمت میں عرض کرنے
کی مانع تھی وہی والدہ سے کہنے کو بھی روکتی تھی۔ دوسرے میں دیکھتا تھا کہ
گھر میں نماز روزے کا مطلق چرچا نہیں یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہوں
اور جس طرح بڑے بھائی جان ناخوش ہوتے ہیں اور لوگ بھی ناراضمند ہوں۔
باپ۔ تو یہ چند مہینے تمہارے نہایت ہی بُری طرح گزرے۔ بیٹا۔ کچھ عرض
نہیں کر سکتا ایک حضرت بی کی خدمت سے محروم رہنے کا صدمہ دوسرے
اپنی مجبوری کا رنج۔ میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ سگ[۱] باش وبرادر خرد مباش
سو مجھ کو ہر روز اس کی تصدیق ہوتی ہے اور سب سے
بڑھ کر تو اس بات کا قلق تھا کہ میں اپنے گھر میں سب چھوٹے بڑوں کی عادتیں
کو ناپسند کرتا ہوں۔ اور اپنے جی میں سوچا کرتا ہوں کہ جس گھر میں مجھ کو رہنا ہے
اس گھر سے مجھ کو وحشت ہوتی ہے تو میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا۔ باپ
لیکن اگر اب تم کو حضرت بی کے گھر جانا ملے۔ بیٹا۔ سبحان اللہ اس سے بڑھ کر

---

[۱] کتا بن مگر چھوٹا بھائی مت بننا ۱۲ [۲] رنج ۱۲

کوئی خوشی کی بات نہیں لیکن جب تک کہ میں سر کے بال نہ منڈوالوں اور نماز نہ پڑھوں میں اُن کو مُنہ نہیں دکھا سکتا۔ باپ اور اگر یہ بھی ہو۔ بیٹیا۔ تو پھر یہ بھی ہو۔ کہ ہمارے گھر بھر کی عادتیں بھی وہیں کی سی ہو جائیں۔ باپ بھلا اگر دونوں ہوں۔ بیٹیا۔ تو پھر مجھ کو اور کچھ درکار نہیں۔ باپ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے تمام گھر پر ایک بربادی اور تباہی چھا رہی ہے اور سارا خاندان گناہ اور بے دینی کی آفت میں مبتلا ہے۔ آنوے[۱] کا آوا خراب۔ کنبے کا کنبہ گمراہ۔ تعجب ہے کہ اب تک کوئی عذابِ الہیٰ ہم پر نازل نہیں ہوا۔ حیرت ہے کہ قہرِ خدا[۲] ہم پر کیوں نہیں ٹوٹ پڑا اور خدا کا الزام اور تم سب کا اُلاہنا تمام تر مجھ پر ہے۔ میں تم لوگوں کے جسموں کی تو پرداخت و پرورش کرتا رہا۔ لیکن تمھاری روحوں کو میں نے ہلاک اور تمھاری جانوں کو میں نے تلف کیا کتنے خون میری گردن پر ہیں اور کتنے وبال میرے سر پر مصرع

بحیرتم[۳] کہ سرانجام من چہ خواہد بود

سلیم! تم خوش ہو کہ تمھاری آرزو بر آئی اور تمھارا مطلب خدا نے پورا کیا۔ شوق سے اپنا سر منڈواؤ۔ نماز پڑھو اور حضرت بی کی خدمت میں جاؤ۔ آج سے حضرت بی میری دینی ماں اور اُن کے نواسے میرے دینی فرزند ہیں اور میں

---

[۱] جس گڑھے میں اینٹیں پکائی جائیں ۱۲ [۲] خدا کا غضب ۱۲ [۳] میں حیران ہوں کہ میرا انجام کیسا ہوگا ۱۲

خود تمھارے ساتھ چلوں گا اور حضرت بی کا شکریہ ادا کروں گا کہ انھوں نے حسبۃً اللہ تمھارے اور میرے دونوں کے ساتھ سلوک کیا۔ تمھارے ساتھ یہ کہ تم کو نیک صلاح دی اور میرے ساتھ یہ کہ جو کام میرے کرنے کا تھا۔ وہ انھوں نے کیا۔ آج کے بعد سے ان شاء اللہ تم اس گھر کو حضرت بی کے گھر کی طرح دیکھو گے کوئی تفرقہ[1] تم میں اور ان کے نواسوں میں باقی نہ رہے گا۔ سلیم! تمھاری آج کی گفتگو سن کر میرا جی بہت ہی خوش ہوا اور تم مجھ کو ساری اولاد میں سب سے زیادہ عزیز رہو گے۔ تم کو میں دوسروں کے لیے نمونہ اور مثال بناؤں گا اور ان کو جو تم سے بڑے ہیں تمھاری تقلید[2] پر مجبور کروں گا۔

فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

ادھر تو نصوح اور سلیم دونوں باپ بیٹوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر اتنی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں خاصی ایک جھوڑ ہو گئی۔ نعیمہ اس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی پانچ مہینے کا پہلوٹھی[3] کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی۔ نانی کی چہیتی۔ ماں کی لاڈو۔ مزاج کچھ قدرتی تیز۔ باپ کے لاڈ اور پیار سے وہی

---

[1] فرق ۱۲ [2] پیروی ۱۲ [3] جو بچہ سب سے پہلے پیدا ہو ۱۲

کہاوت ہے کریلا اور نیم چڑھا[۱] اور بھی چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں گذر ہونے لگا تھا۔ گھونگھٹ کے ساتھ مُنہ کھلا اور مُنہ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہو گیا اب چھپے چھپے مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی مگر رسّی جلی پر بل نہ گیا باوجودیکہ اجڑی ہوئی میکے میں پڑی تھی مزاج میں وہی طنطنہ[۲] تھا۔ کوار پنے ہی میں سوا گز کی زبان تھی کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا، سو بیاہے سے ان کو بھی دھتکار بتائی۔ بیٹا جنے پیچھے تو اور بھی کھُل کھیلی۔ مردوں تک کا لحاظ اُٹھا دیا۔ فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیٹیوں کا بیڑا اٹھاتے تو اُٹھا لیا تھا۔ لیکن نعیمہ کے تصوّر سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی میں اس بھڑوں[۳] کے چھتے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گی سو سو منصوبے ذہن میں باندھتی تھی مگر نعیمہ کی شکل نظر پڑی اور سب غلط ہو گئے۔ ماں تو موقع اور محل ہی سوچتی رہی نعیمہ نے خود ہی ابتدا کی بڑے سویرے بچّہ حمیدہ کو دے کر خود ہاتھ مُنہ دھونے میں مصروف تھی۔ جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت نکلا جاتا ہے بچے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ بچّہ اکھل کھری[۴] ماں کا تھا سنبھلنا تھا کہ بلبلا[۵] اٹھا۔ آواز سن کر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ بچہ اکیلا پڑا رو رہا ہے اور حمیدہ کھڑی

---

۱ کہاوت ہے ۱۲ ۲ شیخی۔ نازک مزاجی۔ ہیکڑی ۱۲ ۳ محاورہ ہے ۱۲ ۴ تنگ مزاجی ۱۲
۵ پھڑک گیا ۱۲

نماز پڑھ رہی ہے نور سے دوڑ پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دوہتڑ[1] ماری کہ حمیدہ رکوع[2] سے پہلے سجدے میں جا گری۔ اُس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے دوسرے قطعے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی تو دیکھا کہ حمیدہ چبوترے پر پانی کا لوٹا لئے ہوئے سر جھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے تلّی[3] جاری ہے۔ گھبرا کر پوچھا کہ ابھی تو میں تمھیں نماز پڑھتی کو چھوڑ گئی تھی اتنی ہی دیر میں یہ ہوا تو کیا ہوا دیکھوں کہیں نکسیر تو نہیں پھوٹی حمیدہ بیچاری نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا تھا کہ نعیمہ خود بول اٹھی اے بی ہوا کیا ذرا کی ذرا لڑکے کو دے کر میں مُنہ دھونے چلی گئی اِس نکمی سے اتنا نہ ہو سکا کہ لڑکے کو لئے رہے آخر میں کہیں کنوئیں میں گرنے تو نہیں چلی گئی تھی لڑکے کو بلکتا ہوا لٹا نیت باندھ نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی میں جو آئی تو یوں ہی ہولے[4] سے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ آپ دھڑام[5] سے گر پڑی کہیں تخت کی کیل لگ لگا گئی ہوگی۔ ماں۔ اچھا تم نے ہولے سے ہاتھ رکھا تھا کہ نگوڑی لڑکی کے فصد کے برابر خون نکلا۔ کیسے دنیا میں لہو سفید[6] ہو گئے ہیں نعیمہ۔ لہو سفید نہ ہو گئے ہوتے تو کیا یوں بھائی کے بچے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی۔ ماں۔ لیکن اُس نے بے سبب نہیں چھوڑا

---

[1] دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر جو تھپڑ مارا جائے ۱۲ [2] رکوع کے معنی ہیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے کھڑے جھک جانا نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے اور سجدہ پیچھے ۱۲ [3] دھار ۱۲ [4] آہستہ سے ۱۲ [5] گرنے کی آواز ۱۲ [6] محبت کے باقی نہ رہنے کو یوں تعبیر کرتے ہیں کیونکہ خون کی رنگت گرمی کی وجہ سے ہوتی ہے گرمی گئی اور خون کا پانی ہوا تو مطلب یہ ہوا کہ دلوں میں محبت کی گرمی نہیں رہی ۱۲

اس کی نماز چلی جا رہی تھی - نعیمہ - بلا سے صدقے سے نماز کو جانے دیا ہوتا نماز پیاری تھی یا بھانجا ماں - لڑکی ڈر خدا کے غضب سے کیا کفر بک رہی ہے اس حالت کو تو پہونچ چکی اور پھر بھی تو درست نہ ہوئی نعیمہ خدا نہ کرے میری کونسی حالت تم نے بری دیکھی - ماں - اس سے بدتر حالت اور کیا ہو گی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا نعیمہ وہ جنم جلا[۱] گھر ہی ایسا دیکھ کر دیا ہو تو کوئی کیا کرے - ماں - ہاں بیٹی سچ ہے بس تو تیری ایسی ہی دشمن تھی مائیں بیٹیوں کو اسی واسطے بیاہا کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اُجڑی ہوئی ان کے گھٹنے لگی بیٹھی رہیں - نعیمہ - کیا جانیں ہم کو تو آنکھ میچ کر کنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا - سو پڑے ڈبکیاں[۲] کھا رہے ہیں - ماں - خیر بیٹی اللہ رکھے تمھارے آگے بھی اولاد ہے اب تم سمجھ بوجھ کر ان کی شادی بیاہ کرنا نعیمہ - کریں ہی گے نہ کریں گے تو کیا تمھارے بھروسے پر بیٹھے رہیں گے - ماں - میں کیا کہتی ہوں کہ میرے بھروسے بیٹھی رہنا - بڑا بھروسہ خدا کا - نعیمہ - کیا خدا بھروسا اپنے دم قدم کا - ماں - یہ دوسری دفعہ ہے کہ تو خدا کی شان میں بے ادبی کر چکی ہے اب کی تو نے اس طرح کی بات مُنھ سے نکالی اور بے تامل میں تڑ تڑ[۳] سے طمانچہ تیرے مُنہ پر کھینچ ماروں گی - نعیمہ سچ کہنا بڑی بے چاری مارنے والیا

---

[۱] کوسنا ہے یعنی اس کے جنم کو لگے آگ ۱۲ [۲] غوطے ۱۲ [۳] طمانچے کی آواز ۱۲

مارو اپنی چہیتی کو مارو اپنی لاڈو کو۔ ماں ۔کیسی چہیتی کیسی لاڈو قربان کی گئی ایسی اولاد جو خدا کو نہ مانے۔ نعیمہ ۔ یہ کب سے ۔ ماں جب سے خدا نے ہدایت دی۔ نعیمہ چلو خیر جب ہم بھی تمھاری عمر کو پہونچیں گے تو بہتیرا خدا کا ادب کرلیں گے ماں آپ کو خیر سے غیب دانی میں بھی دخل ہے کہ بارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے ۔نعیمہ ۔ اب تم میرے مرنے کی فال نکالو۔ ماں ۔ نہ کوئی کسی کی فال سے مرتا اور نہ کوئی کسی کی فال سے جیتا ہے جس کی جتنی خدا نے لکھ دی۔ نعیمہ ۔ ورنہ تم مجھ کو کاہے کو جینے دیتیں ۔ ماں ۔ اتنا ہی اختیار رکھتی ہوتی تو تجھ کو آدمی ہی نہ بنا لیتی ۔نعیمہ ۔ تو ہیچ کیا میں حیوان ہوں ۔ ماں ۔ جو خدا کو نہیں جانتا وہ حیوان سے بدتر ہے ۔نعیمہ ۔ اب تو ایک حمیدہ تمھارے نزدیک انسان ہے باقی سب گدھے ہیں ۔ ماں ۔ حمیدہ کا تجھ کو کیا جلاپا پڑ گیا تو اس کی جوتی کی برابری تو کرلے نعیمہ ۔ خدا کی شان یہ اٹھک بیٹھک کرلینے سے حمیدہ کو ایسے بھاگ لگ گئے۔ فہمیدہ دو مرتبہ بیٹی کو منع کر ہی چکی تھی اور سمجھا دیا تھا کہ اگر پھر دین کی باتوں میں بے ادبانہ کلام کرے گی تو میں بے تامل منھ پر طمانچہ کھینچ ماروں گی اس مرتبہ جو نعیمہ نے نماز کو اٹھک بیٹھک کہا تو حرارت[۲] دینداری نے فہمیدہ کو بے اختیار کر دیا اور اس نے واقع میں جیسا کہا تھا نعیمہ کے منھ پر ایک طمانچہ ایسے زور سے

---

[۱] غیب یعنی ان دیکھی بات کو جاننا ۱۲ [۲] دین کے لئے جو گرمی دل میں ہو اور غصہ آجائے ۱۲

مار اکر منہ ہی تو پھر گیا۔ طمانچے کا لگنا تھا کہ نعیمہ نے ایک آفت توڑ ماری سب سے پہلے تو اس نے ذرے دھواں[1] دھوں اپنے بے زبان معصوم بچے کو پیٹ ڈالا۔ اگر لوگ اس کی گود سے بچے کو نہ چھین لیں تو وہ لڑکے کا خون[2] ہی کر چکی تھی۔ اس کے بعد اس نے عجب عجب فیل[3] مچائے۔ گھنٹوں تو پٹخنیاں کھایا کی۔ کپڑوں کا ایک تار باقی نہ رکھا۔ نہیں معلوم اس کا سر کتھا یا لوہے کا گولہ تھا کہ ہزاروں تو دو ہتھڑ اس پر پڑے آدھے سے زیادہ بال کھسوٹ ڈالے سینکڑوں ٹکریں دیواروں میں ماریں۔ حیرت ہے کہ وہ سر بچا تو کیونکر بچا۔ اس کے یا گھنڈ دیکھ کر سارا گھر تھرا[4] اٹھا اور لوگ ڈرنے لگے کہ ایسا نہ ہو بلانے والے غل سنکر اندر گھس آئیں۔ بارے بمشکل پکڑ پکڑا کر کوٹھری کے اندر ڈھکیل اوپر سے کنڈی لگا دی۔ نیچے گھر میں اتنا غل ہوا مگر بالاخانہ کچھ ایسا الگ سا تھا کہ نصوح کو مطلق خبر نہیں ہوئی۔ جب سلیم باپ سے باتیں کر کے نیچے آتر آیا تو فہمیدہ اوپر گئی۔ اس وقت تک غیظ و غضب اور رنج و تعب[5] کے آثار اس کے چہرے سے نمودار[6] تو تھے ہی دور ہی سے نصوح نے پوچھا خیریت تو ہے ــــــــ فہمیدہ۔ اللہ تعالیٰ خیریت تمہارا رکھے۔ کیوں تم نے کیا سمجھ کر پوچھا۔ نصوح تمہارے چہرے پر ہوائیاں[7] اڑ رہی ہیں مونہہ خشک ہو رہے

---

[1] بچے کو مار نیکی آواز ۱۲ [2] جان سے مار چکی تھی ۱۲ [3] فیل، فساد ۱۲ [4] کانپ اٹھا ۱۲ [5] غصہ ۱۲ [6] تکان ۱۲ [7] ظاہر ۱۲ [8] چہرہ ڈر کے زرد ہو جانیکو ہوائیاں اڑنا کہتے ہیں ۱۲

ہیں سر سے پاؤں تک کھڑی کانپ رہی ہو آخر یہ سب باتیں بے سبب تو نہیں ہیں فہمیدہ نے نعیمہ کی اور اپنی تمام سرگزشت[1] بیان کی۔ نصوح یہ ماجرا سنکر دم بخود ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کے قریب دونوں میاں بی بی چپ سناٹے میں بیٹھے رہ گئے آخر فہمیدہ نے کہا پھر اب کیا صلاح۔ نصوح۔ صلاح یہی ہے کہ جو ہونی ہو سو ہو۔ اب نرمی اور لنت[2] نہیں کرنی چاہیے معاذ اللہ ایسا برا عقیدہ بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی اہل اسلام کے خاندان کی لڑکی ہے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ مجھ کو تو اس کے ساتھ کھانا حرام ہے بڑی خیریت گذری کہ میں وہاں موجود نہ تھا ورنہ میرے روبرو ایسا کلمہ اس کے منہ سے نکلا ہوتا تو شاید میں تلوار کھینچ لیتا۔ ایسی اولاد کے ہونے سے نہ ہونا اچھا بہتر ہوگا کہ ابھی پالکی منگا اُس کو اُس کی سسرال پہنچا دو۔ فہمیدہ۔ بھلا کیسی باتیں کرتے ہو بے طلب بے تقریب بھیج دیں تو ایک تو پہلے ہی سے اس نے اپنی عزت کو خاک میں ملا رکھا ہے رہی سہی اور بھی غارت ہو۔ تجھ کو کیا خبر تھی ورنہ تمہاری نیاز[3] کی تقریب سے عورت مرد سارا سمدھیانہ آیا تھا اور اس کے لے جانے کے لئے منتیں[4] کرتے تھے۔ نصوح۔ جو کمبخت عورت خدا کی عزت و حرمت نہ رکھے وہ دنیا میں ہر طرح کی بے عزتی اور بے حرمتی کی سزاوار ہے۔ جب اُس کو خدا کا پاس[5] ادب

---

[1] جو حقیقت گذری تھی ۱۲ [2] نرمی، ملائم پن ۱۲ [3] بیمار پرسی ۱۲ [4] خوشامدیں ۱۲ [5] لحاظ ۱۲

نہیں مجھ کو ہرگز ہرگز اس کا پاس محبت نہیں۔ فہمیدہ۔ میں کہتی ہوں شاید اب بھی یہ درست ہو جائے۔ نصوح۔ توبہ توبہ اس کے دل میں مطلق نور ایمان نہیں وہ تو سرے سے خدا کی ہی قائل نہیں پھر کیا درستی کی امید۔ فہمیدہ۔ سسرال بھیج دینا تو ٹھیک نہیں۔ نصوح۔ پھر مجھ سے کیا صلاح پوچھتی ہو جو تمھارے جی میں آئے سو کرو۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اس کے ایسے خیالات ہوں اور میں اس کو اپنے گھر میں رہنے دوں۔ اور جو شخص خدا ہی کو نہیں مانتا وہ کیوں اس روزی میں شریک ہو جو ہم کو خدائے تعالیٰ اپنی مہربانی اور عنایت سے دیتا ہے۔ فہمیدہ۔ لیکن خدائے تعالیٰ اپنا رزق کسی سے دریغ[1] نہیں رکھتا بُرے بھلے سب اُس کے یہاں سے روزی پاتے ہیں۔ نصوح۔ میں اس کے رزق کا انسداد[2] نہیں کرتا لیکن میں اپنی کمائی میں منکر خدا کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔ فہمیدہ۔ مایوسی سختی سے گھر میں کا ہیکو رہنے لگا۔ میں اس گھر کی فکر میں ہوں جہاں مجھکو ہمیشہ رہنا ہے دنیا کا گھر چند روزہ گھر ہے آج اجڑا تو اور کل اجڑا تو۔ ایک نہ ایک دن اُجڑے گا ضرور۔ کیا میرے آباد کرنے سے آباد رہ سکتا ہے۔ فہمیدہ۔ ہاں لیکن ایک مرے پیچھے اجڑنا اور ایک جیتے جی اجڑنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ نصوح۔ لیکن تم دل کی ایسی کچی تھیں تو تم نے بانگی[3] کیوں بھری اور تمہارا یہ حال ہے تو واقع

---

[1] یعنی روزی دینے میں مضائقہ نہیں کرتا۔ ۱۲ [2] بندش ۱۲ [3] ہاں کیوں کی تھی ۱۲

میں خاندان کی اصلاح ہو نہیں سکتی۔ فہمیدہ۔ کیا اولاد کے واسطے جی نہیں کڑھتا۔ میں نے ان کو اسی دن کے واسطے پالا تھا۔ کہ یہ بڑے ہو کر مجھ سے چھوٹ جائیں بے شک مجھ سے تو اتنا صبر نہیں ہو سکتا۔ اتنا کہہ کر فہمیدہ کا جی بھر آیا[۱] اور وہ رونے لگی۔ نصوح۔ میں نہیں کہتا کہ تمھارا جی نہیں کڑھتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھ کو تمھاری برابر ان کی محبت ہے۔ لیکن میں نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ تم ان کو چھوڑ دو۔ فہمیدہ۔ کیوں ابھی تم نے نعیمہ کو سسرال بھیج دینے کے لئے نہیں کہا۔ نصوح۔ کیا نعیمہ کبھی سسرال نہیں گئی اور سسرال بھیج دینا اور چھوڑ دینا ایک ہی بات ہے۔ فہمیدہ۔ لیکن ایک ہنسی خوشی جانا جس طرح دنیا جہان کی بیٹیاں میکے سے جایا کرتی ہیں اور ایک لڑ کر جانا اور لڑائی بھی ایسی لڑائی کہ عمر بھر ایسی نہیں ہوئی۔ مجھ کو یاد نہیں کہ میں نے نعیمہ کو کبھی ہاتھ بھی لگایا ہو۔ جواب اس سے سخت سخت اُس نے دیئے۔ مگر جب وہ جواب دیتی تھی میں ہنس دیا کرتی تھی۔ اس مرتبہ نہیں معلوم میں کچھ ایسی آپے سے باہر ہو گئی کہ چھوٹتے[۲] ہی تھپڑ کھینچ مارا اتنا بھی مجھ کو خیال نہیں رہا کہ یہ بیاہی ہوئی صاحب اولاد ہے۔ نصوح۔ اگر تم نے اس کو تھپڑ مارا ہوتا میں تم سے پوچھتا کہ تم کیسی دیندار تھیں کہ ایک شخص نے جس کے دفع کرنے پر تم کو

۱؎ یعنی اس کو رقت ہوئی وہ رونے لگی ۱۲ ۲؎ یعنی بلا انتظار بے تامل ۱۲

قدرت حاصل تھی تمہارے مُنہ پر خدا کی شان میں بے ادبی کی استخفاف[۱] و استہزا[۲] کے ساتھ اس کا نام پاک لیا اور تم کو مطلق بُرا نہ لگا۔ فہمیدہ۔ بُرا نہ لگتا تو میں مارتی ہی کیوں۔ نصوح۔ بے شک تم نے مارا تو بہت بجا کیا لیکن اب اُس پر افسوس کرنا اپنے تئیں ملزم بنانا ہے۔ فہمیدہ لیکن لڑکی جو ہاتھ سے جاتی ہے۔ نصوح۔ یہ حالت تمہارے لئے ایک امتحان کی حالت ہے۔ ایمان اور اولاد دو چیزیں ہیں۔ اور سخت افسوس کی بات ہے کہ ان دونوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ اس واسطے کہ ہماری اولاد دین کی عدو اور ایمان کی دشمن ہے۔ اگر اولاد کا منہ کریں تو دین و ایمان ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر ایمان کا حفظ[۳] کریں تو اولاد چھوٹتی ہے۔ پس تم کو اختیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہو لو۔ فہمیدہ۔ میں ایمان لونگی جو عاقبت میں میرے کام آئے گا۔ نصوح۔ جزاک اللہ[۴] صد آفریں ہے تمہاری فہم[۵] پر بے شک ایمان بڑی چیز ہے۔ فہمیدہ۔ رہی اولاد کیا کروں چھاتی پر پتھر[۶] رکھوں گی۔ مجھکو کیا خبر تھی کہ اس پیٹ کم بخت کو یوں آگ لگے گی اور اُس اس ناشاد[۷] کو کھ میں ایسے کیڑے پڑیں گے۔ فہمیدہ۔ یہ کہہ کر بڑی درد و حسرت کے ساتھ روئی کہ اُس کو دیکھ کر نصوح بھی بے قرار ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد

---

۱ حقارت کے ساتھ ۱۲ ۲ ہنسی اور ٹھٹھے کے طور پر ۱۲ ۳ خبرداری کریں۔ بچائیں۔ سنبھالیں ۱۲ ۴ خدا تم کو اس کا بدلہ دے ۱۲ ۵ سمجھ ۱۲ ۶ چھاتی پر پتھر رکھنا۔ مصیبت کو برداشت کرنا صبر کرنا ۱۲ ۷ کوسنا ہے کہ خوش نہ رہے ۱۲

نصوح بولا کہ دل کو مضبوط رکھو اور اللہ کو یاد کرو جب تمہاری نیت بخیر ہے تو سب انشاء اللہ بہتر ہی بہتر ہوگا۔ وہ بڑا قادر ہے چاہے تو دم کے دم میں ہماری ساری اولاد کو ولی[1] کر دے۔ دعا کرو کہ اللہ ان کو نیک راہ دکھائے۔ فہمیدہ۔ رواں رواں دعا کر رہا ہے۔ اللہ ہی قبول کرے اور اسی سے لو[2] لگی ہے۔ نصوح بھلا نعیمہ کوٹھڑی کے اندر کیا کر رہی تھی۔ میں چلتے ہوئے کہہ آئی تھی کہ کواڑ کھول کر اس کو پانی وانی پلا دینا۔ نصوح۔ اور کھانا۔ فہمیدہ۔ کیا خوب نہ ابھی دو دن نہ چار دن ابھی سے کھانا۔ نصوح۔ یہ تو بڑی خرابی کی بات ہے۔ فہمیدہ۔ اور کیا۔ بڑا رونا تو کھانے ہی کا ہے۔ وہ مجھ سے چاہے مہینوں نہ بولتی مگر کھانا کھا لیتی تو کچھ اندیشے کی بات نہ تھی۔ ادھر اس کو تکلیف ہوگی ادھر بچہ دودھ کو بھڑکے گا۔ نصوح۔ تم اپنا دودھ پلا دینا۔ فہمیدہ۔ میں تو اس کو سو دفعہ پلاؤں مگر اللہ رکھے سیانا بچہ ہے۔ ماں کی گود پہچانتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن کا بچہ ماں کی پرچھائیں[3] دیکھنے لگتا ہے۔ اب تو سوتے کو ایک دفعہ پلا آئی ہوں۔ چلتے گتے میلے تو جانوں کہ پیا۔ نصوح۔ کھانا کھلانے کی تدبیر ضرور کرنی چاہیے۔ میں جا کر کہوں۔ فہمیدہ۔ نہ خدا کے لئے تم اتنا ہی مت۔ نصوح۔ میں آہستگی سے سمجھا دوں گا۔ فہمیدہ مردوں کی آہستگی

---

[1] خدا کے دوست یعنے اس کے مقبول بندے ۱۲ [2] آس اُمید ۱۲ [3] سایہ ۱۲

کا کچھ اعتبار نہیں اور پھر تمہاری آہستگی کہ ابھی باتوں ہی باتوں میں تم تلوار کھینچنے لگے تھے۔ نصوح۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ کسی طرح کی سختی نہیں کروں گا۔ فہمیدہ۔ پھر بھی کیا ہوا تمہارا دخل دینا مناسب نہیں۔ آخر ایک آدمی گھر میں ایسا بھی ہونا چاہیے کہ چھوٹے بڑے سب اس کا لحاظ کریں۔ اور فرض کیا کر تم گئے اور رنج اس کا تازہ ہے۔ اُس نے نہ مانا تو پھر بڑی دشوار[1] پڑے گی اور اس کو یہ شرم دامنگیر[2] ہوگی کہ دیکھو باپ تک مجھ کو سمجھا کر ہار گئے اور میں نے کسی کا کہنا نہ مانا اب جو من جاؤں گی تو باپ جی میں کیا کہیں گے۔ نصوح۔ اچھا تو ایک تدبیر کرو۔ اس کی سہیلیوں میں سے کوئی سمجھدار ہے اس کو بلا بھیجو وہ سمجھا بجھا کر اس کو راضی کرے گی۔ ہاں یہ ایک معقول تدبیر ہے میں اپنی بھانجی صالحہ کو بلاتی ہوں دونوں ہم عمر ہیں اور دونوں کی ملی بھگت[3] بھی بہت ہے۔ نصوح۔ بس تمہارے انتخاب[4] پر میرا صاد[5] ہے تمہاری بہن کے گھر نماز روزے کا بھی خوب چرچا رہا کرتا ہے جمعے کے جمعے وعظ[6] ہوتا ہے۔ صالحہ کے خیالات ضرور دیندارانہ خیالات ہوں گے۔ فہمیدہ۔

---

[1] مشکل ۱۲ [2] لفظی معنی دامن پکڑنے والی مطلب یہ ہے کہ اس بات کی شرم اس کو من جانے سے روکے گی ۱۲ [3] یعنی دونوں میں میل جول ۱۲ [4] یعنی جو تم نے صالحہ کو چننا اختیار کیا ۱۲ [5] صاد مخفف ہے صحیح کا یعنی میں بھی اس کو صحیح سمجھا ہوں ۱۲ [6] نصیحت کے طور پر مولوی لوگ جو بیان کیا کرتے ہیں ۱۲

اللہ اکبر[1] ان کے گھر کی دینداری ضرب المثل[2] ہے۔ ہماری بہن رکھے اتنی بڑی نمازن ہیں کہ انھوں نے اپنے ہوش میں تو کسی وقت کی نماز قضا نہیں کی اتنا تو بال بچوں کا بکھیڑا اُن کے ساتھ ہے اور خدا کی مرضی گھر میں سدا تنگی رہتی سب کام کاج بیچاری کو اپنے ہی ہاتھوں کرنا پڑتا ہے لیکن پنج وقتی نماز اور قمی[3] بشوق کی منزل کیا امکان کہ قضا ہو۔ نصوح۔ سبحان اللہ[4] وہی لوگ بڑے خوش قسمت ہیں دنیا کے فقیر دین کے امیر۔ فہمیدہ۔ اور لطف یہ کہ ہر وقت ہشاش بشاش[5] کبھی عسرت[6] کی شکایت یا تنگ دستی کا گلہ ہم نے تو اُن کے منھ سے سنا نہیں۔ اور چھوٹے بڑے سب مستغنی[7] اور سیر چشم[8] ہم کو اتنا تو خدا نے دے رکھا ہے لیکن میں سچ کہتی ہوں کہیں شادی بیاہ میں کسی بیوی کو اپنے سے بہتر زیور یا کپڑا پہنے دیکھتی ہوں تو ضرور میرا جی کڑھتا ہے اور بچوں کا بھی یہی حال ہے کوئی چیز کسی کے پاس ذرا دیکھ پائیں جب تک ویسی ہی موجود نہ ہو جائے میری جان کھا جائیں۔ لیکن ہماری بہن کے دل میں کبھی ایسا خیال ہی نہیں آیا۔

---

۱ اللہ سب سے بڑا ہے کسی کی بڑائی کرنا ہوتی ہے تو یہ جملہ کہہ لیا کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ بڑی بڑائی خدا کی ہے ۲ لوگ اُن کی دینداری کی مثال دیتے ہیں ۱۲ ۳ سورہ فاتحہ سے چل کر سورہ مائدہ پھر سورہ یونس سورہ بنی اسرائیل پھر سورہ شعرا پھر سورہ الصافات پھر سورہ ق یوں سات دن میں قرآن ختم کیا جائے تو قمی بشوق کی منزل کہلاتی ہے ۱۲ ۴ اللہ پاک ہے کسی کی تعریف کرنی ہو تو سبحان اللہ کہہ لیا کرتے ہیں ۱۲ ۵ خوش وخرم ۱۲ ۶ تنگی ۱۲ ۷ بے پروا ۱۲ ۸ ندیدہ کی ضد ۱۲ ۹ رنج ہوتا ہے ۱۲ ۱۰ حیران کریں ۱۲ تنگ کریں

اگر مجھ پر ان کو حسد[۱] ہوتا تو موقع تھا۔ لیکن میرے اور میرے بچوں کے کپڑے دیکھ کر باغ باغ[۲] ہو جاتی ہیں اور ہر چیز پر کہے جاتی ہیں ماشاءاللہ چشم بد دور اللہ زیادہ دے اللہ نصیب کرے۔ بچے ہیں کہ دنیا کی نعمت ان کے سامنے رکھ دو۔ آنکھ اٹھا کر بھی تو نہیں دیکھتے۔ نصوح۔ سچ ہے۔ اَلغِنیٰ غِنَی النَّفس[۳] تونگری[۴] بدل ست نہ بہ مال۔ دنیا کے مال و حشمت[۵] کی ان کی نظروں میں وقعت ہی نہیں پھر حسد کیوں کریں۔ فہمیدہ۔ اور مجھ سے اور میرے بچوں سے اس قدر محبت کرتی ہیں کہ ڈولی سے اترتی ہیں تو اوپر تلے بلائیں لے لے چلی جاتی ہیں۔ بلکہ مجھ کو اُن کے بچوں سے ذرا بھی اُنس نہیں۔ نصوح۔ اُن کی یہ محبت اور ہمدردی خدا پرستی کی وجہ سے ہے اور کچھ تمہاری تخصیص نہیں سب کے ساتھ ان کی یہی کیفیت ہوگی۔ فہمیدہ۔ بچوں کو کچھ ایسا سدھار رکھا ہے کہ کبھی آپس میں لڑتے ہی نہیں۔ ایک ہمارے بچے ہیں کہ ایک دم کو ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ نصوح۔ یہ ان کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ اور ان کے اپنے عمدہ نمونے کا اثر ہے۔ مگر تم ان کو اکثر مہمان بلا کر اپنے یہاں رکھا کرو کہ ہمارے گھر پر بھی ان کا پرتو[۶] پڑے۔ فہمیدہ۔ ہماری بہن غیرت مند بڑی ہیں میں نے کئی بار اُن سے کہا تو یہی جواب دیا کہ میرے ساتھ بکھیڑا بہت

---

[۱] دوسرے کو خوش حال دیکھ کر جل جانا ۱۲ [۲] مارے خوشی کے باغ کی طرح کھلی پڑتی ہیں ۱۲ [۳] اصل امیری تو دل کی ہے [۴] امیری دل سے ہوتی ہے نہ مال سے ۱۲ [۵] شان و سامان نوکر چاکر وغیرہ ۱۲ [۶] سایہ ۱۲

ہے تمھاری سسرال والے نہیں معلوم دل میں کیا سمجھیں کیا کہیں اس سے میرا آنا نہیں ہو سکتا۔ خدا کرے کہ تم بیٹے بیٹیوں کی شادیاں کرو بیاہ کرو تو دیکھو بے بلائے پہنچتی ہوں یا نہیں۔ نصوح۔ کوئی سامان ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کو فکر معاش سے فارغ البالی ہو[1] فہمیدہ۔ وہ ہمارے بہنوئی صاحب کچھ اس کی پیروی ہی نہیں کرتے۔ جب کبھی اُن سے اس کا مذکور آیا بس ایک چلتی سی بات یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ جتنا ہم کو اب ملتا ہے دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہے۔ کون دردِ سر مول لے نصوح۔ گھر میں تکلیف رہا کرتی ہو گی۔ فہمیدہ۔ تکلیف تو ہونی چاہیے۔ بیس روپے مہینے کی نوکری اور ہمارے بہنوئی کی سی احتیاط اللہ رکھے اتنا بڑا کنبہ۔ مگر جیسا میں نے تم سے جب سنا ان کو شکر گزاری ہی کرتے سنا اور کچھ خدا نے برکت بھی ایسی ہی دی ہے کہ کپڑا لتا گہنا پاتا۔ سامان ظاہر حیثیت کے مطابق برا نہیں۔ کسی کے قرضدار نہیں۔ نیوتے[2]۔ بیوہار[3] کے ایسے کھرے کہ اگر کسی نے ان کے گھر ایک روپیہ دیا ہوگا تو انھوں نے دو ضرور دیے ہوں گے۔ غرض کنبے اور برادری میں بھی کسی سے شرمندہ نہیں۔ نصوح۔ بڑی ہی اچھی زندگی ہے۔ فہمیدہ اس میں شک نہیں۔ کیسی ہی مصیبت ہو میں نے ان کو مضطر اور بے قرار نہیں

---

[1] بے فکری ۱۲ [2] شادی بیاہ میں جو دوست آشنا رشتہ دار ایک دوسرے کی مدد کریں نقد سے یا زیور سے یا کپڑے سے اس کو نیوتا کہتے ہیں ۱۲ [3] لین دین ۱۲ [4] مضطر اور بیقرار ہم معنی ہیں ۱۲

دیکھا۔ ہر بات میں اللہ پر توکل خدا پر بھروسا۔ نصوح۔ مجھ کو حیرت ہے کہ تم دونوں سگی بہنیں اور عادتوں میں اتنا تفاوت[1]۔ فہمیدہ۔ ماں کے گھر تک تو میرا بھی یہی حال تھا۔ انھوں نے ہم دونوں کو یکساں سکھایا۔ برابر پڑھایا۔ مگر برابرت ماننا میں تمھارے پلے بندھی۔ تمھارے گھر میں آ کر جو دیکھا تو دین کا کچھ تذکرہ نہ پایا۔ رفتہ رفتہ نماز وغیرہ کی سب عادتیں چھوٹ گئیں۔ ہماری ماں اللہ جنت نصیب کرے بڑی ہی دیندار تھیں۔ جب دُلہن کو رخصت کرتے ہیں تو دستور ہے کہ بیٹی کی ماں بیٹے کی ماں سے کہا کرتی ہے کہ ہیں تمھاری خدمت کو یہ لونڈی دیتی ہوں۔ ہماری ماں نے مجکو اب تک یاد ہے رخصت کرتے وقت اماں جان سے یہ کہا تھا کہ دیکھو لو امیری لڑکی نے آج تک نماز قضا نہیں کی اب میں اس کو تمھارے سپرد کرتی ہوں۔ اتنا خیال رکھنا کہ اس کی نماز قضا نہ ہو ورنہ میں، بَری الذمہ[2] ہوں اس کا وبال اس پر ہو گا یا تمھاری گردن پر۔ جب میں نئی نئی بیاہ کر آئی تو شرم کے مارے اُٹھتی ہیں نہ تھی۔ چلتی پھرتی میں نہ تھی تمام کنبے کی عورتیں ایک دم کو مجھ سے الگ نہ ہوتی تھیں کہ میں تنہائی پا کر دو رکعت نماز پڑھ لیتی۔ اور باوجودے کے میری اماں نے چلتے چلتے اماں جان[3] سے کہہ دیا تھا۔ مگر انہوں نے کبھی کچھ خیال نہ کیا۔ بس اُسی

---

[1] فرق ۱۲ [2] یعنی میرے ذمہ الزام نہیں ۱۲ [3] نصوح کی ماں مراد ہے ۱۲

دن سے میری نماز جاتی شروع ہوئی دو چار دن دل کو افسوس رہا ہوتے ہوتے عادت چھوٹ گئی اور ایسی شامت کی مار آئی کہ پھر مجھ کو نماز نہ پڑھنے کا رنج بھی نہیں ہوتا تھا۔ غرض دنیا کی چند روزہ شرم نے مجھ کو پکّی بے دین بنا دیا اور میری نرہی کہاوت ہوئی کہ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم۔ لیکن چونکہ نماز کی خوبی بچپن سے ذہن میں بیٹھ چکی تھی اب بھی اتنا تھا کہ جس دن سر دھویا[۱] دو چار وقت کی نماز ضرور پڑھ لیا کرتی یا کوئی بال بچہ بیمار ہوا تو نماز پڑھنے لگی خدا نے اس تردد کو دفع کر دیا پھر چھوڑ دی اب البتہ میں نے مصمم[۳] عہد کر لیا ہے کہ برابر نماز پڑھوں گی خدا میرے قول کو پورا کرے۔

نصوح۔ آمین ثم آمین۔ اس کے بعد فہمیدہ نے نیچے اتر فوراً صالحہ کے واسطے ڈولی بھیجی اور لونڈیوں سے کہہ دیا کہ کہار سواری لے کر آئیں تو چپکے سے پہلے مجھ کو خبر دینا۔

نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو

نصوح نے نماز عصر سے فارغ ہو کر منجھلے بیٹے علیم کو بلوایا کہ دیکھو مدرسے

---

[۱] نصیب ۱۲ [۲] عورتیں اپنے نہانے کو سر دھونا کہا کرتی ہیں ۱۲ [۳] پکا ۱۲

سے آئے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ابھی آئے ہیں اور کپڑے اتار رہے ہیں تو کہلا بھیجا
کہ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر ذرا میرے پاس ہو جائیں۔ تھوڑی
دیر میں علیم مدرسے کا لباس اُتار کتابیں ٹھکانے سے رکھ باپ کی خدمت میں
حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی باپ نے کہا آؤ صاحب آج کل تو میں نے سُنا ہے تم کو
بہت ہی محنت کرنی پڑتی ہے۔ بیٹا۔ امتحان ششماہی[1] قریب ہے اُسی کے
واسطے کچھ تیاری کر رہا ہوں دن تھوڑے سے رہ گئے اور کتابیں دیکھنے
کو بہت باقی ہیں۔ ہر چند ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو گھر پر کتاب دیکھا کروں
مگر نہیں بن پڑتا۔ لوگ جو بھائی جان کے پاس آکر بیٹھتے ہیں ایسی اُدھم[2] مچاتے
ہیں کہ طبیعت اچاٹ[3] ہو کر چلی جاتی ہے۔ باپ۔ پھر تم کچھ اس کا انسداد
نہیں کرتے۔ بیٹا۔ اس کا انسداد میرے اختیار سے خارج ہے۔ اور رات
رائگاں[4] جاتی ہے۔ دن کو البتہ میں نے مکان کا رہنا چھوڑ دیا صبح ہوئی
اور اپنے کسی ہم جماعت کے یہاں چلا گیا۔ باپ۔ اور بڑے امتحان کے
واسطے بھی تم کچھ تیاری کر رہے ہو۔ بیٹا۔ ابھی اس کے بہت دن پڑے
ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر دیکھا جائے گا۔ باپ۔ کیا اس کا کوئی وقت
مقرر ہے۔ بیٹا۔ جناب بڑے دن[5] کی تعطیل کے قریب ہوا کرتا ہے۔

---

[1] چھ ماہی ۱۲ [2] غل شور ۱۲ [3] اچٹنے سے نکلا ہے یعنی برداشتہ ۱۲ [4] ضائع۔ بیکار ۱۲
[5] ہر برس ۲۵ دسمبر کو انگریزوں کا بڑا دن ہوتا ہے۔ اس تیوہار کی چھٹی بھی بڑی ہوتی ہے کیونکہ آخیر سال
ہوتا ہے اور دن بھی بڑھنا شروع ہو جاتا ہے ۱۲

باپ۔ نہیں نہیں تمنے میری مراد کو نہیں سمجھا میں حسابِ آخرت کو بڑا امتحان کہتا ہوں۔ کیا وہ بڑا امتحان نہیں ہے علیم باپ کا مُنھ دیکھنے لگا تو پھر باپ نے کہا کیا تم حسابِ آخرت کو بڑا امتحان نہیں سمجھتے یا تم کو اس میں کچھ کلام ہے علیم۔ کیوں نہیں، سچ پوچھیے تو سب سے بڑا سخت امتحان وہی ہے۔ باپ۔ تو جب میں تمھارے اِن دُنیاوی چھوٹے چھوٹے امتحانوں کی خبر رکھتا ہوں تو کیا اس بڑے سخت امتحان کی نسبت میں نے تم سے پوچھا تو کیا بیجا کیا۔ بیٹیا۔ جناب میں تو نہیں کہتا کہ آپ نے بے جا کیا ایسا کہنا میرے نزدیک گستاخی اور گناہ دونوں ہیں۔
باپ۔ اچھا تو میں سُننا چاہتا ہوں کہ تم نے اس بڑے امتحان کے واسطے مطلق تیاری نہیں کی۔ باپ۔ کیا یہ غفلت نہیں ہے۔ بیٹیا۔ جناب غفلت بھی پرلے درجہ کی غفلت ہے۔ باپ۔ لیکن جب تم ایسے دانشمند ہو کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے امتحانوں کیلئے مہینوں اور برسوں پہلے سے تیاری کرتے ہو تو اُس سخت امتحان سے غافل رہنا بڑے تعجب کی بات ہے۔
بیٹیا۔ شامتِ نفس۔ باپ لیکن تمہاری غفلت کا کچھ اور بھی سبب ضرور ہوگا۔ سبب یہی ہے میری سہل انگاری۔ باپ۔ تم جواب دیتے ہو لیکن صرف لفظوں کو پھیر پھار کر میں تم سے غفلت کا سبب پوچھتا ہوں اور تم نے کہا سہل انگاری اور غفلت ایک چیز ہے تو گویا تم نے غفلت کو غفلت کا سبب کہا۔ بیٹیا۔ شاید گھر میں دینداری کا چرچا نہ ہونے سے

ا؎ غفلت سے بے پروائی ۱۲

میری غفلت کو ترقی ہوئی ہو۔ باپ۔ بے شک یہی سبب ہے تمہاری غفلت کا۔ اور میں نے تم سے کھود کھود کر اس لیے دریافت کیا کہ تمہاری غفلت میری بے پروائی کی وجہ سے ہے اس کا الزام مجھ پر ہے۔ اور ضرور ہے کہ میں تمہارے رُوبرو اُس کا اقرار کروں اور تم چھوٹے ہو کر مجھ کو ملامت کرو۔ بیٹا۔ نہیں جناب قصور سراسر میرا ہے مجھ کو خدا نے اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل دی تھی کہ مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور میرے پیدا کرنے سے صرف یہی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ میں جانوروں کی طرح کھانے اور پانی سے اپنا پیٹ بھر کر سو رہا کروں۔ باپ۔ تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہاری دینی معلومات بھی کم درجے کی نہیں ہے لیکن نہ تو دین کے مسائل[۱] میں نے تم کو خود سکھائے نہ ان کے سیکھنے کی کبھی تاکید کی۔ مدرسے میں تاریخ[۲] جغرافیہ[۳] نہ ہندسہ[۵] و ریاضی[۴] کے سوائے کوئی دوسری چیز پڑھاتے نہیں پھر تم نے دینی معلومات حاصل کی تو کہاں سے کی۔ بیٹا۔ اس میں شک نہیں کہ میں نے چھوٹی سی عمر میں قرآن پڑھا تھا۔ لیکن وہ دوسرے[۶] ملک کی زبان میں ہے۔ طوطے کی طرح

۱؎ مسئلے۔ یعنی باتیں، احکام ۱۲ ۲؎ جن کتابوں میں پچھلے لوگوں خاص کر بادشاہوں کے حالات ہوں تاریخ کی کتابیں کہلاتی ہیں ۱۲ ۳؎ روئے زمین کے حالات ۱۲ ۴؎ حساب ۱۲ ۵؎ وہ علم جس کے جاننے سے سڑکوں اور نہروں کا نکالنا مکانوں پلوں اور قلعوں کا بنانا اور اسی قسم کی اور بہت باتیں آجاتی ہیں ۱۲ ۶؎ یعنی ملک عرب ۱۲

اوّل سے آخر تک پڑھ گیا مطلق سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا لکھا ہے اور کیا اس کا مطلب ہے پھر مکتب میں گیا تو وہاں بھی کوئی دین کی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا قصے کہانی ان میں بھی اکثر بُری بُری باتیں یہاں تک کہ جن دنوں میں بہار دانش پڑھتا تھا ایک پادری صاحب چاندنی چوک میں سر بازار وعظ کہا کرتے تھے۔ مکتب سے آتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر میں بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پادری صاحب کے ساتھ کتابوں کا بھی ایک بڑا بھاری ذخیرہ[۱] رہتا تھا۔ اور اکثر لوگوں کو اس میں سے کتابیں دیا کرتے تھے۔ ہمارے مکتب کے بھی کئی لڑکے کتابیں لائے تھے۔ انھوں نے کتاب کی جلد تو اکھاڑ لی اور ورقوں کو یا تو پھاڑ کر پھینک دیا یا پٹھے[۲] بنا لئے۔ کتابوں کی عمدہ عمدہ جلدیں دیکھ کر مجھ کو بھی لالچ آیا اور میں[۳] نے کہا چلو ہم بھی پادری صاحب سے کتاب مانگیں مکتب سے اُٹھ میں سیدھا پادری صاحب کے پاس چلا گیا۔ بہت سے لوگ ان کو گھیرے ہوئے تھے۔ اُن میں ہمارے مکتب کے بھی دو چار لڑکے تھے۔ لوگ اُن کے ساتھ کچھ مذہبی بحث کر رہے تھے اُس کو میں نے خوب نہیں سمجھا۔ مگر ایک بات تھی کہ اکیلے پادری صاحب ایک طرف تھے اور ہندو مسلمان سیکڑوں

---

۱ یعنے بہت سی کتابیں جمع کی ہوئی ان کے ساتھ رہتی تھیں ۱۲ ۲ موٹی سی وصلی ۱۲

۳ یعنے اپنے جی میں ۱۲

آدمی ایک طرف۔ لوگ اُن کو بہت سخت سخت باتیں بھی کہتے تھے کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور لڑ پڑتا مگر پادری صاحب کی پیشانی پر چین[1] بھی تو نہیں آتی تھی۔ سخت بات سُن کر الٹے مُسکرا دیتے تھے لڑکے ایک شیطان[2] ہوتے ہیں تھوڑی دیر تک تو کھڑے سنتے رہے۔ چلنے لگے تو اُن میں سے ایک نے کہا لُوتُو[3] ہے بے لُوتُو ہے۔ اس کی یہ بات سب لوگوں کو ناگوار ہوئی اور دو چار آدمیوں نے اُس کو مارنے کو تھپڑ بھی اٹھائے۔ پادری صاحب نے رُوکا اور منع کیا کر خبردار اس سے کچھ مت بولو۔ لُوتُو موتی[4] کو بھی کہتے ہیں شاید اس نے یہ سمجھ کر کہا ہو تو اس کو انعام دینا چاہیے۔ پادری صاحب کی اس بات نے مجھ پر کیا شاید سب لوگوں کے دل پر بڑا ہی اثر کیا۔ اور جب شام ہوئی لوگ رخصت ہوئے تو کئی آدمی آپس میں کہتے جاتے تھے کہ بھائی اس شخص کا عقیدہ چاہے کیسا ہی ہو لیکن حلم اور بردباری یہ صفت تو اس میں اولیا اللہ[5] کی سی ہے،، غرض پادری صاحب تو وعظ میں مصروف تھے اور میں تاک میں تھا۔ کہ ذرا بھیڑ کم ہو یا پادری صاحب کا سلسلۂ سخن منقطع[6] ہو تو کتاب مانگوں۔

---

[1] پیشانی میں شکن پڑنا خفگی کی تمہید ہوئی ہے مطلب یہ کہ ان کو غصہ نہیں آتا تھا ۱۲

[2] شریر ۱۲ [3] مراد ہے مسخرہ ۱۲ [4] یعنی عربی زبان میں ۱۲ [5] اللہ کے مقبول بندے ۱۲

[6] یعنی اس کی بات کی لڑی ٹوٹے اور ذرا چپ کرے ۱۲۔

لیکن نہیں معلوم پادری صاحب کو میرے عباسے[1] یا کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں ان سے کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ ہی پوچھا کہ صاحبزادے تم کچھ مجھ سے کہو گے۔ میں نے کہا کہ آپ سب لوگوں کو کتابیں دیتے ہیں ایک کتاب مجھ کو بھی دیجئے۔ پادری صاحب۔ بہت خوب اس الماری میں سے تم ایک کتاب پسند کر لو۔ میں نے سنہری جلد کی ایک بڑی موٹی سی کتاب چھانٹی تو پادری صاحب نے کہا کہ مجھ کو اس کے دینے میں تو کچھ عذر نہیں لیکن تم اس کو پڑھ بھی سکو گے۔ کون سی کتاب تم پڑھتے ہو۔ میں نے کہا بہار دانش پادری صاحب۔ بھلا تمھارا آج کا سبق میں بھی سنوں۔ میں نے جزدان[2] میں سے کتاب نکال پڑھنا شروع کیا۔ اس دن کا سبق کمبخت ایسا فحش اور بیہودہ تھا کہ لوگوں کے مجمع میں مجھ کو پڑھنا دشوار تھا بمشکل دو تین سطریں میں نے پڑھی ہوں گی۔ پادری صاحب نے فرمایا بے شک تم نے جو کتاب پسند کی ہے بخوبی پڑھ سکو گے اور وہ کتاب میں تم کو خوشی سے دیتا ہوں لیکن میں افسوس کرتا ہوں کہ کیوں میں نے تم سے ایسی کتاب پڑھنے کو کہا جس کے پڑھنے سے تم اور سننے سے میں اور یہ سب صاحب جو کھڑے ہوئے ہیں خدا کے گنہگار ہوئے خدا ہم سب کی خطا کو معاف کرے اور تم چاہے میری دوسری بات مانو یا نہ

---

[1] چہرے کی نقاب ۱۲ [2] کتابوں کے رکھنے کا تھیلہ ۱۲

مانو لیکن اس کتاب کو ضرور چھوڑ دو کہ اس کا مطلب تمہارے مذہب کے بھی خلاف ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا تمہارے حق میں بہت بہتر ہے یہ کتاب جو تم پڑھتے ہو تم کو گناہ اور برائی سکھاتی ہے بداخلاقی[1] اور بے حیائی کی خراب راہ دکھاتی ہے۔ باوجودیکہ لوگ پادری صاحب کی ہر ہر بات کو کاٹتے تھے مگر اس کو سب نے تسلیم کیا۔ پادری صاحب سے جو کتابیں مانگ کر لایا اس کا نام تو مجھ کو معلوم نہیں مگر سلیس[2] اردو میں کسی خدا پرست اور پارسا آدمی کے حالات تھے اگرچہ فی الواقع میں اس کتاب کو جلد ہی کے لالچ سے لایا تھا لیکن میں نے کہا کہ لاؤ دیکھوں تو اس میں لکھا کیا ہے چنانچہ میں نے اس کو دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں میں اس کو پڑھتا جاتا تھا میرا دل اس میں لگتا تھا اور اس کی باتیں مجھ کو بھلی معلوم ہوتی جاتی تھیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا طرز زندگی جانوروں سے بدتر ہے اور میں روئے زمین پر بدترین مخلوقات ہوں۔ اکثر اوقات مجھ کو اپنی حالت پر رونا آتا تھا اور گھر والوں کا نیک[3] تیرہ[4] دیکھ دیکھ کر مجھ کو ایک وحشت ہوتی تھی یا تو میری یہ کیفیت تھی کہ مصیبت مند لوگوں کو دیکھ کر ہنسا کرتا تھا یا اس کتاب کی برکت سے دوسروں کی تکلیف کو میں اپنی تکلیف سمجھنے لگا

---

[1] یعنی بُری عادتیں اختیار کر لینے کی ۱۲ [2] صاف آسان ۱۲ [3] درویش نیک ۱۲ [4] طور طریقہ ۱۲

مکتب اور بہار دانش دونوں کو تو میں نے اسی دن سلام[1] کیا تھا جس روز
کہ پادری صاحب نے مجھ کو نصیحت کی۔ گھر میں اکیلا پڑا ہوا دن بھر اس کتاب
کو دیکھا کرتا۔ مکتب کے لڑکے چند بار[2] مجھے بلانے آئے مگر میں نہ گیا۔ آخر
خود میاں جی[3] صاحب تشریف لائے اور میں نے جی مضبوط کر کے ان سے
صاف کہہ دیا کہ مجھ کو پڑھنا منظور نہیں۔ آپ ان دنوں دکن میں تشریف رکھتے
تھے۔ ایک روز نصیبوں کی شامت میں نہیں معلوم کہاں چلا گیا میری غیبت[4]
میں وہ کتاب کہیں بھائی جان کی نظر پڑ گئی اور شب[5] برات کے کوئی چار یا
پانچ دن باقی تھے بھائی جان کو پٹاخوں[6] کے واسطے ردی[7] درکار تھی۔
بے تامل کتاب کو چیر پھاڑ برابر کر دیا میں نے آ کر دیکھا بہتیرا سر پٹکا[8] کیا ہونا
تھا۔ دوڑا ہوا چوک گیا کہ پادری صاحب ہوں تو دوسرا نسخہ[9] لاؤں۔ مگر معلوم ہوا
کہ صاحب آگرے چلے گئے میں کف افسوس[10] مل کر رہ گیا۔

---

[1] مراد یہ ہے کہ چھوڑ دیا جیسے کوئی سلام کر کے رخصت ہو ۱۲ [2] کئی دفعہ ۱۲ [3] مکتب کے استاد ۱۲ [4] پیٹھ پیچھے ۱۲ [5] مسلمانوں کا مشہور تیوہار جس میں آتشبازی چھوڑی جاتی ہے رمضان سے دو ہفتہ پہلے ۱۲ [6] ایک قسم کی آتشبازی کارتوس کی طرح کاغذ میں بارود بند کی ہوئی۔ بارود کو آگ لگانے سے پٹاخا آواز دیتا ہے ۱۲ [7] بے کار کاغذ ۱۲ [8] جھنجھلایا خفا ہوا ۱۲ [9] نقل یعنی ویسی ہی دوسری کتاب ۱۲ [10] یعنی افسوس کے مارے بہتیرے ہاتھ ملے ۱۲

بھائی صاحب کے دوستوں سے شکایت کی تو انھوں نے کہا میاں شکر کرو کر وہ کتاب پھٹ گئی۔ نہیں تو تم کرسٹان ہی ہو گئے ہوتے۔ یہ جواب سُن کر تو مجھ کو ایک نئی حیرت پیدا ہوئی کہ اگر کرسٹان ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کا حال میں نے اُس کتاب میں پڑھا تو اُن کو برا سمجھنا کیا معنے۔ خیر چندے یہ خیالات رہے۔ اُس کے بعد تو میں مدرسے میں داخل ہوا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ اگر آپ کے نزدیک میرے خیالات دین و مذہب سے کچھ علاقہ رکھتے ہیں تو یہ صرف اُس کتاب کا اثر ہے ورنہ دین کا کوئی رسالہ بھی مجھ کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ باپ۔ اہل اسلام اور عیسائیوں کے معتقدات[1] میں کچھ اختلاف ہے مگر پھر بھی جسقدر کہ عیسائیوں کا مذہب اسلام سے ملتا ہوا ہے اتنا کوئی دوسرا مذہب نہیں ملتا۔ قرآن میں کئی جگہ عیسائیوں اور ان کے بزرگانِ دین قسیسوں[2] اور راہبوں[3] کی تعریف آئی ہے۔ عیسائیوں کی نرم دلی اور خاکساری[4] کی مدح کی ہے۔ ان کی انجیل[5] کلام الہی ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ مواکلت[6] درست۔ مناکحت[7] روا۔ غرض اس قدر مغایرت کہ اہل اسلام

---

[1] عقیدے مذہبی خیالات ۱۲ [2] عیسائیوں کے مولوی ۱۲ [3] عیسائی درویش تارک الدنیا ۱۲ [4] عاجزی و فروتنی ۱۲ [5] عیسائیوں کی آسمانی کتاب کا نام ہے ۱۲ [6] ساتھ کھانا ۱۲ [7] آپس میں شادی بیاہ کرنا ۱۲

عیسائیوں کے ساتھ برتتے ہیں میں اس کو ٹھیک نہیں سمجھتا یہ اس ملک کے ہندوؤں کے اختلاط[1] کا اثر ہے افسوس ہے ہم مسلمانوں پر کہ ایسا عمدہ اور پاکیزہ اور مکمل اور بدیہی[2] مذہب رکھ کر مطلقاً اس کی قدر نہیں کرتے۔ پادریوں کا سا اہتمام تو کہاں نصیب ہوتا تھا اتنی بھی توفیق نہیں کہ اپنی اولاد کے دین و مذہب کی تو خبر رکھیں۔ اولاد تو اولاد سے اپنے ہی مذہب کا ٹھکانا نہیں نام کے مسلمان اور عمل دیکھو تو بدتر از شیطان۔ میں کسی دوسرے کو کیا الزام دوں کہ میں آپ سب سے بدتر نکمّا ہوں کیا یہ کچھ تھوڑی بات ہے کہ تمہاری اتنی عمر ہونے آئی اور بہتیرا ہی کچھ لکھا پڑھا بھی مگر دین کی ایک ہی کتاب تمہاری نظر سے گزری وہ بھی عیسائیوں کی اور اتفاقیہ طور پر۔ خیر بہر کیف اس وقت جو ضرورت مجھ کو در پیش ہے یقین ہے کہ تمہارا اس کتاب کا دیکھ لینا بھی اس میں بہت کام آئے گا۔ ہمدردی کی جیسی کچھ تاکید ہے تم نے اُس اس کتاب میں دیکھا ہوگا۔ بٹیا۔ اگر وہ مذہبی کتاب تھی تو میں جانتا ہوں کہ خاکساری و ہمدردی شرطِ عیسائیت ہے۔ باپ شرطِ عیسائیت کیسی بلکہ شرطِ انسانیت ہے۔

---

[1] میل جول ۱۲ [2] ظاہر جس کو بے دلیل ہر شخص مان لے ۱۲۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت[1] کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیان[2]

لیکن میں تم سے سُننا چاہتا ہوں کہ تم اس فرض کی تعمیل کہاں تک کرتے ہو۔
بیٹا۔جناب شاید اگر میں اس کو ہمدردی کہہ سکوں تو مدرسے کا جو لڑکا مجھ سے
کچھ پوچھنا یا پڑھنا چاہتا ہے میں اُس میں مطلق دریغ نہیں کرتا گو میرا ذاتی حرج
بھی ہوتا ہو۔ امتحان سالانہ میں مجھ کو نقد روپے ملے تھے میں نے ایک پیسہ
اپنے اوپر خرچ نہیں کیا محلے میں چند آدمی رہتے ہیں جن کو میں محتاج سمجھتا ہوں
وقتاً فوقتاً اُن کو اُس میں سے دیتا رہا بلکہ ایک مرتبہ میں ایک دقت[3] میں مبتلا
ہو گیا تھا۔ باپ۔ وہ کیا۔ بیٹا۔ ایک مرتبہ عید کو ایک بڑی بھاری ٹوپی
مجکو اماں جان نے بنا دی تھی۔ وہی ٹوپی اوڑھے ہوئے میں خالہ جان
کے یہاں جاتا تھا میاں مسکین کے کوچہ میں پہنچا تو بہت سے چپراسی پیادے
ایک گھر کو گھیرے ہوئے تھے اور بہت سے تماشائی بھی وہاں جمع تھے یہ دیکھ
کر میں بھی لوگوں میں جا گھسا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت غریب بوڑھی سی عورت
ہے چھوٹے چھوٹے کئی بچے سرکاری پیادے اس کے میاں کو پکڑے لئے
جا رہے ہیں اس واسطے کہ اُس نے کسی بنئے کے یہاں سے ادھار کھایا تھا۔

---

[1] بندگی۔ عبادت ۱۲ [2] فرشتے ۱۲ [3] مشکل ۱۲

اور بنیے نے اُس پر ڈگری جاری کرائی تھی۔ وہ مرد کہتا تھا قرضہ واجب ہے
مگر میں کیا کروں اس وقت بالکل تہی دست[1] ہوں۔ ہرچند اس بیچارے نے
بنیے کی اور سرکاری پیادوں کی بہتیری خوشامد کی مگر نہ بنیا مانتا تھا نہ پیادے
باز آتے تھے اور پکڑے لئے چلے جاتے تھے لوگ جو وہاں کھڑے تھے انھوں
نے بھی کہا لالہ جی اں تم نے اتنے دنوں صبر کیا دس پانچ روز اور صبر کر جاؤ تو
بنیا بولا ابھی کہی میاں جی اچھی کہی برسوں کا نانواں[2] اور روز[3] کی ٹال مٹول
بھگوان جانے ابھی تو کھان[4] صاحب کی اجّت[5] اتروائے لیتا ہوں۔ وہ شخص
جس پر ڈگری جاری تھی غریب تو تھا لیکن غیرت مند بھی تھا۔ بنیے نے جو عزّت
اتروانے کا نام لیا سرخ[6] ہو گیا اور گھر میں گھس تلوار میان سے نکال چاہتا
تھا کہ بنیے کا سر الگ کر دے کہ اس کی بیوی اس کے پیروں میں لپٹ گئی اور
رو کر کہنے لگی خدا کے لئے کیا غضب کرتے ہو یہی تمہارا غصّہ ہے تو پہلے مجھ پر
بچوں پر ہاتھ صاف کرو کیوں کہ تمہارے بعد ہمارا تو کہیں بھی ٹھکانا نہیں۔
ماں کو روتا دیکھ بچے اس طرح ڈاڑھیں[7] مار مار کر روئے کہ میرا دل ہل گیا
اور زور زور کر سب کے سب باپ کو لپٹ گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر خان صاحب

---

۱ خالی ہاتھ یعنی مفلس ۱۲ ۲ مراد ہے اُن کے نام لکھا ہوا قرضہ ۱۲ ۳ روز ۱۲ ۴ خان صاحب ۱۲
۵ عزّت ۱۲ ۶ مارے غصّے کے ۱۲ ۷ پکار کر رونے کو ڈاڑھیں مارنا کہتے ہیں ۱۲

بھی ٹھنڈے[1] ہوئے اور تلوار کو میان کر کھونٹی سے لٹکا دیا اور بی بی سے کہا اچھا تو نیک بخت پھر مجھ کو اس بے عزتی سے بچنے کی کوئی تدبیر بتا۔ بی بی نے کہا بلا سے جو چیز گھر میں ہے اس کو دے کر کسی طرح اپنا پنڈ[2] چھڑاؤ تم کسی طرح رہ جاؤ پھر جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔ توا۔ چکی پانی پینے کا کٹورا۔ نہیں معلوم کن وقتوں کی ہلکی بے قلعی کی دو پتیلیاں بس یہی اس گھر کی کل کائنات تھی۔ چاندی کی دو دو چوڑیاں لیکن ایسی پتلی جیسے تار اُس نیک بخت عورت کے ہاتھوں میں تھیں۔ یہ سب سامان خاں صاحب باہر لا کر اُس بنیئے کے روبرو رکھ دیا۔ اوّل تو بنیا اُن چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا لوگوں نے بہت کچھ کہا سُنا یہاں تک کہ اُن سرکاری پیادوں کو بھی رحم آیا اُنھوں نے بھی بنئے کو سمجھایا۔ بارے خدا خدا کر کے وہ اس بات پر رضا مند ہوا کہ پانچ روپے اصل اور دو روپے سود ساتوں کے ساتوں لے کر فارغ خطی[3] لکھ دے۔ لیکن خاں صاحب کا کُل اثاثہ[4] چار ساڑھے چار سے زیادہ کا نہ تھا۔ تب پھر گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ڈھائی روپے کی کسر[5] رہ گئی ہے تو بی بی نے کہا اب تو کوئی چیز بھی میرے پاس نہیں۔ ہاں لڑکی کے

---

[1] غصہ دھیما پڑا ۱۲ [2] پیچھا ۱۲ [3] موجودات ۱۲ [4] کاغذ جس میں لکھا ہوتا ہے کہ اب ہمارا لینا کچھ باقی نہیں ۱۲ [5] سامان ۱۲ [6] کسر ۱۲

کانوں میں چاندی کی بالیاں ہیں دیکھو جو اِن کو ملا کر لو پوری پڑے۔ وہ لڑکی کوئی چھے برس کی تھی بس بعینہٖ جتنی ہماری حمیدہ۔ ماں جو لگی اُس کی بالیاں اتارنے تو وہ لڑکی اس حسرت[1] کے ساتھ روئی کہ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے دل میں کہا کہ الٰہی اِس وقت مجھ سے کچھ بھی اِس کی مدد نہیں ہو سکتی۔ فوراً خیال آیا کہ ایک روپیہ اور کوئی دو آنے کے پیسے تو نقد میرے پاس ہیں۔ دیکھوں ٹوپی بک جائے تو شاید خاں صاحب کا سارا قرضہ چک[2] جائے۔ بازار تو قریب تھا ہی فوراً میں گلی کے باہر نکل آیا۔ رومال تو سر کو لپیٹ لیا۔ اور ٹوپی ہاتھ میں لے ایک گوٹے والے کو دکھائی اس نے چھے[3] کی آنکی۔ میں نے بھی چھ سنتے ہی کہا لا بلا سے چھے ہی دے۔ غرض چھے وہ اور ایک میرے پاس نقد تھا ہی ساتوں روپے لے میں نے چپکے سے اُس عورت کے ہاتھ پر رکھ دیئے تب تک پیادے خاں صاحب کو گرفتار کر کے لیجا چکے تھے۔ اور گھر میں رونا پیٹنا مچ رہا تھا۔ دفعتہً[4] پورے سات روپے ہاتھ میں دیکھ اس عورت پر ایک شادی مرگ[5] سی کیفیت طاری[6] ہو گئی اور اس خوشی میں اس نے کچھ نہیں سوچا کہ یہ روپیہ کیسا ہے اور کس نے دیا ہے فوراً اپنے ہمسائے

---

[1] افسوس ۱۲ [2] تمام و کمال ادا ہو جائے ۱۲ [3] یعنی ٹوپی کو چھ روپے کا جانچا ۱۲ [4] یکایک ۱۲ [5] دفعتاً خوشی پہنچنے سے مر جانا ۱۲ [6] چھا گئی ۱۲۔

کو روپے دے کر دوڑایا اور خود بچوں سمیت دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔
بات کی بات میں خانصاحب چھوٹ آئے تو بچوں کو کیسی خوشی کر گودیں اور
اُچھلیں، کبھی باپ کے کندھے پر اور کبھی ماں کی گود میں اور کبھی ایک پر ایک
اب اس عورت کو میرا خیال آیا اور بچوں سے بولی کمبختو! کیا ادھم مچائی ہے
(اور میری طرف اشارہ کر کے کہا) دیکھو اس اللہ کے بندے کی جان اور مال
کو جس نے آج باپ کی اور تم سب کی جانیں رکھ لیں۔ نہیں۔ ٹکڑا بھی مانگنا نہ
ملتا۔ کوئی چچا یا ماموں بیٹھا تھا کہ اس کو تمہارا درد ہوتا اور اس مصیبت کے
وقت تمہاری دستگیری کرتا صرف ایک باپ کے دم کا سہارا ہے کہ اللہ رکھے
اس کے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں تو محنت سے مزدوری سے خدا کا شکر ہے روکھی
سوکھی روز کے روز دو وقت نہیں تو ایک وقت ملے تو جاتی ہے۔ ہمارے
حق میں تو یہ لڑکا کیا ہے۔ رحمت کا فرشتہ ہے۔ نہ جان نہ پہچان نہ رشتہ
نہ ناتہ اور اس اللہ کے بندے نے بھر مٹھی روپے دے کر آج ہم سب کو
نئے سر سے زندہ کیا وہ بچے جس شکر گزاری کی نظر سے مجھ کو دیکھتے تھے
اس کی مسرت اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں روپیہ خرچ کرنے کے بعد
مجھ کو عمر بھر ایسی خوشی نہیں ہوئی جیسی کہ اُس دن تھی۔ مگر دونوں میاں بی بی

۱؎ غل، شور ۱۲ ۲؎ لفظی معنے ہاتھ پکڑنا مراد ہے مدد کرنا ۱۲ ۳؎ خوشی ۱۲

کے ذہن میں اُس وقت تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں نے روپیہ ان کو دیدیا وہ
سمجھے تھے کہ قرض کے طور پر دیا ہے میں تو کھسکنے[1] کو تھا مگر وہ عورت زبردستی
مجھکو اپنے گھر میں لے گئی اور ٹوٹی سی ایک چوکی پڑی تھی میں ہرچند منع کرتا رہا
جلدی سے اُس کو اپنے دوپٹے سے جھاڑ مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میاں
سے بولی نوج[2] کوئی تم جیسے بیخبر ہو۔ کھڑے کیا ہو جاؤ ایک گلوری[3] بازار سے
میاں کے لیے بنوا لاؤ۔ میں نہیں میں پان نہیں کھاتا۔ تکلف مت کرو
عورت بیٹا تمھاری خدمت میں اور ہم کو تکلیف۔ جی چاہتا ہے کہ آنکھیں تمہارے
تلوؤں میں بچھادوں۔ قربان اس پیاری پیاری صورت کے نثار[4] اس بھولی
بھولی شکل کے۔ بیٹا تم یہ بتاؤ کہ تم ہو کون۔ میں۔ میری خالہ صابر بخش کی
سرائے میں رہتی ہیں۔ عورت پھر بیٹا یہ اپنا روپیہ تم ہم سے کب لوگے۔ ہم
اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹیں گے اور تمہارا قرضہ سب سے پہلے ادا کریں گے
مگر کام ان دنوں مندا[5] ہے۔ دینگے تو ہم جس طرح بن پڑے گا دو ہی مہینے
میں مگر جہاں تم نے اتنی مہربانی کی ہے اللہ اتنا سلوک اور کرو کہ دو روپے
مہینہ قسط کا لے لیا کرو۔ میں۔ آپ روپے کے ادا کرنے کا کچھ فکر

---

[1] چپکے سے چل دینا ۱۲ [2] عورتیں کہا کرتی ہیں شاید نہ ہو جیسے کہ نوج میں بن گیا ہو ۱۲
[3] پان کا بیڑا ۱۲ [4] قربان ۱۲ [5] عربی میں اس کا ٹھیک ترجمہ کاسد یعنی کام چلتا نہیں ۱۲

نہ کیجیے میں نے لینے کی نیت سے نہیں دیا۔ یہ سُنکر تمام خاندان کا خاندان اتنا خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور میں اُن میں اُس وقعت[1] کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جیسے خوش دل اور شکر گزار رعایا میں کوئی بادشاہ یا حلقہ[2] مریداں ارادتمندیں[3] کوئی پیر و مرشد۔ اس عورت کے منہ سے مارے خوشی اور شکر گزاری کے بات نہیں نکلتی تھی بار بار میری بلائے لیتی تھی اور میرے ہاتھوں کو چومتی اور آنکھوں کو لگاتی تھی۔ اس کی بلائیں[4] میں رومال سر سے کھسک گیا تو اس نے دیکھا کہ میرے سر پر ٹوپی نہیں۔ پوچھا تو مجھ کو کہنا پڑا کہ وہی ٹوپی بیچ کر میں نے روپیہ دیا پھر تو اس کا یہ حال تھا کہ بچھی[5] جاتی تھی۔ سات روپے کی بھی کچھ حقیقت تھی مگر اس نے مجھ کو سینکڑوں ہزاروں ہی دعائیں دی ہوں گی۔ اس نے جتنی احسان مندی ظاہر کی میں الٹا اسی کا ممنون[6] ہوا۔ جس قدر وہ خوش آمد کرتی تھی میں شرمندہ ہوتا تھا۔ اور جتنا وہ عاجزی سے پیش آتی تھی میں زمین[7] میں گڑا جاتا تھا غرض میں وہاں سے رخصت ہوا تو ٹوپی نہ ہونے کی وجہ سے سیدھا گھر لوٹ آیا عین گلی میں بھائی جان سے ملاقات ہوئی انھوں نے میری ہیئت[8] کذائی۔

---

[1] گھیرا جیسے شاگرد استاد کے پاس گھیرا باندھ کر بیٹھتے ہیں ۱۲ [2] اگر زید مثلاً خالد سے خدا کی راہ کی تعلیم پائے تو زید مرید اور خالد پیر ۱۲ [3] عقیدتمند ۱۲ [4] یعنی خوشامد کے مارے جھکی جاتی تھی ۱۲ [5] احسانمند ۱۲ [6] یعنی مارے شرمندگی کے ۱۲ [7] صورت موجودہ کہ ننگے سر چلا جا رہا تھا ۱۲

دیکھ کر تعجب کیا اور پوچھا کہ ایں کیا ٹوپی کے بدلے چنے لے کھائے۔ میں نے
کچھ جواب نہیں دیا اسواسطے کہ مجھ کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ شام
کو بھائی جان سے اور اماں جان سے تکرار ہوئی بھائی جان کچھ روپے مانگتے
تھے اور اماں جان کہتی تھیں بیٹا ان فضول خرچیوں سے گھر کے دن چلے گا۔
لو پرسوں میں نے تم کو چار روپے دیئے تم نے چاروں کے چاروں برابر[۱]
کئے۔ ناخن بھر چیز تم گھر میں لائے ہو تو بتا دو۔ اتنا چٹورپن ایسا اسراف[۲]۔
بھائی جان نے کہا میں چٹورا نہیں ہوں چٹورے تمہارے منجھلے صاحب زادے
ہیں جن کو تم بڑا مولوی سمجھتی ہو کہ سر کی ٹوپی تک بیچ کر کھا گئے۔ اماں جان
نے مجھ کو بلا کر پوچھا۔ میں نے کہا اگر بیچ کر کھا جانا ثابت ہو جائے تو جو چور
کی سزا وہ میری سزا۔ اماں جان۔ پھر کیا کہیں کھو دی۔ میں۔ کھوئی بھی نہیں۔
اماں جان۔ بھائی تو تو عجب تماشہ کا لڑکا ہے۔ بیچی نہیں۔ کھوئی نہیں۔ پھر
ٹوپی گئی تو کہاں گئی۔ میں۔ اگر آپ کو میری بات کا اعتبار ہے تو بس سمجھ لیجیے کہ
میں نے کہیں اس کو بے جا طور پر صرف نہیں کیا۔ اماں جان اگر یہی تمھارے
لچھن ہیں تو تم نے پڑھ لکھ کر ڈبو دیا۔ میں اس وقت عجیب مشکل میں مبتلا تھا۔
ظاہر کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

---

[۱] محاورے کا لفظ ہے معنی مقصود نہیں ۱۲ [۲] فضول خرچی ۱۲

اور بے ظاہر کئے بن نہیں پڑتی تھی مصرع

گوئیم[1] مشکل وگرنہ گویم مشکل

مگر مجھ کو یقین تھا کہ جب میرا معاملہ پاک صاف ہے تو گو بالفعل بھائی جان کے کہنے اور میرے چپ رہنے سے اماں جان کو ایک بد گمانی سی ہو گئی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ضرور اُن کے دل سے خدشہ[2] دفع[3] ہو ہی جائے گا اور کچھ نہ ہو گا تو میرے اگلے پچھلے فعلوں کو دیکھ کر اتنا بھی میں سمجھ لیں گی کہ بیٹیا بد راہ نہیں ہے۔ نہیں معلوم لوٹپی کا کیا بھید ہے۔ سو خدا کی قدرت ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ صالحہ بیمار پڑی تو اماں جان اُس کی عیادت[4] کو گئیں۔ میں اُن کے ساتھ تھا۔ ابھی اماں جان سواری سے نہیں اتری تھیں کہ ادھر سے وہی خانصاحب چلے آ رہے تھے مجھ کو دیکھ کر دور ہی سے دعائیں دینے لگے اور ایسے تپاک[5] اور دل سوزی کیا تھ میری خیر و عافیت پوچھی کہ جیسے کوئی اپنا بزرگ اور اپنا عزیز دریافت حال کرتا ہے۔ خیر میں نے مناسب حالت جواب دیا۔ اماں جان آخر یہ سب باتیں پردے کے اندر بیٹھی ہوئی سن رہی تھیں۔ اترتے کے ساتھ ہی مجھ سے پوچھا۔ حلیم یہ کون شخص تھا۔ جو تم سے باتیں کرتا تھا۔

---

[1] کہوں تو مشکل اور نہ کہوں تو مشکل ۱۲ [2] کھٹکا ۱۲ [3] دور ۱۲ [4] بیماری ۱۲

[5] پہلے درجہ کا شوق ۱۲

میں یہ ایک خاں صاحب ہیں اور میاں مسکین کے کوچے میں رہتے ہیں بس میں اسی قدر جانتا ہوں۔ اماں جان۔ لیکن یہ باتیں تو تم سے ایسے گرویدہ[1] ہو ہو کر کرتے تھے کہ گویا برسوں کی جان پہچان ہے میں۔ نہیں شاید ان کو میرا نام بھی معلوم نہیں۔ اماں جان۔ پھر تمہارے ساتھ ایسے خلوص[2] سے کیوں پیش آئے۔ میں بعض لوگوں کا دستور ہوتا ہے کہ ذرا سے تعارف[3] میں بھی بڑے تپاک[4] کے ساتھ پیش آیا کرتے ہیں۔ اگرچہ میرے جواب سے اماں جان کی تشفی[5] نہیں ہوئی مگر ان کو اندر جانے کی جلدی تھی چلی گئیں۔ خاں صاحب نے کہیں اپنے گھر میرا تذکرہ کیا۔ میں۔ تو گھر چلا آیا مگر غالب ہے کہ اُن کی بیوی اماں جان کے پاس گئیں اور میرے اُس ٹوپی بیچنے اور روپے دینے کا تمام ماجرا بیان کیا۔ پھر جو اماں جان آئیں تو مجھ سے کہنے لگیں علیم ہم نے تمہاری چوری آخر پکڑی پر پکڑی ہی۔ حیران ہو کر پوچھا کہ میری چوری۔ اماں جان۔ جی ہاں۔ چوری۔ میں۔ بھلا میں بھی سنوں۔ اماں جان۔ کیوں تم پہلے ٹوپی کا حال بتا لو۔ تب مجھ سے اپنی چوری کی حقیقت سنو! ۔ اتنا کہنے سے میں سمجھ گیا اور ہنس کر چپ ہو رہا۔ باپ۔ بے شک جتنی باتیں تم نے بیان کیں داخلِ ہمدردی ہیں۔ خصوصاً یہ خاں صاحب کا قصہ ہمدردی کی ایک اعلے درجہ کی مثال ہے۔ لیکن چشمے سے پہلے وہ

---

[1] ریجھا ہوا ۱۲ [2] سچی محبت ۱۲ [3] جان پہچان ۱۲ [4] تسلی ۱۲ [5] پانی کا سوتا ۱۲

مقامات سیراب[۱] ہو جانے چاہئیں جہاں سے وہ چشمہ نکلا ہے اسی طرح وہ پہلے اپنے عزیز و اقارب نیکی اور سلوک کے مستحق ہیں۔ بیٹا۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میرے قریب کے رشتہ دار میرے سلوک کے حاجتمند نہیں ہیں اور خدا نے ان کو مجھ سے بے نیاز[۲] اور مستغنی[۳] کیا ہے۔ باپ۔ کیا سلوک صرف روپے پیسے ہی کے دینے سے ہوتا ہے۔ بیٹا۔ میں تو ایسا ہی سمجھتا تھا۔ باپ نہیں جو جس چیز کا حاجتمند ہے اس کا رفع حاجت[۴] کرنا ہمدردی اور نفع رسانی[۵] ہے ہمارا خاندان دینداری سے بے بہرہ[۶] اور خدا شناسی سے بے نصیب ہے۔ اور شیوہ[۷] خدا پرستی میں ہر ہر متنفس کو تعلیم و تلقین کی حاجت اور وعظ و نصیحت کی ضرورت ہے۔ تم نے اس فرض کو ادا کرنا تو درکنار[۸] ابھی تک فرض ہی نہیں سمجھا۔ بیٹا۔ آپ بجا فرماتے ہیں۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ باپ۔ اور تم سے کہیں زیادہ غلطی میری ہے۔ بہرکیف اب بھی تلافی مافات[۹] کرنی ضرور ہے اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے گھر میں کسی کو لایعنی[۱۰] طور پر زندگی بسر کرنے دوں۔ اگرچہ میں اس بات کو نہایت حسرت اور افسوس کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ اب

---

[۱] یعنی ان مقامات کو پانی دیا جانا چاہیے ۱۲ [۲] وسیع ۳ بے پروا ۱۲ [۴] حاجت روا کرنا ۱۲ [۵] نفع پہنچانا ۱۲ [۶] بے نصیب [۷] طریقہ ۱۲ [۸] ایک طرف ۱۲ [۹] جو باتیں فوت ہو گئی ہاتھ سے جاتی رہی اس کا بدل ۱۲ [۱۰] بیہودہ ۱۲

اصلاح کا وقت باقی نہیں اور میرا عزم[1] بے ہنگام[2] ہے۔ لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں کامیابی کی بہت کچھ امید کرسکتا ہوں۔ بیٹیا۔ اِن شاءَ اللہ آپ مجھ کو نافرمان بیٹا اور ناخلف[3] فرزند نہیں پائیں گے۔ مگر مجھ کو حیرت ہی کہ میں آپ کی کیا مدد کرسکوں گا۔ باپ۔ تمھارا یہی مدد کرنا ہے کہ بس تم دینداری کا نمونہ بن جاؤ۔ اور اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تم نے بہ ضرورت امتحان موسمی توبہ کر رکھی ہے۔ لیکن مناسب ہے کہ گنجیفہ، شطرنج، کبوتر، کنکوا، بٹیر، مرغ تمام مشاغل لایعنی[4] کے ترک[5] کا عہد واثق[6] کرو۔ بیٹیا۔ یہ تو سراسر میری منفعت کی بات ہے اور اگر میں اس کسی طرح کا انکار کروں تو آپ کی نافرمانی اپنی خرابی خدا کا گناہ دنیا کی بدنامی عاقبت[7] کی رسوائی[8] کوئی پہلو بھی تو اچھا نہیں۔ اور اگر بالفرض آپ کوئی ایسی بات بھی فرماتے جس میں میرا نقصان ہوتا تاہم مجھ کو سوائے تعمیل ارشاد کیا چارہ[9] تھا۔ بندہ اور خدا غلام اور مالک۔ رعیت اور بادشاہ۔ نوکر اور آقا۔ شاگرد اور استاد۔ بیٹا اور باپ میں تو جانتا ہوں یہ سب کچھ ایک ہی طرح کی نسبتیں ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاءاللہ میرا طرز زندگی آئندہ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کو منظور ہے۔

---

[1] ارادہ ۱۲ [2] بیوقت ۱۲ [3] نالائق ۱۲ [4] بیہودہ مشغلے ۱۲ [5] چھوڑ دینا ۱۲
[6] پکا قول و اقرار ۱۲ [7] آخرت ۱۲ [8] فضیحت و بدنامی ۱۲ [9] علاج ۱۲

باپ بارک اللہ[1] وجزاک اللہ اب تم نے آج مجھ کو مطمئن[2] کرادیا خدا تم کو دنیا
اور دین دونوں میں سرخرو[3] رکھے۔ اچھا اب جاؤ اپنا کام کرو ذرا اپنے بڑے بھائی
کو میرے پاس بھیجدینا۔ بیٹا۔ شاید آپ یہی گفتگو ان سے کرنی چاہتے ہیں۔
باپ۔ ضرور۔ بیٹا۔ اگر بالمشافہہ[4] ان سے گفتگو نہ ہوتی تو میرے نزدیک بہتر
تھا۔ باپ۔ تمھارا خوف بیجا نہیں ہے۔ میں کئی کئی دن سے اس بات میں غور
کررہا ہوں۔ آخر کار یہی تجویز ٹھہری کہ ایک دفعہ مجھ کو رو در رو اتمام حجت[5] کر
دینا ضرور ہے

نصوح نے بڑے بیٹے کلیم کو بلایا اور ہرچند فہمیدہ اور علیم دونوں نے سمجھایا مگر وہ نہ آیا پر نہ آیا۔۔۔

غرض علیم رخصت ہو کر مردانے مکان میں گیا تو میاں کلیم کو پیام[6] طلب جا سنایا
کلیم کیا ہے۔ خیریت تو ہے۔ آجکل تو ہم لوگوں پر بڑی عنایت ہے۔ علیم۔

---

[1] خدا برکت دے اور اس کا بدلہ دے ۱۲ [2] یعنی اب میرے دل کو تسلی ہو گئی ۱۲ [3] مراد ہے
باآبرو ۱۲ [4] منہ در منہ ۱۲ [5] اپنی طرف سے اسکو سمجھا دینا کہ کل کو مجھ پر کوئی بات نہ آئے ۱۲ [6] بلانے
کا پیغام ۱۲

بھلا کبھی عنایت[1] نہیں بھی تھی۔ اتنے میں سلیم بھی دروازے سے نمودار[2] ہوا۔ مگر اس سے پہلے وہ اپنا سر منڈوا چکا تھا۔ اور اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ بڑے بھائی جان دیکھ لیں چاہتا تھا کہ چپکے چپکے دبے پاؤں[3] گھر میں گھس جائے۔ لیکن جوں ہی بیچارے نے دروازے کے اندر قدم رکھا تھا کہ کلیم نے آواز دی۔ سلیم تو بھائی کی آواز سن کر کانپ اٹھا اور سمجھا کہ[4] سر منڈاتے ہی اولے پڑے مگر منجھلے بھائی کو بیٹھا ہوا دیکھ کر کسی قدر دم میں دم[5] آیا۔ اور پاس آ کر بے پوچھے کہنے لگا کہ ابا جان کے حکم سے میں نے آج بال منڈا دیئے۔ بڑا بھائی (منجھلے کی طرف مخاطب ہو کر) دیکھئے مصرع

صورت یہ ہے[6] حالش مپرس

ایک شفقت[7] پدری تو یہ ہے کہ بیچارے کی اچھی خاصی صورت کو لیکر بگاڑ دیا اور برسوں کی کمائی خاک میں ملادی ؎

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھلی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

کیوں سلیم تمہارا دل تو بالوں کے واسطے بہت کڑھتا ہوگا۔ چھوٹا بھائی۔

---

۱ مہربانی ۱۲ ۲ ظاہر ۱۲ ۳ آہستہ کہ پاؤں کی آواز نہ نکلے ۱۲ ۴ یہ کہاوت ہے ۱۲
۵ ہمت بندھی ۱۲ ۶ صورت ہی دیکھ لو حال کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ۱۲ ۷ باپ کی محبت ۱۲

میں تو خود ایک مدت سے بالوں کے منڈوا دینے کی فکر میں تھا۔ بلکہ شاید آپ کو یاد ہوگا ایکمرتبہ سر کھول کر حجام کے روبرو بیٹھ گیا تھا۔ آپ خفا ہونے لگے تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ آہا اب مجھ کو یاد آیا کہ تمھارے ان چار یاروں نے جن کو میں مکر وفریب کے عناصر اربعہ[1] سمجھتا ہوں تم کو بہکایا تھا۔ بھلا ایسے کوڑ مغزوں[2] کو کالج میں پڑھنے سے فائدہ ؎

صحبت[3] عیسےٰ بنائے خر کو انسان کس طرح

تربیت سے واقعی نا اہل دانا کب بنے

چھوٹا بھائی۔ آپ ناحق ان بیچاروں کو برا کہتے ہیں۔ نہ ہی بات تو ابا جان نے بھی کہی۔ بڑا بھائی ابا جان نے ابھی بیماری سے اٹھ کر کہی یا کبھی پہلے بھی کہی تھی چھوٹا بھائی۔ نہیں پہلے تو کبھی کچھ نہیں کہا۔ بڑا بھائی پھر سمجھ لو کہ ابا جان کو خلل[4] دماغ ہے میں نے تو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ ڈاکٹر نے جو اسہال بند کرنے کی دوا دی ہے الخبرے[5] دماغ کو چڑھ گئے ہیں۔ منجھلا بھائی۔ یہ کیسی بات آپ کہتے ہیں۔ ابھی میں ابا جان کے پاس سے چلا آتا ہوں۔ دو گھنٹے تک برابر

---

[1] آب و خاک و باد و آتش چار عنصر کہلاتے ہیں جنکے ملنے سے دنیا کی کل چیزیں بنتی ہیں ۱۲ [2] احمق بیعقل ۱۲

[3] حضرت عیسیٰ کی سواری میں گدھا رہتا تھا تو شاعر کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے پاس رہنے سے گدھا بدستور گدھا رہا آدمی نہ بنا اسیطرح نالائق کو کتنا ہی تعلیم کرو کیا وہ دانا بن سکتا ہے ہرگز نہیں ۱۲ [4] جنون ۱۲ [5] بھاپ۔ پیٹ بھی گویا ایک طرح کی ہنڈیا ہے۔ جس سے بھاپ اٹھ کر سر کو چڑھتی ہے ۱۲

مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ میرے نزدیک تو ان کے خیالات پہلے سے کہیں عمدہ اور معقول ہو گئے ہیں۔ بڑا بھائی۔ سنتا ہوں کہ اِن دنوں نماز بہت پڑھا کرتے ہیں۔ منجھلا بھائی۔ تو کیا اسی کو آپ نے خللِ دماغ قرار دیا۔ بڑا بھائی۔ کیا خللِ دماغ کے سر[۱] میں سینگ لگے ہوتے ہیں۔ بیمار ہو کر اٹھے تھے کوئی بڑا بھاری جلسہ[۲] کرتے کہ شہر میں نام ہوتا۔ اٹھے بھی تو اونگھتے ہوئے دو چار مرتبہ میں نے ان کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ لوری جولاہا تو امام[۳] بنتا ہے اور محلّے کے سقّے حجام کنجڑے مسجد کے مسافر۔ اس قسم کے لوگ اس کے مقتدی[۴] ہوتے ہیں۔ اور ان ہی میں یہ حضرت بھی ہوتے ہیں۔ بھائی میں تو تم سے سچ کہوں یہ دیکھ کر مجھ کو اس قدر شرم آتی ہے کہ ہیں نے ادھر کا رستہ چلنا چھوڑ دیا اور یہ ملّا نے جو خدا کی قدرت ہمارے ابا جان کے ہمنشیں[۵] بنے ہیں اس قدر تو ذلیل اوقات ہیں کہ دعوت کے لقموں اور مسجد کی روٹیوں پر تو ان کی گذر ہے مگر مغرور بھی پرلے ہی سرے کے ہوتے ہیں۔ کبھی راہ میں مڈبھیر[۶] ہو جاتی ہے تو خیر یہ تو مجال نہیں کہ سلام نہ کریں لیکن اتنے بڑے ٹرّے کہ نہ بندگی نہ آداب نہ تسلیم دور ہی سے السلام علیکم کا پتھر کھینچ کر مارتے ہیں۔ ہاتھ یہ نہیں اٹھاتے سر یہ نہیں جھکاتے اور اس پر طرہ[۷] یہ کہ دس قدم

---

[۱] محاورہ ہے ۱۲ [۲] کلیم کی مراد ہے ناچ ۱۲ [۳] آگے کھڑا ہو کر جو شخص سب کو نماز پڑھائے ۱۲
[۴] امام کے پیچھے کھڑے ہو کر جو لوگ نماز پڑھیں ۱۲ [۵] پاس کے بیٹھنے والے ۱۲ [۶] آمنا سامنا ۱۲
[۷] زیادتی۔ اصل میں پھولوں کا گچھا جو پگڑی میں لٹکاتے ہیں ۱۲

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ پھیلا کر لپکتے ہیں مصرعہ

درازدستیِ این کوتہ آستیناں بیں[1]

سلیم تم کو صرف سر ہی منڈانے کا حکم تھا۔ یا نماز کی بھی ہدایت ہوئی ہے۔ چھوٹا بھائی۔ جناب نماز کے لئے تو سخت تاکید کی کہ خبردار کسی وقت کی قضا نہ ہونے پائے اور اس کے علاوہ کنکوا اڑانا۔ شطرنج کھیلنا۔ جانوروں کی لڑائی میں شریک ہونا۔ جھوٹ بولنا قسم کھانا۔ بیہودہ بات بکنا برے لڑکوں میں بیٹھنا۔ ان سب باتوں سے منع کیا ہے۔ بڑا بھائی۔ کیوں نہیں تم سے ایک ہی بات کہدی کہ مر رہو۔ منجھلا بھائی یہ جملہ سنکر بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا کیا آپ کے نزدیک ان شرطوں کی تعمیل کرنا اور مرنا دونوں برابر ہیں۔ بڑا بھائی۔ جب تمام کھیلوں کی ممانعت اور لوگوں سے ملنے اور بات کرنے کی بندش ہوئی تو تم ہی انصاف کرو کہ ایسے جینے اور مرنے میں کیا امتیاز ہو سکتا ہے۔

سہ زندگی زندہ دلی کا ہے نام مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

منجھلا بھائی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری بالفعل کی زندگی کی نسبت اس طرح کی زندگی میں جو ابا جان تعلیم کرتے ہیں روحی مسرت زیادہ ہے۔ اگرچہ میں

---

[1] ان چھوٹی آستین والوں کی درازدستی تو دیکھو۔ مولوی لوگ اونچی آستین رکھا کرتے ہیں کہ کپڑا کسی چیز میں بھرے لتھڑے نہیں ۱۲

کھیل کود کی چیزوں میں خصوصاً ان دنوں کم مصروف ہوتا ہوں اس واسطے کہ مدرسے کے کام سے فرصت نہیں ملتی مگر جتنا مصروف ہوتا ہوں اس سے سوائے کوفت[1] اور کبیدگی[2] کے میں تو کوئی نتیجہ نہیں دیکھتا۔ رہا یار دوستوں کا مشغلہ سو میں ان میں سے کسی کو کسی کا دوست نہیں سمجھتا۔ بھلا کوئی سے ایک ذو ایسے بتائیے جن میں ہر روز تو تو میں میں[3] کی نوبت نہ پہنچتی ہو۔ بڑا بھائی۔ پھر بھی یہ لوگ ان حجاموں اور ان کنجڑوں اور مسجد کے مسافروں سے بہتر ہیں جو نمازیں پڑھ پڑھ کر شریف بننا چاہتے ہیں ؎

زنہار[4] ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بہ درودے

منجھلا بھائی۔ اگر شریف ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ ہم اور ہمارے یار دوست ہیں تو میرے نزدیک ایسی شرافت پر کوئی معقول پسند آدمی ناز[5] نہیں کر سکتا بھلا کونسی بیہودگی ہے جو ہم لوگ نہیں کرتے۔ خصوصاً کہ جب اکٹھے ہوں کس قسم کی بے تہذیبی ہے جس کے ہم مرتکب[6] نہیں ہوتے خاص کر اس وقت کہ ایک دوسرے سے ملیں۔ دھول دھپا۔ لام[7] کاف چھیڑ چھاڑ۔ مار کٹائی۔ دھینگا مشتی[8]

۱؎ طبیعت کی خستگی یعنی ملال ۱۲ ۲؎ رنجیدگی ۱۲ ۳؎ مراد ہے زبانی تکرار ۱۲ ۴؎ خبردار ان میں جا کر نہ ملنا جو سجدہ کر کے خدا کو اور درود بھیجکر پیغمبر کو دھوکا دینے کی فکر میں ہیں ۱۲ ۵؎ گھمنڈ ۱۲ ۶؎ یعنی ہم سے سرزد نہیں ہوتے ہم اس کو نہیں کرتے ۱۲ ۷؎ گالی گلوج ۱۲ ۸؎ ہاتھا پائی مار کٹائی ۱۲

ہاتھاپائی۔ کس خاص چیز کا نام لوں۔ ایک جلسہ اور دنیا بھر کی تفضیح۔ ایک مجمع اور زمانہ کی رسوائی نام کے شریف اور پاجیوں کی سی عادت کہنے کو بھلے مانس اور بازاریوں جیسی طبیعت۔ بڑا بھائی۔ چلو خیر معلوم ہوتا ہے کہ تم تو بیعت[1] کرنے کو تیار بیٹھے ہو۔ منجھلا بھائی۔ تیار کیسا ابھی تو بیعت کئے چلا آتا ہوں۔ بڑا بھائی سلیم تم اپنی کہو۔ جناب میں ان سے پہلے منڈ چکا ہوں۔ تمھارا منڈنا سند نہیں۔ تمھارا معاملہ مصرع در ننستائی[2] بستم میر سد ؎ کا معاملہ ہے مگر (منجھلے بھائی کی طرف اشارہ کر کے) ان کو توڑا تو انھوں نے اپنے نزدیک بڑا تیر توڑا۔ رہ گیا اکیلا میں۔ منجھلا بھائی۔ آپ اُسی وقت تک اکیلے ہیں کہ ابا جان تک نہیں پہنچے۔ گئے اور داخلِ حلقہ[3] ہوئے۔ بڑا بھائی۔ اجی بس اس کو دل سے دور رکھیں مصرع

یاں وہ نشے نہیں جنھیں ترشی[4] اتار دے

ابا جان سے ملنا شرط ہے۔ بڑا بھائی۔ آخر کریں گے کیا۔ منجھلا بھائی سمجھائینگے۔ بڑا بھائی مصرع میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے

منجھلا بھائی۔ وہ باتیں ہی اس طرح کی کہتے ہیں کہ لوہے کو پگھلائیں

---

[1] جب کسی کو مرید کرتے ہیں تو پیر کے ہاتھ میں مرید اپنا ہاتھ دیکر تسلیل کرتا ہے کہ خدا کی راہ میں ثابت قدم رہونگا یہ بیعت ہے ۱۲ [2] اگر نہ بھی لو تو زبردستی دیا جاتا ہے ۱۲ [3] مراد ہی وہی مریدوں کا حلقہ ۱۲ [4] کھٹائی ۱۲

پتھر کو موم بنائیں بڑا بھائی ۔ تو بس میں جا بھی چکا ۔ منجھلا بھائی ۔ یہ بات تو آپ کی بالکل نامناسب ہے ۔ بڑا بھائی ۔ ہو ۔ مصرع

رند[۱] عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

منجھلا بھائی ۔ لیکن شاید ابا جان نے آپ کو کچھ اور ہی بات کہنے کو بلایا ہو ۔ بڑا بھائی ۔ اجی تانت[۲] باجی راگ پایا اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ۔ منجھلا بھائی اگر ابا جان نے دوبارہ بلوا بھیجا ۔ بڑا بھائی ۔ تو میں جانوں گا کہ ضرور ان کو خلل دماغ ہے ۔ منجھلا بھائی ۔ والد جیسے میرے ویسے آپ کے ۔ آپ کو اختیار ہے ان کی شان میں جو چاہیں سو کہیں ۔ لیکن اتنا میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ اس اصرار کا انجام اچھا نہیں ۔ بڑا بھائی اتنا میں بھی سمجھتا ہوں لیکن میں اس انجام کی کچھ پروا نہیں کرتا ۔ منجھلا بھائی ۔ لیکن اس بگاڑ میں آپ فائدہ کیا سمجھتے ہیں ۔ بڑا بھائی ۔ اور میرا نقصان ہی کیا ہے ۔ منجھلا بھائی ۔ اگر اور کچھ نقصان نہ بھی ہو تو ابا جان کی ناخوشی کیا کچھ تھوڑا نقصان ہے ۔ بڑا بھائی ۔ مصرع

رنج[۳] و آزردگی بے سبب را چہ علاج

---

۱ آوارہ آدمی جو سارے جہان کے جلانے کی فکر میں ہو اس کو مصلحت سے کیا سروکار ۱۲ ۲ مثل ہے یعنی مثلاً دو تار کی تانت کو چھیڑنے سے آواز نکلی تو سمجھنے والے سمجھ گئے کہ دوتارا بجانیوالا کیا راگ گائیگا اسی طرح کلیم باپ کے بلانے سے سمجھ گیا کہ کیا کہیں گے ۱۲ ۳ بیوجہ جو آزردگی ہو اس کا کیا علاج ۱۲

منجھلا بھائی۔ اوّل تو ابھی آزردگی کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن اگر خدا نخواستہ[1] آئیگی تو لوگ اس کو بے سبب نہیں کہیں گے اور سبب کی ابتدا آپ کی طرف سے ہوتی ہے کہ انھوں نے بلایا ہے اور آپ نہیں جاتے۔ بھلا دنیا میں کوئی باپ ایسا ہوگا کہ فرزند اُس کی نافرمانی کرے اور وہ ناخوش نہ ہو۔ بڑا بھائی۔ ان کو میرے افعال سے بحث اور میرے اعمال سے تعرض[2] کیوں۔ منجھلا بھائی۔ اوّل تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ سے کیا کہیں گے۔ لیکن مانا کہ وہی کہیں جو مجھ سے اور سلیم سے کہا تو کیا اُن کو نصیحت کا اختیار اور ہدایت کا منصب نہیں ہے۔ بڑا بھائی۔ ہے لیکن حمیدہ پر اور سلیم پر اور تم پر کیوں کہ تم بطوع[3] خاطر ان کی نصیحت سننی چاہتے ہو۔ منجھلا بھائی۔ کیوں جیسے ہم ان کے فرزند ویسے آپ۔ بڑا بھائی۔ میں فرزند کبھی تھا اب سینگ[4] کٹا کر بچھڑوں میں ملنا میرے لئے عار ہے اور میں اپنے تئیں انکی حکومت سے مستثنیٰ[5] اور ان کے اختیارات سے آزاد سمجھتا ہوں۔ منجھلا بھائی۔ لیکن شریفوں میں یہ دستور نہیں ہے کہ اولاد بڑی ہو جائے تو ماں باپ کا ادب لحاظ اٹھا دے۔ میں دیکھتا تھا کہ ابا جان اسقدر جد[6] مرحوم کا پاس کرتے تھے کہ ان کے سامنے حقہ پینا کیا پان کھاتے میں بھی

---

[1] خدا نہ کرے ۱۲ [2] روک ٹوک ۱۲ [3] دل کی خوشی سے ۱۲ [4] یہ کہاوت ہے ۱۲
[5] خارج ۱۲ [6] دادا جن پر خدا رحم کرے مرے ہوئے کو اسی طرح یاد کرتے ہیں ۱۲

ان کو تامل ہوتا تھا کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ بڑا بھائی۔ لیکن میں نے کبھی اس وقت تک ابا جان کو الٹ کر جواب نہیں دیا۔ منجھلا بھائی۔ درست ہے لیکن یا یہ آن[1] شوراشوری یا یاں بے نمکی۔ بڑا بھائی۔ تالی[2] دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے اب بھی اگر ابا جان میرے حال سے تعرض نہ کریں تو میں کسی طرح کی نافرمانی یا گستاخی کرنی نہیں چاہتا۔ منجھلا بھائی۔ تو اس صورت میں کچھ آپ کی اطاعت[3] بھی محمود[4] نہیں ہے۔ بڑا بھائی۔ میں مدح[5] سے باز آیا مجھ کو میرے حال پر رہنے دیں اور میرے نیک و بد سے معترض نہوں ؎

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

منجھلا بھائی۔ اس کا مطلب یہ کہ آپ ان سے قطع تعلق کر چکے۔ بڑا بھائی۔ کیا ضرور ہے کہ جب میں بچپن لڑکوں کی طرح مکتب میں پڑھوں تب ہی بیٹا کہلاؤں ورنہ فرزندی سے عاق[6] کیا جاؤں۔ منجھلا بھائی۔ کوئی آپ سے مکتب میں پڑھنے کے لئے نہیں کہتا اور یہ بھی امید نہیں ہے کہ ابا جان آپ کی بڑائی کا پاس نہ کریں۔ بڑا بھائی۔ جب کہ مجھ کو اپنا نیک و بد سمجھتے اور نفع نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل ہے تو مجھ سے یہ کہنا کہ یہ کرو اور یہ مت کرو گویا مجھ کو بے تمیز لڑکا بنانا ہے۔

---

[1] یا تو اس قدر تیزی یا اتنا پھیکا پن ۱۲ [2] یہ کہاوت ہے یعنی لڑائی ایک طرف سے نہیں ہوتی ۱۲
[3] فرمانبرداری ۱۲ [4] عمدہ تعریف کے لائق [5] تعریف ۱۲ [6] خارج ۱۲

منجھلا بھائی۔ کیا انسان کی رائے غلطی نہیں کرتی۔ بڑا بھائی۔ ایسا احتمال اُن کی رائے پر بھی ہو سکتا ہے۔ منجھلا بھائی۔ تو کیوں نہیں آپ ان ہی سے جاکر گفتگو کرتے کہ بحث ہوتے ہوتے ایک بات قرار پائے۔ بڑا بھائی۔ مجھ کو گفتگو کرنے کی کچھ ضرورت نہیں مصرع

ہر[1] کسے مصلحت خویش نکو میداند

منجھلا بھائی۔ ان ہی کو ضرورت سہی اور جبکہ آپ کو اپنی رائے پر وثوق[2] ہے پھر آپ بالمشافہہ[3] گفتگو کرنے سے گریز[4] کیوں کرتے ہیں۔ بڑا بھائی۔ دنیا میں کوئی مباحثہ طے[5] ہوا ہے جو یہ ہوگا۔ منجھلا بھائی۔ ہٹ دھرمی اور تعصب[6] اور سخن پروری[7] نہ ہو تو ہر بحث کا خاتمہ ہے۔ بڑا بھائی۔ ہمارے ابا جان کو بھی ایک بات کی رٹ[8] لگ جاتی ہے۔ اب نماز روزے کا خیال آگیا ہے تو بس اسی کی دھن[9] ہے۔ چند روز بعد دیکھ لینا وہی ابا جان ہیں وہی ہم ہیں اور وہی کھیل تماشے ہیں۔ منجھلا بھائی۔ آپ چونکہ مجھ سے بڑے ہیں بے شک زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن میں بھی ابا جان کے مزاج سے نا آشنا نہیں ہوں۔

---

[1] ہر شخص اپنی مصلحت اپنا فائدہ خوب سمجھتا ہے ۱۲ [2] بھروسا ۱۲ [3] رو در رو ۱۲ [4] بھاگنا ۱۲ [5] فیصلہ۔ چکوتا ہے [6] پچ۔ طرفداری [7] بات کا نباہ ۱۲ [8] بکواس ۱۲ [9] دھت۔ ہر وقت ایک بات کے پیچھے پڑے رہنا ۱۲

اصلاح خاندان کا ان کو تہ دل سے خیال ہے - اور اس خصوص میں ان کو ایک اہتمام خاص ہے - میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کا ارادہ متزلزل[1] اور عزم ناپائدار ہو اور آپ کے بارے میں جو کچھ اُن کو منظور ہو مگر آپ کے سوا میں تو گھر بھر میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ وہ گھر میں رہے اور اپنا پرانا ڈھرانہ چھوڑے - بڑا بھائی - ذرا اماں جان سے اور مجھ سے دو دو باتیں ہو جائیں تو تم کو ارادے کا استحکام[2] اور عزم کا استقلال[3] خود بخود معلوم ہو جائے گا - چھوٹا بھائی - اماں جان تو آج بڑی خفا بیٹھی ہیں - بڑا بھائی - کیوں - چھوٹا بھائی - آپ کو نہیں معلوم آپا جان سے اور اُن سے آج بڑی لڑائی ہوئی - بڑا بھائی - کس بات پر - چھوٹا بھائی - آپا جان لڑکا حمیدہ کو دے کر ہاتھ منہ دھونے چلی گئیں - حمیدہ - لڑکے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی - آپا جان نے نماز پڑھتی کو ڈھکیل دیا - اُس کی ناک میں تخت کی کیل لگ گئی - ڈھیر سا خون نکلا - اسی پر تکرار ہونے لگی - آپا جان نے کئی مرتبہ توبہ توبہ نماز کو برا کہا - اماں جان نے بار بار منع کیا نہ مانا - آخر اماں جان نے تھپیڑ کھینچ مارا - بڑا بھائی - سچ کہو - چھوٹا بھائی - آپ چل کر دیکھ لیجیے - آپا جان کوٹھری میں پڑی رو رہی ہیں - صبح سے کھانا نہیں کھایا - منجھلا بھائی - واقعی کچھ لڑائی ضرور ہوئی ہے - میں جو آپا جان کے پاس گیا تو آتے جاتے سب کو چپ دیکھا اور سمجھا کہ بے سبب نہیں ہے -

---

[1] ڈگمگایا ہوا ۱۲ [2] رستہ ۱۲ [3] مضبوطی ۱۲

بڑا بھائی۔ کہیں گھر بھر نے متوالی[1] کودوں تو نہیں کھالی۔ ابھی سے جہاد[2] بھی شروع ہو گیا۔ حمیدہ کا نماز پڑھنا دیکھو اور ایک ذرا سی بات پر بیچاری نعیمہ کے مار کھانے پر خیال کرو۔ منجھلا بھائی۔ میرے نزدیک تو اِن میں سے کوئی بات بھی تعجب کی نہیں۔ حمیدہ نے نماز پڑھی تو کیا کمال کیا باتیں تو بڑی بوڑھیوں کی سی کرتی ہے۔ بڑا بھائی۔ تو کیا ضرور ہے کہ باتیں بڑی بوڑھیوں کی سی کرے تو نماز بھی بڑی بوڑھیوں کی سی پڑھے۔ اس کی عمر گڑیاں کھیلنے اور ہنڈ کلھیاں[3] پکانے کی ہے نہ زہد[4] و مراقبے[5] کی منجھلا بھائی۔ کیا یہ ایسی مشکل بات ہے کہ حمیدہ اس کو نہیں سمجھ سکتی۔ بڑا بھائی۔ سمارے کر سمجھایا جائے تو شاید صدرے[6] اور شمس بازغے[7] کو بھی کہہ دے گی کہ ہاں سمجھ گئی۔ منجھلا بھائی۔ لیکن اس کو تو مار نہیں پڑی۔ بڑا بھائی۔ ایک کو پیٹی تو گویا سبھی کو پیٹی۔ جب نعیمہ ہی کو اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا تو اب کس کی عزت رہ گئی۔ بڑی بیٹی بیاہی ہوئی صاحب اولاد کو مارنا شرافت زمیندارانہ ہے ؎

نے کعبے نے دیر کے قابل مذہب[8] اِن کا ہے سیر کے قابل

---

[1] کودوں ایک قسم کا غلہ ہے غریب لوگوں کے کھانے کا بعض اوقات اس میں ایک طرح کی سمیت آجاتی ہے جو کھاتا ہے باؤلا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جانور ۱۲ [2] مذہبی جنگ ۱۲ [3] لڑکیاں چھوٹی چھوٹی ہنڈلیوں میں پکانے کی نقل کیا کرتی ہیں ۱۲ [4] ترک دنیا ۱۲ [5] گردن جھکا کر تا بہ دیر سوچتے رہنا۔ فقیروں کی ریاضت میں مراقبہ یہی ہے ۱۲ [6] صدر الدین شیرازی کی مشہور اعلیٰ درجے کی فلسفے کی کتاب ۱۲ [7] یہ بھی بڑی اونچی حکمت کی کتاب ہے ۱۲ [8] یعنی عجیب طرح کا مذہب ہے۔ نہ اسلام ہے کہ کعبے میں کھپے اور نہ کھلی بت پرستی ہے کہ بتخانہ میں جا داخل ہو ۱۲

سلام ہے ایسے دین کو کہ انسان اپنے آپے سے باہر ہو جائے اور دنیا کے نیک و بد پر کچھ نظر نہ کرے۔ آخر یہ خبر ممکن نہیں کہ اُس کی سُسرال نہ پہنچے۔ ہمارے ہمسایے والے کیا کہیں گے۔ غیرت ہو تو گھر گھر چلّو پانی میں ڈوب مریں۔ حیا ہو تو کنبے میں منھ نہ دکھائیں۔ اسی پر تم مجھ کو ابا جان کے پاس جانے کی رائے دیتے ہو اگر کہیں مجھ پر بھی ایسا ہی دست شفقت پھیر دیا تو پھر مصرع

ایں منم کاندر میان خاک و خوں بینی سرے[1]

اور مجھ کو نعیمہ کی جان بر[3] ہونے کی بھی امید نہیں مصرع

سُن لیجیو کہ آج اگر ہے تو کل نہیں

منجھلا بھائی۔ اس بات کا مجھ کو بھی تعجب ہے۔ لیکن جب تک اماں جان کے منھ سے تمام کیفیت نہ سن لوں میں نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے بیجا کیا یا بجا کیا۔

بڑا بھائی۔ تمھارے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہوتا اور پھر تم بجا اور بیجا میں تردد رکھتے تو میں تم کو خلفِ[4] ارشد اور فرزندِ سعادت مند جانتا ؎

جس پہ بیتی ہو یہ وہی جانے جو کہ بے درد ہو وہ کیا جانے

منجھلا بھائی۔ شاید وقت پر طبیعت کا حال دگرگوں[5] ہو جائے تو خبر نہیں

---

[1] یہ کہاوت ہے ۱۲ [2] یں تو ایسا آدمی ہوں کہ پھر خاک اور خون میں میرا سر پڑا ہوا دکھائی دے یعنی جان کھو دوں ۱۲ [3] زندہ بچ جانے والی ۱۲ [4] سپوت ۱۲ [5] دوسرے رنگ کا ۱۲

ورنہ میں تو ماں باپ کی تادیب[1] کو موجبِ بے حرمتی[2] نہیں سمجھتا۔ بڑا بھائی۔ شاید ایسی ہی باتوں نے ان کو دلیر کر دیا ہے۔ منجھلا بھائی۔ جس کو خدا ماں یا باپ بناتا ہے تو اُس کو اِتنی بات کے سمجھنے کی عقل بھی دیتا ہے کہ اولاد پر اِس کو کیسے کیسے اختیارات حاصل ہیں۔ بڑا بھائی۔ غرض تمھارے نزدیک ماں باپ کو اختیار ہے کہ اولاد گو بڑی بھی ہو جائے مگر اِن کو بے تمیز بچوں کی طرح ماریں پیٹیں تو کچھ الزام نہیں۔ منجھلا بھائی۔ مجھ سے فتوی[3] مطلب نہیں ہے کہ ایک عام رائے دوں البتہ اپنے گھر کے اس خاص معاملے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اماں جان نے جب بہت ہی ضرورت سمجھی ہو گی تو آپا جان پر ہاتھ اٹھایا ہو گا اور فرض کیا کہ اماں جان ہی کی زیادتی سہی تو کیا ایک طمانچے کے مارنے سے ان کی عمر بھر کی شفقتیں اکارت اور سالہا سال کی نیکی برباد ہے

آں[4] کہ بجائے تست ہر دم کرمے

عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

اب بھی آپا جان کی جو محبت اماں جان کو ہو گی مجھ کو اور آپ کو اس کا ایک شمہ[5]

---

[1] ادب دینا ۱۲ [2] بے عزتی ۱۲ [3] مذہب کا حکم۔ مولوی سے مسئلہ پوچھیں اس کا جواب ۱۲ [4] جو ہر دم تجھ پر مہربانی کرے تو اگر ساری عمر میں اس سے کوئی ظلم بھی سرزد ہو تو اس کو معاف کرنا چاہیے ۱۲ [5] ذرا سا ۱۲

تو ہوے - بڑا بھائی - غرض جو کچھ ہو سو

میرے[1] وحشت خانے میں جوش جنوں کی دھوم ہے

عافیت مفقود اور آسودگی معدوم ہے

بھائی بھائی یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں رسولن نامی لونڈی دوڑی آئی اور علیم سے کہا کہ میاں پوچھتے ہیں میری بات کا جواب تم نے ہست نیست[2] کچھ نہ دیا - رسولن کو تو علیم نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تو چل کر کہہ کہ ابھی آتے ہیں اور بڑے بھائی سے کہا کہ ابا جان آپ کے منتظر بیٹھے ہیں جائیے کھڑے کھڑے ہو آئیے - بڑا بھائی - اگر مجھکو یہ یقین ہوتا کہ میرا جانا اور چلا آنا ایک سہل[3] سرسری بات ہے تو میں اب تک جا کر کبھی کا چلا نہ آیا ہوتا - منجھلا بھائی - آپ نے یہ کیونکر تجویز کر لیا کہ سرسری نہیں ہے - بڑا بھائی - خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا - منجھلا بھائی - بس شاید ابا جان کو اتنی ہی بات آپ کے منہ سے سننی منظور ہے - بڑا بھائی مصرع ع

ہر سخن موقع[4] و ہر نکتہ مکانے دارد

منجھلا بھائی - مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کو تردد کس بات کا ہے - بڑا بھائی - میں

---

[1] میرا گھر وحشت خانہ ہے اندر جنوں نے ایسی دھوم مچا رکھی ہے کہ آرام اور امن دونوں معدوم ہو گئے ۱۲ [2] ہاں نہیں ۱۲ [3] آسان ۱۲ [4] ہر بات کا موقع اور ہر ٹھکانے کے کہنے کا محل ہوتا ہے ۱۲

اُن کے مزاج سے خالف[1] اور اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ منجھلا بھائی۔ میں زیادہ اصرار کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا آپ کو اختیار ہے جو چاہے سو کیجیے لیکن کہے دیتا ہوں کہ اُس کا انجام بخیر نہیں معلوم ہوتا بڑا بھائی۔ مصرع

ہر چہ[2] بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

منجھلا بھائی۔ تو پھر میں ابا جان سے کہلائے بھیجتا ہوں۔ بڑا بھائی۔ یہ تم کو اختیار ہے۔ میں جب ان کے بلانے سے جانا لابد نہیں سمجھتا تو ان کے پوچھنے سے جواب دینے کو کب ضروری جانتا ہوں۔ منجھلا بھائی۔ مایوس ہو کر اٹھا اور تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا کہ میرا پاؤں آگے نہیں پڑتا۔ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہوں تو کیا کہوں یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کا نہ جانا بڑی ہی خرابی برپا کرے گا۔ نہیں معلوم اس وقت آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ جاتے اور ان کی بات کو نہ مانتے تاہم چنداں قباحت نہ تھی۔ لیکن نہ جانے میں لگاڑ کا ابتدا فساد کا آغاز نافرمانی کا شروع آپ کی طرف سے ہوتا ہے۔ تمام دنیا آپ کو اس کا الزام دے گی اور سارا جہاں آپ پر قصور عائد کرے گا اور چونکہ میں اس کو سرتاسر آپ کے حق میں زبوں سمجھتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری اس میں شرکت ہو۔ آپ کو جانا منظور نہیں تو بہتر ہو گا کہ

---

[1] ڈرتا ہوں ۱۲ [2] جو ہونا ہے سو ہو اب تو ہم ناؤ کو پانی میں ڈال چکے ۱۲

آپ کسی دوسرے کے ہاتھ کہلا بھیجئے۔ بڑا بھائی۔ لیکن مجھ سے انھوں نے پوچھا نہیں تو میں کیوں کہلا بھیجوں۔ منجھلا بھائی۔ ایسا روکھا جواب سُنکر پھر چپا۔ بے چارہ عجیب مخمصے[۱] میں تھا کہ ادھر باپ نے بہ تاکید پوچھ بھیجا ہے تو جواب میں کچھ ہاں یا نہیں کہنا چاہیئے اور یہ بھی کہ سمجھ چکا تھا کہ نہ جانا بھائی کی ہمیشہ ہمیشہ تباہی کا موجب ہوگا اندر سے جی نہیں مانتا تھا کہ اس کی بربادی کی بات مُنہ سے نکالے اس گھبراہٹ میں دوڑا ہوا ماں کے پاس گیا اور کہا کہ اماں جان غضب ہوا چاہتا ہے۔ ماں۔ بیچاری نعیمہ کے سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ کوٹھڑی میں فرش پر ایک حالت سے پڑے پڑے نعیمہ کو سارا دن گذرا۔ نہ تو اس نے سر اٹھایا نہ کوئی چیز اس کے مُنہ میں گئی۔ ماں نے گلوریاں[۲] خاص دان[۳] میں بھروا کر پاس رکھوا دی تھیں وہ بھی سب اُسی طرح رکھی سو کھ گئیں۔ پانی اور کھانے کا کیا مذکور۔ لڑکا گھڑی دو گھڑی تو چپکا رہا پھر اُس نے الگ رونا شروع کیا سارا گھر اس کو سنبھالتا تھا مگر اس نے نالو سے زبان نہ لگائی۔ بہتیرا نانی بہلا پھسلا کر دودھ دیتی مگر گود میں سے نکل پڑتا تھا۔ نہ اٹھے سکھ نہ بیٹھے چین۔ سب کو حیران کر مارا۔ دن تو خیر بُری بھلی طرح گذر بھی گیا۔ اب مصرع ع

رات آئی تو یہ جانا کہ قیامت آئی

---

[۱] کشمکش ۱۲ [۲] بنے ہوئے پان ۱۲ [۳] گلوریاں رکھنے کا ظرف ۱۲

صالحہ کو جو بلوایا تھا تو ایک یونہی سا پیام کہلا بھیجا تھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ آج شام کو گھر میں مولوی صاحب کا وعظ ہے انشاءاللہ کل بڑے تڑکے نماز صبح پڑھ کر میں پہنچوں گی۔ اسی اضطراب[1] میں میاں علیم نے جو ایک دم جا کر کہا کہ غضب ہوا چاہتا ہے ماں کا کلیجہ دھک[2] سے ہو گیا۔ اور سمجھی کہ نعیمہ کی خیر نہیں۔ گھبرا کر پوچھا کیا۔ بیٹا۔ بھائی جان کو ابا جان چار گھڑی دن سے بلا رہے ہیں۔ یہ وقت ہونے آیا نہیں جاتے۔ میں مردانہ میں پردہ کرا دوں آپ ذرا چل کر سمجھا دیجئے شاید مان جائیں۔ میں تو کہہ کر تھک گیا۔ فہمیدہ کا حال یہ تھا کہ نعیمہ سے بدتر اس کی کیفیت تھی۔ لوگوں کے دکھانے کو دسترخوان پر بیٹھ تو گئی تھی مگر ایک دانہ حلق سے نہیں اترا۔ جیسی بیٹھی تھی ویسی ہی منہ[3] جھٹلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بار بار کسی نہ کسی بہانے سے کوٹھڑی کے پاس لجاتی۔ کواڑوں کے پاس جاتی۔ کواڑوں کے پاس کھڑی ہو ہو کر درزوں میں جھانکتی۔ اور نعیمہ کے رونے کی آہٹ لیتی۔ گھر والوں سے جو سامنے آ نکلتا اس کو بھیجتی کہ جاؤ ہو سکے تو مناؤ۔ لیکن کسی کو اتنا جیِٹ[4] نہ تھا کہ کوٹھڑی کے اندر قدم رکھتا۔ بیچاری جس نے نعیمہ کو پالا تھا اور ہر طرح کا دعویٰ رکھتی تھی

---

[1] گھبراہٹ ۱۲ [2] یعنی دھڑکنے لگا ۱۲ [3] چونکہ کھانے کے بعد کلی کرنا ضروری ہے تو گویا کھانا کھانے سے منہ جھوٹا ہو جاتا ہے ۱۲ [4] منہ ۱۲

لڑکے کو لیکر دودھ پلوانے کے بہانے سے پاس جاکر بیٹھی۔ ابھی مُنہ سے بات بھی نہیں کہنے پائی تھی کہ نعیمہ نے ایک ایسی دولتی چلائی کہ بیدارا گئی لڑکنیاں کھاکر گیند کی طرح لڑکتی لڑھکاتی باہر آکر گری خدا نے بڑی خیر کی لڑکا ہاتھ[1] لچے سمیت گود سے نکل پڑا۔ ورنہ اتنی نفہ[؟] میں نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جاتا۔ بیدارا کی مدارات دیکھکر پھر تو جس سے فہمیدہ کو کٹھڑی میں جانے کا نام لیتی وہ کانوں[2] پر ہاتھ دھرتی کہ نہ بیوی میری[3] ہڈیوں میں تو خدا کی لاٹھی سہارنے کا بوتا نہیں ہے۔ چاہتے سب تھے کہ نعیمہ کو منائیں مگر کوٹھڑی میں جانے سے ایسا ڈرتے تھے کہ گویا اندر کالی ناگن[4] بیٹھی ہے پاؤں رکھا اور اس نے ڈس لیا[5]۔ باہر اُس ذرا سے فتنے یعنے نعیمہ کے بچے نے آفت توڑ رکھی تھی۔ اگالدان۔ پاندان۔ سینیاں بجاتے کٹوریاں کھڑکاتے مگر اس عزیز کے کان پر جوں[6] نہ چلتی تھی۔ گود میں لٹاؤ۔ جھولے میں سلاؤ۔ کندھے لگاؤ۔ لئے لئے پھرو مگر کسی طرح اسے قرار نہ تھا۔ بے زبان بچہ مُنہ سے بولتا نہیں چالتا نہیں برابر روئے جاتا ہے۔ کوئی کیا جانے کہ اس کو کس بات کی تکلیف ہے۔ پہلے تو یہ خیال ہوا کہ کہیں افیم تو نہیں تھوک دی۔

---

[1] جس گدی پر ننھے بچوں کو لٹاتے ہیں ۱۲ [2] پناہ مانگتی ۱۲ [3] یہ کہاوت ہے یعنی ایسی سخت مار کی برداشت نہیں ہو سکتی ۱۲ [4] سانپن [5] کاٹ لیا ۱۲ [6] خبر نہیں ہوتی تھی ۱۲

مسہود برابر چھوڑ خاصی مٹر جتنی گولی دی مطلق اثر نہیں۔ جانا کہ شاید ہنسلی[1] جاتی رہی وہ بھی ملوائی اور وہ ناچلایا سمجھے کہ پیٹ میں درد ہے۔ دودھ میں سہاگہ گھسکر دیا پھر بھی نہ چپ ہوا۔ آخر جب خوب ہلاک ہولیا تو ہار کر کوئی ہوگھڑی دن رہے نانی کے کندھے لگ کر سو گیا۔ یہ بیچاری بھی دن بھر کی تھکی ماندی نہار مُنہ اُس پر دل اُداس۔ طبیعت مغموم۔ بت کی طرح ایک دیوار سے لگی ہوئی بیٹھی اُونگھ رہی تھی کہ پہلے صالحہ کا جواب آیا اوپر سے میاں علیم بھائی کا مژدہ لے کر پہنچے۔ سُنکر رہی سہی عقل بھی کھو لی گئی۔ تھوڑی دیر تو چپ سناٹے میں بیٹھی رہی۔ اس کے بعد اپنے آپے میں آئی تو علیم سے کہا۔ پھر بیٹا تم نے بڑے بھائی کو کچھ نہ سمجھایا۔ بیٹا۔ میں نے کتنا کتنا سمجھایا ماں۔ نعیمہ کا حال تم نے کچھ سُنا۔ بیٹا۔ جی ہاں سُنا۔ ماں۔ بس خدا نے دونوں کو ایک سانچے میں ڈھالا ہے۔ مجھ کو امید نہیں کہ کلیم روبراہ ہو۔ جب اس کو خدا کا خوف اور باپ ہی کا ڈر نہ ہوا تو بھلا میں کون بلا ہوں تم کہتے ہو چلو میں اپنی طرف سے کہہ سُن بہتیرا دوں گی۔ کیوں علیم بھلا تمھارے نزدیک میری زیادتی تھی یا نعیمہ کی۔ بیٹا۔ میں نے مفصل حال تو سنا نہیں لیکن جس قدر سُنا اس سے سرتاسر[2] آپا کا قصور معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو زیادہ تحقیقات کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں نے

---

[1] گلے کی ہڈی جگہ سے سرک جاتی ہے تو اسکو ہنسلی کا جانا بولتے ہیں ۱۲ [2] ازسر تاآخر جزی ۱۲ [3] بالکل ۱۲

سنتے کے ساتھ ہی کہدیا تھا کہ اماں جان نے جب ایسی ہی سخت ضرورت سمجھی ہوگی تو آپا پر ہاتھ اٹھایا ہوگا۔ ماں۔ علیم کیا میں تم سے کہوں خدا کی شان ہیں ایک بے ادبی کہ معاذ اللہ[1] میں تو تھرا اٹھی[2] کہ ایسا نہ ہو کہیں چھت گر پڑے اور جان جان منع کرتے کرتے بیٹا بے شک آپ نے مارا تو بہت واجب کیا۔ خیر آپا کا تو چنداں اندیشہ نہیں۔ آپ ہی غصہ اتر جائے گا مرے بھائی کا بڑا کھٹکا ہے۔ یہاں کل تک زارا نیارا[3] ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے ماں۔ دونوں ایک دوسرے کے قدم بقدم ہیں اس نعیمہ نے کیا وارا نیارا کرنے میں کچھا اٹھا رکھا ہے۔ سارا سارا دن گذر گیا۔ نہ پانی پیا نہ کھانا کھایا۔ نہ بچے کو دودھ پلایا۔ بیٹیا۔ بچے کو دودھ نہیں پلایا۔ بھلا اس بیچارے کا کیا قصور۔ ماں۔ بیدیا ایک دفعہ لے کر گئی تھی بیچاری کے ایسی لات ماری کر دیکھو بچی میں ہلدی تھوپے[4] پڑی کراہ[5] رہی ہے۔ بیٹیا۔ میں چلوں اور سمجھاؤں۔ ماں۔ نہ بیٹیا اپنی عزت اپنے ہاتھ تم گئے اور چھوٹے تو ہو ہی کچھ جا بیجا کہہ بیٹھی تو ناحق تم کو برا لگے کیا فائدہ۔ بیٹیا جب وہ میری بڑی ہیں تو مجھکو ان کا کہنا برا کیوں لگے گا۔ ماں۔ تو بھی

---

[1] خدا کی پناہ ۱۲ [2] ڈر کے مارے کانپ اٹھی ۱۲ [3] فیصلہ ۱۲ [4] چوٹ میں ہلدی لگاتے ہیں وہ علاج ہے ۱۲ [5] آہ آہ کر رہی ہے ۱۲۔

تمھارے جلنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ میں نے صالحہ کو بلوا بھیجا ہے۔ وہ آئے گی تو اس کو اپنے طور پر ٹھیک ٹھاک کرلے گی۔ بیٹیا۔ واقعی یہ آپ نے خوب تجویز کی مگر اب رات ہو گئی کب آئے گی۔ ماں۔ ان کے یہاں اب وعظ ہے اس سبب سے اس نے کہلا بھیجا ہے کہ کل بڑے تڑکے پہنچوں گی خیر جوں توں رات کٹ ہی جائے گی۔ بیٹیا۔ میں جا کر صالحہ کو لے نہ آؤں اتنے میں آپ بھائی جان سے باتیں کیجیے۔ ماں۔ ہاں بہتر تو ہو گا۔ میں نے اس کو یہ حال کہلا نہیں بھیجا ورنہ وہ تو سنتے کے ساتھ دوڑی آتی۔ غرض علیم تو صالحہ کو لینے گیا اور فہمیدہ پردہ کروا کر مردانہ میں پہنچی۔ اتنی ہی دیر میں یہاں تاش کھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ فہمیدہ جو گئی تو چاندنی پر تاش کے ورق بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ فہمیدہ نے دیکھ کر کہا آگ لگے اس کھیل کو کھیل نہ ہوا بلائے جان ہوا کہ رات کو بھی بند نہیں ہوتا۔ بیٹیا۔ نکما بیٹھا ہوا آدمی کچھ کرے یا نہ کرے مصرع

بےکار[1] مباش کچھ کیا کر

ماں۔ بیٹیا خدا نہ کرے کہ تم نکمے ہو۔ کرنیوالا ہو تو کام بہتیرے۔ باپ۔ تم کو کئی دفعہ بلایا نکمے تو تھے تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ جاؤں تو سن تو آؤں کیا

---

[1] بےکار مت رہو کچھ کرتے رہا کرو ۱۲

کہتے ہیں۔ بیٹا۔ بس میں نے یہیں سے بیٹھے بیٹھے سن لیا۔ ماں۔ کچھ سنا نہ سنا یا جاؤ ہو آؤ اچھی بات نہیں۔ بیٹا۔ اچھی بات کیا نہیں میں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے۔ ماں تم جانتے سہی مگر جا کر سن لینے میں بھی بیٹا کچھ قباحت ہے بیٹا۔ مصرع

قباحت سی قباحت ہے خرابی سی خرابی ہے

ماں۔ میں بھی سنوں بیٹا۔ اب مجھ سے کہلواتی ہو تم آپ سمجھ جاؤ۔ ماں۔ میں تو تمہارے پہیلی نہیں سمجھتی۔ بیٹا۔ ایسی پہیلیاں نعیمہ[۱] خوب بوجھتی ہے۔ ماں۔ خدا کسی کو ایسی الٹی سمجھ نہ دے جیسی نعیمہ کی ہے۔ تم اُس کی زبان سنتے کہ خدا ننگ کا لحاظ اُس نے اٹھا دیا۔ نماز کو اس نے اٹھک بیٹھک۔ خدا کی شان میں توبہ توبہ یہ کلمہ کہا خدا۔ بے دین سے بے دین بھی ایسی بات منہ سے نہیں نکالتا ابھی تک آفت گھر پہ آچکی ہے کہ ایک چھوڑ تین[۲] تین مردے اسی گھر سے اٹھے مگر مطلق خوف نہیں ذرا سا ڈر نہیں۔ بیٹا۔ وبا بھی ایک مرگِ انبوہ[۳] تھا اچھے برے سبھی قسم کے لوگ مرے۔ ماں۔ تو اچھوں کو مرتا

---

[۱] یعنی نعیمہ کو تم مار چکی ہو وہ خوب سمجھتی ہے کہ میں باپ تک کیوں نہیں جاتا غرض یہ کہ مار سے ڈرتا ہوں [۲] نصوح کا باپ۔ رشتے کی خالہ۔ گھر کی ماما۔ اس کا بیان قصے کے شروع میں ہے [۳] فارسی کی مثل ہے مرگِ انبوہ جشنے دارد یعنے عام مری پھیلے تو کون کس کو روئے ۱۲

دیکھ کر آدمی بن جائے۔ بیٹا۔ نہیں میں تو یہ نہیں کہتا کہ برا ہونا اچھا ہے۔ ماں۔ اس سے بڑھکر اور کیا برائی ہو گی کہ آدمی خدا کو خدا نہ سمجھے۔ بیٹا اچھی[ؔلہ] خدا کو خدا کون نہیں سمجھتا۔ نعیمہ کے منہ سے نہیں معلوم کیوں کر ایک بات نکل گئی ہو گی۔ ماں پھر تم کو باپ کے پاس جانے میں کیا تامل ہے۔ بیٹا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ نماز پڑھنے کا قول کراتے ہیں۔ کھیل کود کو منع کرتے ہیں۔ ماں۔ ابھی تو تم نے کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں۔ تو کیا نماز اس کا حکم نہیں ہے۔ لیکن مجھ سے ایسے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔ ماں۔ تو تم نے یہ ناحق کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں۔ اگر تم خدا کو خدا سمجھتے تو ضرور اس کا حکم مانتے۔ چلو بیٹا دنیا اور دین دونوں سے آزاد ہوئے ادھر باپ بلائے اندر نہ جاؤ تو گویا باپ کو باپ نہ جانا ادھر خدا فرمائے اور نماز نہ پڑھو یعنی خدا کو خدا نہ سمجھا۔ بیٹا۔ مجھ کو حیرت ہے۔ گھر میں کیوں یہ نئے نئے دستور اور قاعدے جاری کئے جاتے ہیں۔ وہی خدا ہے اور وہی ہم سب ہیں تو جس طرح پہلے سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اب بھی رہنے دیں۔ نہ دوسرے کے افعال سے کیا بحث اور کسی کے اعمال سے کیا سروکار۔ اگر کوئی بے دین ہے تو اپنے لئے اور کوئی زاہد

لہ خاص عورتوں کو خطاب کرنے کا محاورہ ہے ۱۲

اور پرہیزگار رہے تو اپنے واسطے۔ ماں۔ سروکار کیوں نہیں۔ اولاد کی تعلیم ماں باپ پر فرض ہے۔ بٹیا۔ پہلے سے فرض تھی یا اب علالت[۱] میں کوئی خاص وحی[۲] نازل ہوئی ہے۔ ماں۔ اگر تم ایسی حقارت سے باپ کا ذکر کرتے ہو تو یہ تمہاری سعادت[۳] مندی کی دلیل ہے۔ تم تو کتابیں پڑھتے ہو ماں باپ کا کیا اچھا ادب لکھا ہے لوگوں میں بھی اُس کی ایک کہاوت مشہور ہے۔ باادب[۴] بانصیب تمہارے باپ بے چارے نے تو ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھ کو الہام ہوتا ہے یا مجھ پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ بٹیا۔ اگر وحی نہیں ہے تو اسی علالت کا اثر ہے۔ ماں۔ تم باپ تک گئے ہوتے تو کبھی ایسا شبہ نہ کرتے۔ یہ تمہاری نئی تجویز نہیں ہے۔ تم تو ابتدائے علالت سے باپ کو جنون اور سرسام[۵] بتلاتے ہو۔ لیکن کیا مجنون کا بھی کام ہے کہ عاقبت تک کی مآل[۶] اندیشی کرے دیوانے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ آخرت تک کا انجام سوچیں۔ ایک مرتبہ ذرا کی ذرا چلکر اُن کی باتیں سُنو اور پھر اُن کو مجنون سمجھو تو البتہ میں قائل ہو جاؤں گی۔ بٹیا۔ کیا میں بھی سلیم ہوں کہ اُن کی باتوں میں آجاؤں گا۔ ماں۔ ہماری نظروں میں تو تم سلیم سے بھی چھوٹے ہو۔

---

[۱] بیماری ۱۲ [۲] خدا کا حکم جو پیغمبر کو فرشتے کی معرفت یا اور طرح پر پہنچے ۱۲ [۳] فہمیدہ نے طنز کی راہ سے کہا ۱۲ [۴] جو بڑوں کا ادب کرتا ہے وہ خوش نصیب ہوتا ہے اس کا دوسرا ٹکڑا ہے بے ادب بے نصیب ۱۲ [۵] ایک خطرناک بیماری ہے سر کو ابخرے چڑھکر حواس مختل ہو جاتے ہیں ۱۲ [۶] عاقبت اندیشی ۱۲

بٹیا۔ بس یہ مہربانی[1] نعیمہ ہی کے ساتھ خاص رہے۔ ماں۔ اگر مہربانی ہی مہربانی ہوتی تو شاید تم کو اس کے کہنے کی نوبت بھی نہ آتی۔ کیوں کہ مہربانی اسی کے ساتھ کیجاتی ہے جو اس کی قدر کرے اور مہربانی کرنیوالے کا احسان مانے۔ مجبوری تو یہی ہے کہ نری مہربانی نہیں ہے بلکہ اپنی گردن کا بوجھ اور اپنے سر کا فرض اتارنا ہے۔ بٹیا۔ یہ نیا مسئلہ ہے کہ بڈھے طوطوں[2] کو مار مار کر پڑھایا جائے۔ ماں۔ تم نا اپنے تئیں بڈھا سمجھتے ہو۔ بٹیا۔ میں دودھ پیتا ہوا بے تمیز بچہ سہی لیکن میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے افعال سے تعرض[3] کرے میں اپنا برا بھلا آپ سمجھ سکتا ہوں۔ ماں۔ ماں باپ کبھی اولاد کے بدخواہ نہیں ہوتے ہم لوگ بھی تمہاری ہی بہتری کے لئے کہتے ہیں۔ بٹیا مجھ کو اپنی بہتری منظور نہیں ہے۔ ماں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ بات تم اس وقت ضد سے کہہ رہے ہو بھلا دنیا میں کوئی بھی ایسا ہے جو اپنی بہتری نہیں چاہتا۔ بٹیا۔ جب میں تمہاری مداخلت اپنے افعال میں نہیں جائز رکھتا تو تم بیٹھے بٹھلائے مجھ کو چھیڑنے والی کون۔ ماں۔ میں تمھاری ماں وہ تمھارے باپ۔ بٹیا یہ بھی اچھی زبردستی ہے مان[5] نہ مان میں تیرا مہمان۔ مجھ کو تمھارے

---

[1] یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ فہمیدہ نے نعیمہ کو مارا تھا ۱۲ [2] یہ کہاوت ہے کہ طوطا بڈھا ہوا تو نہیں پڑھتا ۱۲ [3] روک ٹوک ۱۲ [4] دشمن برا چاہنے والے ۱۲
[5] تم مانو یا نہ مانو اور رکھو یا نہ رکھو میں تمھارے گھر میں مہمان ہوں ۱۲

ماں۔ باپ، ہونے سے انکار نہیں۔ گفتگو اس بات میں ہے کہ تم کو میرے افعال
میں زبردستی دخل دینے کا اختیار ہے یا نہیں۔ سو میں سمجھتا ہوں کہ نہیں ہے۔
تم کہتی ہو کہ ہم مجبوری دخل دیتے ہیں۔ اس واسطے کہ ماں باپ پر اولاد کی تعلیم
کرنا فرض ہے۔ سو اوّل تو میں اس کو داخلِ تعلیم ہی نہیں سمجھتا اور مانا کہ داخل
تعلیم ہو بھی تو میرے نزدیک صرف دس بارہ برس کی عمر تک اولاد محتاج تعلیم
اس کے بعد ماں باپ کو ان کے بارے میں کچھ دخل نہیں وہ اپنا نفع نقصان خود
سمجھ سکتے ہیں۔ اگر یہی منظور تھا کہ میں بڑا ہو کر مسجد کا ملانا یا قبرستان[1] کا قرآن
خوان یا لنگر خانہ خیراتی کا ٹکڑ گدا ہوں تو شروع سے مجھ کو ایسی ہی تعلیم
کی ہوتی کہ اب تک بھلا کچھ نہیں تو میں دو چار رج بھی کر آیا ہوتا
پنج آیت میں میری قرأت کی دھوم ہوتی تراویح[2] میں میرے لہجہ قرآن خوانی
کی شہرت۔ کہیں مردہ مرتا جائے[3] نماز مجھکو ملتی۔ کہیں قربانی ہوتی کھال میرے
پاس آتی۔ صدقہ کا میں آڑھتیا ہوتا زکوٰۃ کا ٹھیکہ دار۔ دعوتوں کا مستحق۔
خیرات کا حقدار۔ نہ یہ کہ پڑھاؤ کچھ پوچھو کچھ۔ سکھاؤ اور چیز اور امتحان لو

---

[1] لوگ مردوں کو ثواب پہونچانے کے لئے قبروں پر قرآن پڑھوایا کرتے ہیں ۱۲ [2] قرآن کو ٹھیک طور پر پڑھنا اور حرفوں کو اُن کے درست مخرج سے نکالنا ۱۲ [3] رمضان میں نماز عشا کے بعد نماز نفل ۱۲ [4] جس کپڑے پر کھڑے ہو کر امام نماز پڑھائے ۱۲

دوسری چیز میں۔ دنیا میں جیسے اور شریف معزز خاندانوں کے بیٹے ہیں۔ اگر میں سب میں اچھا نہیں تو کسی سے برا بھی نہیں مشاعرے میں میری غزل ساتھ کے مشق کرنیوالوں میں سب سے بڑھی چڑھی ہوتی ہے۔ شطرنج میں مرزا شاہ رخ تو خیر پرانے کھیلنے والوں میں ہیں اور حق یہ ہے کہ اچھی شطرنج کھیلتے ہیں دوسرا کوئی مجھ کو مات کردے تو البتہ میں اس کی ٹانگ[1] تلے سے نکل جاؤں ہمارے محلے میں میاں وزیر بادشاہی پیادوں کے جمعدار بڑے شاطروں[2] میں مشہور ہیں میں فرزیں[3] اٹھا کر ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ گنجیفہ اگرچہ میں کم کم کھیلتا ہوں لیکن بیٹھ جاؤں تو ایسا بھی نہیں کہ کوئی صفو[4] دے یا نادری چڑھائے۔ اور قریب قریب یہی حال تاش اور چوسر کا ہے۔ کبوتر جیسے آج ہماری چھتری کے دم[5] دار ہیں شہر میں شاید دو چار جگہ اور ہوں گے پتنگ میں ایسا اڑاتا ہوں کہ ایک ڈھیلچے[6] سے دو ٹھڈے[7] کی تکل[7] ایک نہیں تو سینکڑوں کاٹی ہونگی لکھنے سے بھی عاری نہیں۔ پڑھنے سے میں عاجز نہیں میں نہیں جانتا کہ امیروں اور امیرزادوں کا وہ کونسا ہنر ہے جو مجھ کو نہیں آتا۔

---

١ یہ ہارنے کی نشانی ہے کہ ہارنے والا جیتنے والے کی ٹانگ کے نیچے سے ہو کر نکلے ۱۲ ٢ شطرنج کھیلنے میں اُستاد ۱۲ ٣ وزیر شطرنج میں سب سے بڑا مہرہ ۱۲ ٤ اپنے پاس پتے نہوں اور رنگ بنے پڑیں گنجیفے میں کھیل کی رو سے ایسا بھی ہو جاتا ہے ۱۲ ٥ زیادہ دیر تک بے تکان اڑ سکے ۱۲ ٦ ڈھیلے کا ۱۲ ٧ پتنگ کے بیچ میں کھڑی ہوئی لکڑی کو ٹھڈا کہتے ہیں۔ تکل پتنگ کی ایک قسم ہے جسمیں گویا دو پتنگ اوپر تلے جڑے ہوتے ہیں ۱۲

قسمت[1] سے تو ناچار ہوں اے ذوق وگرنہ

سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

کل کی بات ہے کہ میری مدح ہوتی تھی اور مجھ کو ہر بات پر شاباش ملتی تھی۔ اب دفعتاً میں ایسا بے ہنر ہو گیا کہ مجھے سیکھنے اور تعلیم پانے کی ضرورت ہے مصرع

ہائے ہم کیا کہیں کیا ہو گئے کیا کیا ہو کر

میرا کونسا فعل ہے جو تم کو اور ابا جان کو معلوم نہیں کیا ابا جان نے میری غزلیں نہیں سنیں۔ میں ان کے صاد[2] کئے ہوئے شعر دکھا سکتا ہوں۔ ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ شطرنج کا ایک بڑا مشکل نقشہ ابا جان نے کسی اخبار میں دیکھا تھا۔ اس کو میں نے حل کیا کبوتر اڑاتے تم نے نہیں دیکھے یا پتنگو نگی لڑائی انھوں نے نہیں سنی۔ کبھی تم نے روکا یا انھوں نے ٹوکا۔ اب یہ نئی بات البتہ سننے میں آتی ہے کہ نماز پڑھو۔ مسجد میں معتکف[3] بن کر بیٹھو کھیلو مت۔ کسی یار آشنا سے ملو مت۔ بازار مت جاؤ۔ میلے تماشے میں مت شریک ہو۔ بھلا کوئی مجھ سے یہ باتیں ہونے والی ہیں ٥

---

[1] تقدیر سے مجبور ہوں ورنہ یکتا ہوں۔ قسمت اور ناچار اور طاق نہایت مناسب طور پر استعمال کیے گئے ہیں ۱۲ [2] استاد یا دیکھنے والا جب کسی شعر کو پسند کرتا ہے تو جس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ صحیح ہے ۱۲ [3] رمضان کے دنوں میں چند دنوں چند روز کیلئے مسجد میں جا کر رہتے ہیں اس کو اعتکاف کہتے ۱۲

جو دل قمار خانے میں بت سے لگا چکے
نہ کعبتین[۱] چھوڑ کے کعبے کو جا چکے

ماں ۔ میں سچ کہتی ہوں کہ جتنی باتیں تم نے کہیں تمہارے باپ جن کو تم مجنون اور مختل الحواس[۲] تجویز کرتے ہو سب پہلے سے سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کو معلوم ہے کہ تم سے ان عادتوں کا ترک ہونا[۳] دشوار ہے اندراندر میں تم کو تعلیم نہ کرنے کا تذکرہ کر کر کے اس قدر حسرت کے ساتھ روتے ہیں کہ دیکھنے والا تاب نہیں لا سکتا ۔ غضب تو یہی ہے کہ تم ان تک جاتے نہیں ورنہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ باپ کے دل کی کیا کیفیت ہے ۔ وہ قائل ہیں کہ اولاد کا کچھ قصور نہیں ان کے بگاڑ کا وبال ان کی خرابی کا الزام سب میری گردن پر ہے ۔ اپنے تئیں کوستے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ان کا باپ تھا یا عدو[۴] تھا کہ میں نے جان بوجھ کر ان کا ستیاناس کیا ۔ دیدہ و دانستہ ان کو غارت کیا ۔ اب کس منہ سے اس کو سمجھاؤں اور کیونکر ان سے آنکھیں ملاؤں ۔ مگر پھر آپ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے

۱؎ کعبتین جوئے کے پاسے ۔ مطلب یہ کہ جواری جس کو جوئے کی لت ہو وہ کعبتین چھوڑ کے کعبے کو کیوں جانے لگا ۱۲ ۲؎ جسکے ہوش درست نہ ہوں ۱۲ ۳؎ چھوٹنا ۱۲ ۔ برداشت نہیں کر سکتا ۱۲ ۴؎ دشمن ۱۲

میں اب تک کوتاہی کی تو کیا تلافی مافات[1] سے غافل رہنا ترکِ فرض سے کچھ
کم ہے۔ ناچار اپنے مقدور بھر کوشش کروں گا مجبوراً حتی الوسع زحمت اٹھاؤں گا
بیٹا۔ خیر ایسا ہی فرض کا خیال ہے تو دوسرے بچوں کو رائے کے مطابق تعلیم
کریں مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔ ماں۔ کیوں۔ کیا خدانخواستہ[2] تم اولاد میں
نہیں ہوتے۔ بیٹا۔ ہوں لیکن مجھ سے بھی آخر کہہ نہ چکے ہیں اُن کے ذمے
سے فرض ساقط[3] ہو گیا۔ ماں یہی حجت دوسرے بھی پیش کر سکتے ہیں۔ بیٹا
جھک مارنے کی بات ہے۔ چھوٹوں کو ماننا چاہیئے۔ ماں کیا چھوٹے سدا
چھوٹے رہیں گے۔ بیٹا۔ بڑے ہوئے پیچھے بے شک اُن کو بھی آزادی
ہونی چاہیئے ماں گھر میں اگر کوئی انتظام کرنا منظور ہو تو جب تک چھوٹے بڑے
سب اس کی تعمیل نہ کریں وہ انتظام چل نہیں سکتا۔ بیٹا۔ چلے یا نہ چلے
بی بی تم سے صاف کہوں مجھ سے تو یہ نماز روزے کا کھڑاگ[4] سنبھلنے والا
نہیں۔ یہ سر حاضر ہے۔ نعیمہ کی طرح چاہو مجھ کو بھی دو چار جوتیاں مار لو۔
ماں۔ الٰہی نماز کچھ ایسی مشکل ہے کہ جوتیاں کھانی قبول پر نماز پڑھنی منظور
نہیں۔ بیٹا۔ مجھ کو تو ایسی ہی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ ماں خیر تم میری اور باپ
کی خاطر سے پڑھ لیا کرنا۔ بیٹا۔ مجھ سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ماں۔ کیوں

---

[1] جو چیز کرنے سے رہ گئی اُسکا بدل ۱۲ [2] خدا نہ کرے ۱۲ [3] اتر گیا ۱۲ [4] بکھیڑا ۱۲

کہو تم کو بات کے کہنے کی ضد ہے۔ بیٹا۔ جو کچھ سمجھو۔ ماں۔ بھلا۔ پھر اس کا انجام کیا ہو گا۔ بیٹا۔ جو کچھ سمجھو۔ ماں۔ بھلا پھر اس کا انجام کیا ہو گا۔ بیٹا ہونا کیا بہت کریں گے خفا ہوں گے۔ دو چار دن میں سامنے نہ جاؤں گا آخر ہم کہہ سنکر بات کو رفت و گزشت کرا ہی دو گی۔ کیوں بی اماں کرا دو گی نا۔ ہماری اماں جان نہیں۔ ماں۔ اگر یہی انجام ہوتا تو میں تم سے اتنا اصرار ہرگز نہ کرتی۔ بیٹا۔ پھر کیا مجھے پھانسی دلوا دیں گے مار ڈالیں گے کیا کریں گے۔ ماں بھلا بیٹا کوئی کسی کو مار سکتا ہے ایک ذرا سا ہاتھ لگانے پر تو نعیمہ نے یہ آفت توڑ رکھی ہے کہ اللہ بچا دے جان سے مارنا تو خدا کا گناہ اور حاکم کا جرم۔ بیٹا۔ شاید یہ کریں کہ گھر سے نکال دیں۔ ماں۔ شاید تم تو بیٹے ہو ان کو اس بلا کا اہتمام ہے کہ اگر میں کبھی ان کی رائے کے خلاف کروں تو تیئیس برس[۲] کا گھر خاک میں ملا دینے کو تیار رہیں۔ بیٹا۔ شاید اسی ڈر کے مارے تم سب کے سب ان ہی کی سی کہنے لگے۔ ماں۔ نہیں اس وقت تک تو کسی کے ساتھ کسی طرح کی سختی کرنے کی نوبت نہ آئی۔ باتیں ہی وہ اس غضب کی کی کرتے ہیں کہ گنجائش انکار باقی نہیں رہتی۔ لیکن ہاں جو تمہاری طرح کوئی کٹھ حجتی کرتا تو ضرور بگڑتے۔ بیٹا۔ میں ان کی خفگی سے تو خیر کسی قدر ڈرتا بھی

---

[۱] گئی گذری ہوئی ہو[۲] معلوم ہوتا ہے کہ فہمیدہ کے بیاہ کو اس وقت تیئیس برس ہوئے تھے ۱۲

تھا لیکن گھر سے نکلنے کی تو بندہ درگاہ ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اور گھر کی طمع سے جو نماز پڑھتے ہیں اس کو بھی کچھ کہتا ہوں[1]۔ اپنے کھانے کپڑے پر گھمنڈ کرتے ہوں گے میں اُن جیسے دس کو کھانا کپڑا دے سکتا ہوں۔ ماں۔ باپ۔ بیچارے تو یہ بات بھی مُنھ سے نہیں نکالی تم اپنے دل سے جو چاہو سو کہو۔ بیٹا۔ نہیں۔ ان کے اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کپڑے کا ڈراوا دکھا کر چاہتے ہیں کہ دین کا توکرا زبردستی ہم لوگوں کے سر پر لاد دیں۔ سو یہ دل سے دور رکھیں۔ میں خود گھر سے دل برداشتہ ہو رہا ہوں[2]۔ نہیں معلوم کیا سبب تھا کہ میں اب تک رہ گیا۔ اگر پہلے سے ذرا بھی مجھ کو معلوم ہوا ہوتا تو خدا کی قسم کبھی کا گھر سے ایسا گیا ہوتا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اندر اب دیکھ لینا دیوانہ رہا ہوے بس ست[3]۔ ماں۔ بیٹا۔ تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ آب تک تم گئے نہیں نہ اپنی کہی نہ ان کی سُنی آپ ہی آپ تم نے ایک بات فرض کر لی اور اس پر غصہ کرنے لگے۔ بیٹا۔ درست چھیڑ چھاڑ میری طرف سے شروع ہوئی یا ان کی طرف سے۔ ماں۔ اپنی بہتری کی بات کو تم نے چھیڑ چھاڑ سمجھا مانا کہ ان ہی کی طرف سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی سہی تو تم کو گھر سے ناراض ہونے کا کیا سبب۔ گھر میں تو میں بھی ہوں اللہ رکھے تمھارے بھائی ہیں۔

---

[1] یعنی لعنت کرتا ہوں ۱۲ [2] میرا دل اچاٹ ہو رہا ہے ۱۲ [3] باولے آدمی کو اشارہ بس کرتا ہے ۱۲

بہنیں ہیں ہم سب نے تمھارا کیا قصور کیا ہے۔ بیٹیا۔ تم سب تو ان ہی سے ملے ہوئے ہو اچھا اگر تم کو میرا پاس ہے تو میرا ساتھ دو۔ ماں۔ اگر تمھارے باپ کی زیادتی ہوتی تو بے شک میں تمھاری طرفداری کرتی۔ انسان وہ کام کرے کہ دس بھلے آدمیوں میں بات آپڑے تو لوگ اس کو الزام نہ دیں فرض کیا کہ تم اتنی ہی بات پر گھر سے خفا ہو کر چلے گئے تو لوگ تم ہی کو قصور وار ٹھہرائیں گے۔ بٹیا۔ لوگ میرے قاضی[1] نہیں مفتی[2] نہیں۔ میں کسی کی رعیت نہیں۔ جب میں اپنے سگے باپ کے کہنے کی پروا نہیں کرتا تو لوگ بھونکا[3] کریں۔ ماں۔ بیٹا دنیا میں رہکر تو ایسی آزادی نبھ نہیں سکتی۔ بیٹیا۔ اجی ایسی بنھے کہ جسے کہتے ہیں ؎

کیا اس کو نباہتا ہوں   ان شاء اللہ دیکھیے گا

ماں۔ تو کیا تم گھر سے چلے جاؤ گے۔ بٹیا۔ کوئی مجھ کو روک بھی سکتا ہے۔

؎ مانع[4] دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

---

[1] و [2] اسلام کی عملداری تھی تو قاضی اور مفتی شرع محمدی کے مطابق جھگڑے فیصل کیا کرتے تھے ۱۲ [3] سگے کے ساتھ بھونکنا بہت مناسب واقع ہوا ہے ۱۲ [4] کوئی تدبیر نہیں کہ مجھکو جنگل میں پڑے پھرنے سے روکے لوگوں نے میرے پاؤں میں جو زنجیر ڈالی ہے اس کو بھی پاؤں کا چکر سمجھو اور پاؤں میں جو چکر کا نشان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اس کو سلری عمر سفر رہتا ہے ۱۲

ماں۔ کیوں رُو کتے والی میں موجود بیٹھی ہوں۔ کیا میرا تم پر کچھ بھی حق نہیں یہ کہہ کر فہمیدہ کا دل بھر آیا۔ اور اس پر رقّت طاری ہو گئی۔ میں نے تم کو نو مہینے اسی دن کے واسطے پیٹ میں رکھا تھا اور اسی لئے تمھارے پالنے کی مصیبتیں اٹھائی تھیں کہ جب بہار دیکھنے کے دن آئیں تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ کلیم! سچ کہتی ہوں ذرا جا دیکھو قیامت تک وہ دودھ بخشنے[1] ہی کی نہیں۔ بیٹا۔ مصرع

ایں[2] ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

ماں۔ بھلا ایسے جانے میں کیا فلاح و برکت ہو گی کہ باپ کو ناراضامند کر کے جاؤ اور ماں کو ناخوش اور بے وجہ اور بے سبب۔ بیٹا۔ خیر اب تو یہی دل پر ٹھنی ہے مصرع

سر[3] جائے یہ درد سر نہ جائے

اور کچھ خاص کر یہی سبب نہیں مدتوں سے میرا دل گھر میں بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تھا اور ہمیشہ خیال آیا کرتا تھا کہ چلوں ذرا باہر کی بھی ہوا کھاؤں۔

مصرع چل در میکدہ تک ہے حرکت[4] میں برکت

---

[1] عورتوں کا مسئلہ ہے کہ جبتک ماں اولاد کو اپنا دودھ نہ بخشے اُنکی نجات نہیں ۱۲

[2] عاشقی میں جہاں اور غم ہیں یہ بھی سہی ۱۲ [3] یعنی بلا سے سر جائے رہے جائے مگر یہ خیال ہے وہ کم نہ ہو ۱۲ [4] یہ عربی کی مثل ہے فی الحرکت برکت شاعر کہتا ہے کہ شراب خانے کے دروازے تک چل کچھ نہ کچھ فائدہ ہی پہنچ رہیگا ۱۲

ماں۔ گھر سے ناراض ہو کر جاؤ گے تو اچھا باپ دادے کا نام تمام شہر میں اُچھلے گا۔ بیٹا۔ جب باپ نے میرا پاس آبرو نہ کیا تو خاندان کی عزت رہے تو بلا سے اور جائے تو بلا سے۔ ماں۔ باپ دادوں کی عزت تو رہے یا جائے تم نے گھر سے باہر قدم رکھا اور تمھاری بات[1] دو کوڑی کی ہوئی۔ یہی تمھارے دوست آشنا جو رات دن تمھاری للّو پتّو میں لگے رہتے ہیں سلام تک کے روادار تو ہونے ہی کے نہیں۔ ہمدردی اور غمگساری کا تو کیا مذکور ہے۔ بیٹا۔ گھر سے نکل کر میں نے دلی میں رہنے کی قسم کھائی ہے۔ ملک[2] خدا تنگ نیست۔ پائے گدا لنگ نیست۔ جدھر کو منہ اُٹھا چل کھڑے ہوئے۔ ماں۔ بھلا میں سنوں کہ تم نے کونسا ٹھکانا سوچا ہے۔ بیٹا ہ

جب[3] میکدہ چھٹا تو پھر اَب کیا جگہ کی قید

مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

ماں۔ بھلا پھر اس میں خوبی کیا نکلی کہ تم نے عیش چھوڑا۔ آرام چھوڑا۔ گھر چھوڑا۔ عزیز و اقارب چھوڑے اور ان سب کے بدلے ملا تو کیا ملا۔

---

[1] یعنی تم بیقدر ہو جاؤ گے ۱۲ [2] خوش آمد ۱۲ [3] دنیا میں جگہ کی کمی نہیں میں لنگڑا اپاہج نہیں ۱۲ [4] جب شراب خانہ جہاں میں رہنا پسند کرتا تھا چھٹ گیا تو پھر مجھ کو سب جگہ برابر ہے ۱۲

تو کیا مِلا بدنامی کا خلعت رسوائی کا خطاب مفلسی اور محتاجی کا انعام تکلیف و مصیبت کا پروانہ۔ تردّد و پریشانی کا فرمان موٹی سی موٹی سمجھ اور چھوٹی سی چھوٹی عقل بھی اسکو جائز نہیں رکھتی۔ بٹیا۔ عقل[۱] چہ گُتّی[۲] ست کے پیش مرداں بیاید۔ ماں۔ تم تو باپ کو باؤلا اور مجنون بتاتے تھے مگر باؤلوں کی سی باتیں دیوانوں کی سی حرکتیں تم خود کرتے ہو۔ دیکھو کہے دیتی ہوں بہت پچتاؤگے بہت افسوس کروگے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم میری بات مانو لیکن جسکو تم اپنے نزدیک معقول پسند اور دانشمند سمجھتے ہو اس سے پوچھو۔ صلاح لو مشورہ کرو۔ دیکھو تو کیا کہتا ہے۔ بٹیا مصرع

رائے اپنی صلاح ہے اپنی

ماں۔ بھلا اتنا تو سمجھو کہ میں جو تم سے اتنا اصرار کر رہی ہوں اور اتنی دیر سے تمھارے پیچھے سر کھپا[۳] رہی ہوں اس میں میرا نفع یا تمھارے باپ کا فائدہ ہے اگر تم نیک بنوگے تو کچھ ہم کو نہیں بخشدوگے یا کوراہ[۴] چلوگے تو ہم سے چھین لوگے۔ مگر خدا نے یہ اولاد کی ماما[۵] کمبخت ایسی ہمارے پیچھے لگا دی ہے کہ جی نہیں مانتا اور دل صبر نہیں کرتا کہ تم کو بگڑتا دیکھیں اور نہ روکیں تم خرابی

---

۱ یہ اور اس قسم کی چند باتیں آوارہ لوگوں نے بنا رکھی ہیں اور ان ہی کی صحبتوں میں بولی جاتی ہیں ان کو مستند مثل مت سمجھ لینا ۱۲ ۳ مغز مار رہی ہوں بک رہی ہوں ۱۲ ۴ بدراہ ۱۲ ۵ محبت ۱۲

کے لچھّن اختیار کرو اور ہم منع نہ کریں۔ ماں بیٹے میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بیدارا اندر سے ایک خط لیئے ہوئے نکلی اور وہ خط اس نے کلیم کے ہاتھ دیا۔ رات کا وقت اور بیدارا کا اندر سے خط لیکر نکلنا فہمیدہ سمجھ گئی کہ ضرور کلیم کے باپ کا خط ہے جب تک کلیم خط پڑھتا رہا فہمیدہ چپ بیٹھی دیکھا کی۔ خط پڑھنے کے بعد کلیم چاہتا تھا کہ پھر وہی بات شروع کرے اتنے میں فہمیدہ نے پوچھا باپ نے کیا لکھا ہے۔ بیٹا۔ ان کو تو جاتی ہوئی بات کے پیچھے پڑتے ہیں تو پہروں کی خبر لاتے ہیں۔ پھر بلایا ہے۔ ماں۔ صرف بلاوے کا اتنا بڑا بھاری خط ذرا میں بھی دیکھوں فہمیدہ نے خط لیکر پڑھا تو اُس میں لکھا تھا (خط) اے جان پدر[۱] ارشدک اللہ تعالیٰ[۲] میں نے تم کو پہلے علیم اور پھر رسولن کے ہاتھ بلوایا اور تم نہ تو آئے اور نہ معذرت[۳] کی ذلیل[۴] معذرت کہلا بھیجی جس سے ظاہر ہے کہ تم نے مجھ کو، ہیچ[۵] اور میرے حکم کو بے وقعت محض سمجھا۔ اگرچہ میرے نزدیک دنیا کا ضروری سے ضروری کام بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ باپ بلائے اور بیٹا اس کام کے حیلے سے باپ کے پاس حاضر ہونے میں مکث[۶] کرے لیکن اگر کوئی ضرورت ایسی درپیش تھی کہ تم اس کو میری طلب[۷] پر مقدم رکھنا چاہتے تھے تو اس ضرورت کو مجھ پر ظاہر

---

[۱] اے باپ کی جان [۲] تم کو خدا نیک ہدایت دے ۱۲ [۳] عذر ۱۲ [۴] ذلیل ۱۲ [۵] کم قدر ۱۲ [۶] توقف دیر ۱۲ [۷] مطلب یہ ہے کہ میرے بلانے کو پیچھے ڈال کر اس کام کو پہلے کرنا چاہتے تھے ۱۲ ۔

اور اپنی مجبوری سے مجھ کو مطمئن کرنا بھی تم پر لازم تھا۔ نہ صرف اس نظر سے کہ میں تمھارا باپ ہوں اور تم میرے بیٹے بلکہ اداب تمدن[۱] اور اخلاق معاشرت[۲] اسی طرح کے برتاؤ کے مقتضی[۳] ہیں۔ دنیا کا انتظام جس قاعدے اور دستور سے چلتا ہے تم اپنے تئیں اس سے بے خبر اور ناواقف نہیں کہہ سکتے۔ ہر گھر میں ایک مالک۔ ہر محلے میں ایک رئیس۔ ہر بازار میں ایک چودھری۔ ہر شہر میں ایک حاکم۔ ہر ایک ملک میں ایک پادشاہ۔ ہر فوج میں ایک سپہ سالار۔ ہر کام کا ایک افسر۔ ہر فرقے کا ایک سرگروہ ہوتا ہے الغرض ہر گھر میں ایک چھوٹی سی سلطنت ہے۔ اور جو شخص اُس گھر میں بڑا بوڑھا ہے وہ اس میں بمنزلہ[۴] بادشاہ کے ہے۔ اور گھر کے دوسرے لوگ بطور رعایا اُس کے محکوم ہیں۔ اگر ملک کی بدنظمی حاکم ملک کی غفلت اور بے عنوانی[۵] سے ہوتی ہے تو ضرور اس گھر میں جو خرابی ہے اس کا الزام مجھ پر ہے اور میں نہایت ندامت اور حسرت کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ ابتک میں بہت ہی غافل بادشاہ اور بڑا ہی بیخبر حاکم رہا ہوں۔ میری غفلت نے میرے ملک کو غارت اور میری سلطنت کو تباہ کر دیا۔ میری بیخبری نے نہ صرف مجھ کو ضعیف الاختیار[۶] بنایا۔ بلکہ رعیت کو بھی ایسا سقیم الحال[۷] کر دیا کہ اب اُن کے پنپنے کی امید نہیں۔

---

[۱] لوگوں میں مل جلکر رہنے کا ادب ۱۲ [۲] میل ملاپ کے قاعدے ۱۲ [۳] چاہتے ہیں ۱۲ [۴] بجائے ۱۲
[۵] بے طوری بے قاعدگی ۱۲ [۶] جس کے اختیارات بودے اور کمزور ہوں [۷] خستہ حال ۱۲

جس طرح چھوٹے چھوٹے نواب اور رجواڑے سلطانِ وقت کے حضور میں اپنے ملکوں کی بدنظمی کیواسطے جواب دہی کیا کرتے ہیں اور ان کو غفلت اور بیجنوانی کی سزا ملتی ہے. واجد علی شاہ[۱] سے سلطنت منتزع[۲] ہوئی والی ٹونک مسندِ حکومت سے اتار دیئے گئے - میں بھی پادشاہ دو جہان کے حضور میں اپنے گھر کی خرابی کا جواب دہ ہوں اور دوسروں کو سزایاب ہوتے دیکھکر اب مجھکو سچا اور پورا[۳] ائتبۃ ہوا ہے - اور میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ آئندہ سے میری خانہ داری ملک میں جتنے رخنے[۴] ہیں بند - جتنے خلل[۵] ہیں مسدود - جتنے نقص ہیں پورے - جتنے سقم ہیں دفع کیئے جائیں بڑی خطرناک قباحت جو میں اپنے مُلک خانہ داری میں پاتا ہوں یہ ہے کر میں اور میری رعایا یعنی تم لوگ شاہنشاہ[۶] دوجہاں سے سرکشی و لبغاوت پرآمادہ و کمربستہ ہو - اور خراجِ عبادت جو ہم کو وقتِ مقرر پر ادا کرنا چاہیے بالکل باقی پڑا ہے خراج جو ہم پر عائد کیا گیا ہے میں دیکھتا ہوں تو نہایت ہی ہلکا اور نرم اور رعایتی ہے - اگر ہم چاہتے تو کوئی قسط بھی باقی نہ رہتی اور جو مطالبہ شاہی تھا بے زحمت اپنے وقت پر خزانۂ عامرہ سرکاری میں داخل ہو چلیا کرتا - ایں ہمہ جو کوتاہی ہماری طرف سے ہوئی ظاہر ہے - اس نادہندی کی

---

[۱] لکھنؤ کے بادشاہ تھے سلطنت سے اتار دیئے گئے مدتوں کلکتے میں نظربند رہے اسی جگہ مرے ۱۲
[۲] چھین لی گئی ۱۲ [۳] آگہی ۱۲ [۴] سوراخ ۱۲ [۵] پہلے جملہ کا ٹھیک ترجمہ ہے ۱۲
[۶] مراد ہے خدائے تعالیٰ ۱۲

کوئی نامعقول تاویل بھی تو ہم نہیں کرسکتے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو پچھلا خراج تمام و کمال بے باق کریں اور اپنا قصور معاف کرائیں اور آئندہ کو عہد کریں کہ کبھی باقی نہ رکھیں گے یا بادشاہ کے ساتھ لڑیں اور مقابلہ کریں اور ہو سکے تو اپنے تئیں اُس کے ربقۂ[1] اطاعت سے آزاد کرلیں۔ شاہی قوّت اور ہمارا ضعف[2] تو ظاہر ہے۔ بھلا ہماری تو کیا ہستی ہے فرعون[3] اور نمرود اور شدّاد اور ہامان اور قارون کیسے کیسے جابر[4] و مقتدر[5] ہو گزرے ہیں باغی ہوئے تو کسی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا پس سوائے اطاعت[6] و انقیاد دوسرا چارہ[7] نہیں۔ رعایائے ملک میں تم کو سر برآوردہ[8] اور ممتاز سمجھ کر صلاح و مشورہ کے لیے بلایا تھا۔ تمھارے نہ آنے سے ثابت ہوا کہ تم کو سرکار کا ذرا سا بھی خوف نہیں اب تک میں نے تشبیہ و تمثیل میں تم سے گفتگو کی اور اس سے تم کو معلوم ہو جائیگا کہ کس مجبوری سے میں تمھارے معاملات میں دخل دینا اور تمہارے افعال سے تعرض کرتا ہوں۔ میرا دخل و تعرّض بے شک تم کو

---

۱ فرمانبرداری کی رسّی جو گلے میں پڑی ہے ۱۲ ۲ کمزوری ۱۲ ۳ فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ ہامان اس کا وزیر دونوں کافر۔ حضرت موسیٰ نے دونوں کو ہلاک کیا۔ قارون حضرت موسےٰ کا رشتہ دار تھا حضرت موسیٰ کا کہنا نہ مانا گھر بار سمیت زمین میں دھنس گیا۔ نمرود و شداد دو کافر بادشاہ تھے خدا سے منحرف۔ نمرود کو مچھر نے ہلاک کیا۔ شدّاد نے بہشت کا جواب عدن میں ایک باغ بنوایا۔ اس میں گھسنے نہ پایا کہ مر گیا ۱۲ ۴ سخت گیر ۱۲ ۵ مقدور والے ۱۲ ۶ فرمانبرداری ۱۲ ۷ علاج ۱۲ ۸ سب میں بڑے ۱۲

دخل بیجا اور تعرض ناروا معلوم ہوتا ہوگا۔ لیکن ذرا اپنی اور میری ذمہ داری کو انصاف کیساتھ موازنہ[1] کروگے تو سمجھ لوگے کہ اس کا بیجا اور ناروا سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ جن شرطوں کا میں تم کو پابند کرنا چاہتا ہوں میں اپنے تئیں اور کسی کے تئیں ان سے مستثنےٰ نہیں کرتا پھر شکایت کیا اور گلہ کیوں تم جیسے نوجوان آدمیوں کو مذہب کے بارے میں کبھی کبھی خدشات بھی ناقع ہوا کرتے ہیں اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں۔ خدشے کا ناقع ہونا دلیل جستجو ہے اور جستجو کا انجام ہے حصول۔ جوئندہ[2] یابندہ۔ اگر تم میں سے کوئی ایسا خدشہ پیش کرتا ہے تو میں اس کا جواب دینے کو موجود ہوں جہاں تک میں سمجھتا ہوں مذہب کے اصول ایسے سچے اور یقینی اور بدیہی[3] اصول ہیں کہ اُن میں اذوبا نکار کا مدخل ہو ہی نہیں سکتا۔ چونکہ ابتدائے شعور سے اب تک ہم لوگ غفلت اور سستی اور بے پروائی اور خداوندِ جل وعلا[4] شانہٗ کی مخالفت اور عدول حکمی اور نافرمانی میں زندگی بسر کرتے رہے اور گناہ اور خطا کاری کی عادتیں ہمارے دلوں میں راسخ[5] ہوگئی ہیں البتہ میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں۔ کہ ایک مدت میں رنگِ معصیت[6] ہمارے سینوں سے دور ہو کر یہ

---

[1] مقابلہ ۱۲ [2] جو ڈھونڈتا ہے پاتا ہے ۱۲ [3] کھلی ہوئی بات جس کے لیے دلیل کی ضرورت نہ ہو ۱۲ [4] اسکی شان بزرگ اور بڑی ہے ۱۲ [5] جم گئی ہیں ۱۲ [6] نافرمانی ۱۲

آئینہ ایمان کی جلاء[1] سے منور ہوں گے لیکن بالفعل میرا مطلب اسی قدر تھا کہ ہر شخص مناسب حالات اپنا اپنا فکر کر چلے۔ جب میں اپنی اور تم سب کی پچھلی زندگی پر نظر کرتا ہوں تو اپنی بوٹیاں[2] توڑ توڑ کر کھاتا ہوں۔ کیونکہ اس ساری خرابی کا بانی[3] اور اس تمام تر بدی کا موجب[4] میں ہوں اے کاش میرا اتنا ہی قصور ہوتا کہ میں اپنی ذات سے گنہگار قرار دیا جاتا۔ نہیں تم سب کے گناہوں میں میرا ساجھا اور تم سب کی خطاؤں میں میری شرکت ہے۔ میں خدا کا گنہگار الگ ہوں اور تمہارا قصوروار الگ لیکن افسوس کہ اس گناہ کا کفارہ[5] اور اس قصور کی تلافی میرے اختیار سے خارج ہے ہاں مگر تم مجھ پر رحم کر کے اپنی اصلاح وضع کرو۔ کیا تمہاری سعادت مندی اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ تمہارے سبب قیامت میں میری رسوائی ہو۔ کیا تمہاری حمیت[6] اس بات کو پسند کرتی ہے کہ تمہاری وجہ سے حشر کے دن میں خدا کے غضب میں پکڑا جاؤں۔ چونکہ تم میرے بڑے بیٹے ہو مجھ کو سب سے زیادہ تمہارا بھروسا تھا کہ تم اس مشکل میں میرا ساتھ دو گے۔ میری مدد کرو گے۔ نہ کہ تم نے ملنے سے بھی کنارا کیا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میری آس ٹوٹ گئی۔

---

[1] آئینہ کو مانجھنا کہ اس میں منہ دکھائی دینے لگے ۱۲ [2] یعنی مارے غصے کے ۱۲
[3] بنیاد ڈالنے والا ۱۲ [4] ایجاد کرنے والا ۱۲ [5] گناہ کا اتار ۱۲ [6] غیرت ۱۲

اور میرے ذہنی منصوبے تمام بگڑ گئے - اتنی بڑی مہم اور میں اکیلا - اتنا مشکل کام اور میں تنہا - تم جانتے ہو کہ تمہارا انحراف[1] میرے انتظام کتنا خلل ڈالے گا - چھوٹے بڑے سب تم کو سند گردانیں گے اور بات بات میں تمہارا حوالہ دیں گے - اگر تم اسی مصلحت سے میرے شرائط کو قبول کر لیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا - تم نے ابتدا ہی سے وہ سختی اختیار کی جس کی مجھ کو انجام میں بھی تم سے توقع نہ تھی - جتنی مشکلیں مجھ کو پیش آنے والی ہیں - میں اُن سے بے خبر نہیں ہوں اور اگر اس ارادے کا ترک کر دینا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تم سے سچ کہتا ہوں ہو میں اس بات کو منھ ہی سے نہ نکالتا لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ میں کوئی انوکھا[2] آدمی نہیں ہوں - آخر مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے ابھی جب میں نے ہیضہ کیا تو کیا مرنے میں کچھ باقی رہ گیا تھا - خدا کی قدرت تھی کہ اُس نے مجھ کو از سر نو[3] پھر جلا دیا لیکن بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی ؎

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت | پھر آخر کو مرنا ہے حضرت سلامت

اور جس طرح مرنا یقینی ہے یہ بھی یقینی ہے کہ مجھ کو اپنے اعمال و افعال کے واسطے خدا کے حضور میں جواب دہی کرنی پڑے گی اور نہ صرف اپنے اعمال و

---

[1] پھر بیٹھنا ۱۲ [2] نئی طرح کا ۱۲ [3] نئے سر سے ۱۲

افعال کے واسطے بلکہ تم سب کے اعمال و افعال کے واسطے بھی بس سوائے اس کے کہ میں اپنا اور تم سب کا طرز زندگی بدل دوں اور کچھ چارہ نہیں۔ اگر تم میرے پاس آئے ہوتے اور مجھ سے تم سے بات چیت ہوئی تو میں تمہاری رائے دریافت کر کے ایک خاص طور پر تم سے گفتگو کرتا۔ اب مجھ کو معلوم نہیں۔ کہ جتنی باتیں میں نے کہیں ان میں کونسی تم کو تسلیم ہے اور کس سے تم کو انکار ہے۔ پس اب زیادہ لکھنا میں فضول و عبث سمجھتا ہوں۔ لیکن جو کچھ میرے ذہن میں تھا میں لکھ چکا میں تم سے اس کے جواب کا متقاضی نہیں۔ اور اس کے دو سبب ہیں۔ اوّل یہ کہ میں اپنے تقاضے کا لاحاصل اور بے اثر ہونا دیکھ نہیں سکتا۔ دوسرے صرف ایک ہی جواب ہے کہ میں بطیب خاطر[۱] سن سکتا ہوں وہ یہ کہ تم میری شرطوں کو منظور کرو ورنہ میں اپنے تئیں مواخذۂ عاقبت[۲] سے بچانے کے لئے البتہ ان چند روزہ رشتوں کا پاس اور ان عارضی قرابتوں کی پروا نہیں کرسکتا۔ اور یہ میرے بارے درجے کی تدبیر ہے۔ اور میں خدا سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں کہ مجھ کو اس کے اختیار کرنے کی ضرورت واقع نہ ہو۔ والدعا[۳] خط پڑھ کر فہمیدہ بیٹے سے کہنے لگی۔ دیکھا بیٹا۔ مصرع جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔

[۱] خوشی سے ۱۲
[۲] آخرت کی پکڑ ۱۲ [۳] اور دعا۔ یہ کلمہ چھوٹوں کے نام کے خط کے آخر میں لکھ دیا کرتے ہیں ۱۲

ماں کیا۔ اب بھی تم کو باپ کی نسبت جنون کا احتمال ہے۔ بیٹا۔ احتمال کیا اب تو یقین کامل ہے۔ بقول شخصے مص ع

دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں۔

اپنے تئیں بادشاہ سمجھنا جنوں نہیں تو کیا ہے۔ ماں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[۱]۔ بیٹا۔کیوں آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ کس بات پر کہا۔ ماں تمھاری الٹی سمجھ اور تمھاری بدقسمتی پر۔ بیٹا۔ مصرع۔ بہتر ہے وہی جو کچھ بدی[۲] ہے۔ ماں۔ تو کیا سچ مچ تم باپ کے پاس نہیں جاؤ گے۔ بیٹا۔ اب تو میرا نہ جانا اُن پر بھی ظاہر ہو گیا۔ پھر کیا ضرورت ہے۔ کل جیسی ہوگی دیکھی جائیگی۔ ماں۔ دیکھو پھر میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ رات کو اطمینان سے تم اس خط کے مطلب پر غور کرو تمھارے باپ نے کوئی بات بیجا نہیں لکھی جو شخص اس خط کو دیکھے گا تم ہی کو قائل معقول کرے گا۔

---

[۱] ہم خدا کے ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۱۲ [۲] جو قسمت کا لکھا ہے ۱۲

نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ نے اس کو آ کر منایا۔ کھانا کھلایا اور اسی کے ساتھ نعیمہ خالہ کے یہاں چلی گئی

ابھی فہمیدہ یہ بات پوری بھی نہ کرنے پائی تھی کہ صالحہ کی ڈولی آ پہونچی اترتے کے ساتھ خالہ سے پہلے یہی پوچھا کیوں آپا[1] نے کچھ کھایا پیا یا نہیں۔ خالہ کچھ بھی نہیں۔ صالحہ۔ ہیں کہاں۔ زرپے[2] کے اندر کوٹھری میں۔ صالحہ۔ آخر بات کیا ہوئی تھی۔ خالہ۔ کیا علیم نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ صالحہ۔ اتنا ہی کہا کہ لڑائی ہوئی ہے صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ میں ہر چند پوچھتی رہی کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ بھائی وہیں چل کر پوچھ گچھ کر لینا۔ تب خالہ نے شروع سے آخر تک سب ماجرا کہہ سنایا۔ صالحہ بڑی دانشمند لڑکی تھی۔ اور اگرچہ نعیمہ سے عمر میں کچھ چھوٹی تھی مگر دونوں میں بڑا ہی میل ملاپ تھا۔ صالحہ کو جو وقت پیش آنیوالی تھی اس کو سوچ سمجھ کر اس نے خالہ سے کہا کہ ان شاء اللہ میں آپا کو راضی کروں گی مگر میرے سوائے اس مکان میں دوسرا آدمی کوئی نہ رہے۔

---

[1] مراد ہے نعیمہ ۱۲ [2] لفظی معنی پردہ ۱۲

کیونکہ گھر میں جتنے آدمی ہیں آخر سب اس حال سے واقف ہیں۔ ان میں سے کوئی سامنے جائے گا تو آپا کو ضرور حجاب[۵۱] ہوگا۔ بات صالحہ نے معقول سوچی تھی۔ کیونکہ جب ایک مجمع میں کسی آدمی کی بے عزّتی ہوتی ہے تو جو لوگ اُس کی تفضیح[۵۲] دیکھ چکے ہیں وہ سب کو اپنا دشمن ٹھہرالیتا ہے۔ شاید اس خیال سے کہ یہ سب کھڑے دیکھتے رہے اور انھوں نے میری کچھ مدد نہ کی۔ اور ان میں سے جب کوئی شخص سامنے آتا ہے تو اُس ستم رسیدہ[۵۳] کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسی نے مجھ کو فضیحت کرایا تھا۔ پس ضرور اس کے غصّے کو ترقی اور اُس کے غضب کو زیادتی ہوتی ہے۔ اور بیچاری بیدارا نے جو ناحق ایک دولتّی کھائی تو اسی وجہ سے ورنہ اس کا کیا قصور تھا۔ وہ ماں بیٹیوں کے بیچ میں کچھ بولی نہیں چالی نہیں۔ نہ کسی طرح کا دخل دیا۔ نہ کسی کی طرف داری کی اور دخل دینے کی فرصت کس کو ملی۔ ماں بیٹیوں میں ایک بات پر ردّوکد ہونی شروع ہوئی جیسے ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ ماں نے دفعتہً بیٹی کو طمانچہ کھینچ مارا غرض بات کی بات میں تو تیاری۔ سامان۔ ارادے۔ چڑھائی۔ مار کٹائی۔ ہار جیت۔ سب کچھ ہوگیا۔ گھر والے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہے۔ صالحہ نے جو اپنا انتظام خالہ کو سنایا انھوں نے بھی پسند کیا اور سب

---

۵۱ یہاں مراد ہے شرمندگی ۱۲ ۵۲ رسوائی ۱۲ ۵۳ مظلوم ۱۲ ۵۴ تکرار ۱۲

لوگوں سے کہہ دیا کہ اُس قطعے میں کوئی نہ جائے۔ ہر ایک کو سونے بیٹھنے کا ٹھکانا بتا دیا اور اپنے واسطے یہ تجویز کی کہ ہم گھونگھٹ لے سب مردانے میں پردہ کرا کر سو رہیں گے۔ بلکہ صالحہ نے کہا بھی کہ آپ کوٹھے پر سوئیں۔ خالہ نے جواب دیا کہ ابھی مجھ کو اُن بڑے حضرت میاں علیم کے ساتھ سر مارنا ہے صالحہ۔ کیا ان سے بھی لڑائی ہوئی ہے۔ خالہ۔ لڑائی کیسی ان سے تو جھیلم جُھپٹا ہو رہی ہے۔ صالحہ۔ کس بات پر۔ خالہ۔ بات تو اتنی ہی ہے کہ باپ نے اُن کو نماز روزے کے واسطے نصیحت کرنے کو اپنے پاس اوپر بلوایا یہ نہیں گئے۔ صالحہ۔ خالو جان نے بلوایا اور نہیں گئے۔ خالہ۔ تم کو نہ جانے پر تعجب ہوتا ہے باتیں سنو تو حیران ہو جاؤ۔ باپ کو دیوانہ اور مجنون۔ نماز کو ڈھکوسلا۔ دین کے پیشواؤں کو مُلّانے قل اعوذیئے۔ مردہ شوئے۔ ٹکڑ گدے۔ بھیک منگے۔ صالحہ۔ کسی نے آپ سے غلط کہہ دیا ہوگا۔ خالہ۔ میرے روبرو۔ صالحہ۔ پھر کسی سے ان کو سمجھوایا ہوتا۔ خالہ۔ ایک سمجھانا علیم نے بہتیرا سر مارا میں شام سے اب تک کہتے کہتے تھک گئی۔ جن بیتوں سے آج کا دن کٹا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے۔ ذرا نیک میرے یا حمیدہ کے منہ میں گیا ہو تو جس طرح کی چاہو قسم لے لو۔ اُس پر نعیمہ کا فکر۔ علیم کا تردّد۔ اللہ سب سے بڑھ کر نعیمہ کے بچے کا سنبھالنا کہ آج اس کو زور بھر روتے گذرا ہے۔ صالحہ۔ آپ کھانا کھائیے۔ دوسرا وقت بھی ناوقت ہو گیا

ف ۱ بلکہ۔ سمجھانا ۱۲

یقین ہے کہ آپ کے کھاتے کھاتے میں آپا کیواسطے کھانا منگواتی ہوں خالہ
میری کیا جلدی ہے میں کھا ہی لوں گی حمیدہ بے چاری کے صبر کو دیکھیہ
کہ اس نے کھانے کا نام بھی تو نہیں لیا۔ کل اسی وقت کا کھائے ہوئے رہے۔
خالی پیٹ میں دن بھر پانی انڈیلتی رہی ہے۔ میں نے ہر چند کہا۔ نہ مانا۔
آخر بھبہ کی سو رہی۔ صالحہ۔ کیا آپ حمیدہ پر بھی کچھ خفا ہوئی تھیں۔ خالہ۔
مطلق نہیں۔ اس نے بہن کے افسوس میں کھانا نہیں کھایا۔ بہن کا وہ حال
کہ بس چلے تو جان سے مار ڈالنے میں تامل نہیں اور اس کی یہ کیفیت کہ بہن پر
اپنا دم دیتی ہے۔ بھانجے کو اسقدر چاہتی ہے کہ رات کو بھی نوہ ساتھ لے کر
سوتی ہے۔ صالحہ۔ حمیدہ کو آپ جگائیے اور اطمینان سے آپ بھی کھانا
کھائیے اور اس کو بھی کھلائیے آپا کا اب کچھ فکر نہ کیجیے۔ یہ کہہ کر صالحہ۔
اندر مکان میں گھستے ہی پکاری۔ کیوں بی میری آپا کہاں ہیں گھر میں کوئی ہو
تو جواب دے۔ سب سے پہلے باورچی خانے میں گئی۔ وہاں نہ دیکھا دالان
میں آئی۔ وہاں بھی نہ پایا تو سہ درے میں ڈھونڈھتی پھری غرض ٹٹال ٹٹول
کرتے کرتے آخر کار درے والی کوٹھری کے پاس آکر جھانکنے لگی جہاں نعیمہ تھی۔
نعیمہ دن بھر تو فرش پر پڑی رہی۔ مگر صالحہ کی آواز سنتے کے ساتھ جلدی
اٹھ منہ لپیٹ پلنگ پر جا لیٹی اور دروازے کی طرف پیٹھ کر لی۔ صالحہ نے پہلے
تو انجان بن کر پوچھا یہ پلنگ پر کون لیٹا ہے۔ پھر آپ ہی آپ کہنے لگی آہا آپا!

ہیں۔ اَیں اکیلی کوٹھری میں اور ایسے سویرے۔ اتنا کہا اور دوڑ کر نعیمہ سے لپٹ گئی۔ نعیمہ نے جب سے صالحہ کی آواز سُنی اُس کو ایک طرح کی حیرت تھی کہ سان نہ گمان دفعتہً "یہ کہاں آموجود ہوئیں۔ مگر یہ بات اس کے ذہن میں بھی نہیں گذری کہ بلائی ہوئی آئی ہے۔ نعیمہ نے اس وقت اپنے تئیں ایسا بنا لیا کہ گویا دیر سے پڑی سوتی ہے۔ اور بھاری سے آواز بنا کر بولی اے ہے بھائیؔ ہم کو دق نہ کرو سونے دو صالحہ اتنی بی آپا میں ہوں صالحہ۔ اٹھو مُنہ تو کھولو۔ ابھی سے کیوں سو رہیں۔ جی کیسا ہے۔ اگرچہ نعیمہ نے چاہا تھا کہ صالحہ پر اپنی کیفیت ظاہر نہ کرے مگر اس نے ایسی ہمدردی سے پوچھا کہ نعیمہ ضبط نکر سکی اور رونے لگی اُس کو روتا دیکھ صالحہ نے اور اصرار سے پوچھنا شروع کیا۔ سر دکھتا ہے۔ پیٹ میں درد ہے۔ بچے کا جی کیسا ہے سُسرال والوں نے کچھ کہلا بھیجا ہے۔ گھر میں کسی سے لڑائی ہوئی ہے۔ صالحہ بہتیرا پوچھتی تھی مگر نعیمہ ہاتھوں سے پرے کو ڈھکیلتی جاتی تھی اور کچھ جواب نہیں دیتی تھی۔ آخر صالحہ نے کہا۔ نہ بتاؤ تو مجھی کو کھاؤ۔ تب نعیمہ خفا ہو کر بولی۔ چل مکّارہ مجھ سے باتیں بنانے آئی ہے کیا تجھ کو خبر نہیں۔ صالحہ۔ ابھی مولوی ہدایت اللہ صاحب کے واعظ سے اٹھی چلی آتی ہوں۔ یہاں آئی تو خالہ امّاں اور گھر والے سب مردانے مکان میں ہیں۔ اتنا سُنا کہ بڑے بھائی خفا ہو کر گھر سے جاتے ہے

لہ یہ لفظ ایسا کثیر الاستعمال ہے کہ بہن کی جگہ بھی بول دیتے ہیں ۱۲

ہیں۔ مجھ کو تم سے ملنے کی جلدی تھی۔ خالہ اماں کو سلام کر سیدھی اندر چلی آئی۔ یہاں آکر دیکھا نہ تو آدمی نہ آدم زاد تم کو سارے گھر میں ڈھونڈھتی پڑی پھری۔ نعیمہ۔ کیوں بڑے بھائی کس بات پر گھر سے نکل رہے۔ صالحہ۔ لوگ۔ آپس میں کہہ رہے تھے۔ کہ خالو ابّا نے کہلا بھیجا ہے کہ نماز پڑھیں تو میرے گھر میں رہیں ورنہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ نعیمہ آگ لگے اس نماز کو۔ یہ کیا اب گھر میں کسی کو تھوڑا ہی رہنے دے گی۔ یہ تو حمیدہ کے سوائے سبھی کو نکلوائے گی۔ صالحہ۔ تو کیا آپا تم بڑے بھائی ہی کے واسطے بڑی رو رہی تھیں۔ نعیمہ مجھ کو تو بے چارے بڑے بھائی کی خبر بھی نہیں اُن سے پہلے میں آپ نکلنے کو بیٹھی ہوں۔ صالحہ۔ توبہ آپا توبہ کیسی بد فال مُنہ سے نکالتی ہو کر خدا پناہ میں رکھے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی بھلے مانس اشراف کی بہو بیٹی گھر سے نکلے نعیمہ۔ جب سے اس نماز روزے کا چرچا ہمارے گھر میں ہوا ہے بھلمنساہت اور شرافت سب گئی گذری ہوئی اب آئی ہو تو دو چار دن رہ کر ہر ایک کا رنگ ڈھنگ دیکھنا۔ نہ وہ زمین رہی نہ وہ آسمان۔ گھر کا باوا آدم[1] ہی کچھ بدل سا گیا ہے۔ نہ وہ ہنسی ہے۔ نہ وہ دل لگی ہے۔ نہ وہ چرچے ہیں۔ نہ وہ مذاق ہے۔ نہ وہ چہچہے ہیں گھر میں ایک اداسی چھائی رہتی ہے۔ ورنہ ابھی

---

[1] یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ لوگ حضرت آدم کی اولاد نہیں کوئی نئی طرح کے آدمی ہیں ١٢

ایک مہینے کا مذکور ہے کہ محلے کی عورتیں تمام تمام دن بھری رہا کرتی تھیں۔ کوئی گیت گا رہی ہے۔ کوئی کہانی کہہ رہی ہے۔ یہ ہمسائی اَجُوبہ کچھ اس طرح کی زندہ دل ہیں کہ ہر روز نئی نئی نقلیں کر کے سب کو ہنساتے ہنساتے لٹا لٹا دیتی تھیں۔ اب کوئی گھر میں آ کر تھوکتا[لے] بھی نہیں۔ گھر ہے کہ کم بخت اکیلا پڑا بھائیں بھائیں[۲ے] کیا کرتا ہے۔ صالحہ۔ آخر اس کا سبب کیا۔ نعیمہ۔ سبب تمہاری خالہ جان اور حمیدہ کے ابّا جان کی بدمزاجی۔ کسیکو کیا۔ غرض کیا مطلب کہ اپنے کام کا ہرج کرے اور پرائے گھر آ کر بیٹھے۔ کیا لوگوں کے گھروں میں بیٹھنے کی جگہ نہیں۔ لوگوں کی خاطرداری ہوتی تھیں۔ محبت سے اُن کے ساتھ پیش آتی تھیں لوگ دوڑے آتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ ہر وقت مُنہ کپّے کی طرح پھولا رہتا ہے۔ غیر آدمی کیوں برداشت کرنے لگے۔ سب کے سب چلتے پھرتے نظر آئے۔ ابّا جان کے اچھے ہونے پر ڈومنیوں نے سیکڑوں ہی پھیرے کیے۔ سبھی نے کہا۔ ہمسائی اَجوبہ نے منتیں کیں۔ ہاتھ جوڑے۔ ایک نہ مانی۔ آخر وہ رت جگا تو خاک بھی نہ ہوا نگوڑے مسجد کے مُلّانوں کو بُلا کر کھلا دیا۔ اب تو لو دن رات نماز کا

لے تھوکنا حقارت کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی یہ گھر لوگوں کی نظر میں ایسا ذلیل ہو گیا ہے کہ لوگ اب اسکو حقارت کے قابل بھی نہیں سمجھتے ۱۲ ۲ے ویرانی اور سناٹے کی آواز

وظیفہ ہے وہ دیکھو تخت پر ہر وقت نماز کا چھیتھڑا[1] بچھا رہتا ہے۔ وضو کا کلھڑا[2] کیا مجال کہ کسی وقت پاس سے الگ ہو جائے۔ کام کاج سے فارغ ہوئیں تو یا نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ یا کتاب پڑھنے بیٹھ گئیں۔ ایک حمیدہ کٹنی اُن کو ایسی مِل گئی ہے کہ اور اُن کو اُکسایا[3] کرتی ہے۔ میرا بس چلے تو تو کسیا کو ایسا ماروں ایسا ماروں کہ یاد کرے۔ صالحہ۔ اَے ہے۔ حمیدہ تو نگوڑی ایسی غریب اور بھولی لڑکی ہے کہ میں نے تو آج تک کوئی اُس کی شرارت کی بات دیکھی کیا سُنی بھی نہیں اور تم کو اتنا چاہتی ہے۔ کہ کاہے کو کوئی بہن کسی بہن کو چاہے گی۔ رمضان کی بات مجھ کو اب تک نہیں بھولی۔ تم کو تو یاد ہوگا کہ آخیر عشرے میں میں نے اُس کو بلوا بھیجا تھا۔ گھر میں سبھی کو افطاری[4] تقسیم ہوئی تھی۔ اس کو بھی حصّہ ملتا تھا۔ بجہ سمجھ کر ہر چیز میں سے کچھ کچھ زیادہ دے دیتے تھے۔ مگر اس کو مُنہ پر رکھنا قسم تھا۔ لوگ کھاتے اور یہ مُنہ دیکھتی۔ بہتیرا سمجھاتے کہ بھائی یہ کیا بُری عادت ہے چیز ہوتے ساتھ تم نہیں کھاتیں۔ مگر یہ اللہ کی بندی چکھتی تک بھی تو نہیں تھی پہلے مجھ کو خیال ہوا کہ شاید خست[5] کی وجہ سے

---

[1] جائے نماز کو حقارت سے چھیتھڑا کہا ۱۲

[2] وضو کرنے کی برتن کی خرابی ہے ۱۲ [3] ابھارا ۱۲ [4] جس سے روزہ کھولا جائے ۱۲ [5] کنجوسی ۱۲

نہیں کھاتی۔ مگر میں نے پوچھا تو کہنے لگی آپا لغیر کوئی چیز میرے حلق سے نہیں اترتی۔ دیکھو دن بھر تمھارے لڑکے کو لئے رہتی ہے۔ اور لڑکے کو بھی کچھ ایسا آرام ملتا ہے کہ کیسا ہی پھڑکتا ہوا اس کی گود میں گیا اور چپ۔ اور تمھاری کیا خصوصیت ہے۔ ہر ایک سے وہ اسی طرح محبت سے ملتی ہے۔ میں تو تم سے سچ کہوں مجھ کو تو بہت ہی پیار آتا ہے۔ جب آتی ہوں خوب بھینچ بھینچ کر کئی کئی دفعہ گلے لگاتی ہوں۔ نعیمہ۔ جس کو دیکھتی ہوں حمیدہ کا ہی کلمہ[۱] بھرتا ہے۔ اور میری یہ کیفیت ہے کہ اُس کو دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں خون[۲] اترتا ہے۔ صالحہ۔ اچھی کیوں۔ نعیمہ۔ مجھ کو اماں جان سے اسی نے ٹبرا بنوایا۔ ورنہ آج تک مجھ کو اماں جان سے اسی نے ٹبرا بنوایا۔ ورنہ آج تک مجھ کو اماں نے کبھی ہوں بھی تو نہیں کہا تھا۔ یا آج چھوٹتے کے ساتھ نہ بات نہ چیت مجھ کو تھپیڑ کھینچ مارا۔ خیر الٰہی حمیدہ بندی تجھ کو ان ہی ہاتھوں سے اماں جان جوتیاں ماریں تب میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے۔ اور جیسی تو آج کل سر چڑھی ہے۔ ویسی ہی نظروں سے گرے۔ تب میرے دل کی مراد بر آئے۔ صالحہ۔ خالہ اماں نے تم کو تھپیڑ مارا یہ کب اور کیوں۔ نعیمہ۔ آج صبح ذرا کی ذرا لڑکا حمیدہ کو دے کر میں ہاتھ منہ دھونے چلی گئی تم ہی کہتی

---

۱ محاورہ ہے مراد یہ ہے کہ حمیدہ سے معتقد ہے اس کو اچھا سمجھتا ہے ۱۲ ۲ غصے کے مارے

ہو کر بھا بچے پر فدا ہے۔ لڑکے کو روتا ہوا زمین پر ٹپک دیا۔ اُس کو اتنا بھی ترس نہ آیا کہ ابھی پسلی کے دُکھ سے مر مر کر بچا ہے یوں جو زمین میں بٹھائے دیتی ہوں ایسا نہ ہو کہیں اس کو ؎ کی ٹھنڈی ہوا لگ جائے اور اور پھر بیمار پڑے۔ بس اتنا قصور میرا ضرور ہے کہ میں نے ہولے سے حمیدہؔ کو ہاتھ لگایا۔ ہاتھ کا لگانا تھا کہ وہ فیلھا؎ ئی دھڑام؎ سے تخت پر گر پڑی کہیں ذرا سی خراش؎ آگئی۔ صالحہ۔ کیا کہوں مجھ کو تو یقین نہیں آتا کہ حمیدہ اور بھلے بچے کو بے سبب روتا ہوا زمین میں بٹھا دے۔ اور خالہ جان حمیدہؔ کی طرف ہو کر تم کو ماریں۔ بھلا جاؤں خالہ جان سے پوچھوں۔ نعیمہ۔ حمیدہ کے بٹھا دینے کا سبب میں بتاؤں۔ اُن کی نماز قضا ہوتی تھی۔ اور اُن کی امّاں جان اس بات پر بگڑیں کہ میں نے نماز کو کیوں برا کہا۔ صالحہ۔ پھر نے نماز کو برا کہا تھا۔ نعیمہ کہا تھا۔ اور اب کہتی ہوں امّاں کو تو کچھ نہیں کہا۔ نماز کا برا کہنا ان کو برا کیوں لگا۔ صالحہ بھلا کوئی آدمی تمھارے ماں باپ کو بُرا کہے تو تم کو برا لگے یا نہ لگے؟۔ نعیمہ۔ اماں جان کو کوئی شوق سے برا کہے۔ مجھ کو ذرا تو برا لگنے ہی کا نہیں۔ صالحہ۔ آج یا سدا سے نعیمہ۔ مسکرانے لگی اور بولی کمبخت بے حیا ہنسی کو دیکھ کر خود بخود چلی آتی ہے۔ نہ

؎ ام الصبیان۔ ہاہا دھاپا ۱۲ ؎ مکارہ ۱۲ ؎ کرنے کی آواز ۱۲ ؎ کھرنچ ۱۲

بوا ایسی باتیں ہم سے نہ کرو صالحہ۔ کیا خوب۔ میں تمھارے ایسے غصے
نہیں ڈرتی۔ بہت کرو گی خالہ جان نے تم کو ایک طمانچہ مارا ہے تم مجھ کو
ایک طمانچہ مار لینا۔ لیکن اماں باوا کا اتنا پاس نہیں کیا تو سسرال والوں
سے لڑیں کیوں۔ نعیمہ۔ بات بات میں ناحق میں کوئی برا کہا کرے تو جی نہ جلے
صالحہ میں یہ کب کہتی ہوں کہ نہ جلے۔ لیکن خالہ جان نے نماز کا پاس
کیا اور ان کو تمہاری بات بری لگی تو کیا بیجا ہوا۔ نعیمہ۔ تو کیا نماز ان کی اماں
ہے یا نانی ہے۔ صالحہ۔ جن کا ایمان ہے ان کو ماں سے بڑھ کر پیاری اور نانی
سے زیادہ عزیز۔ نعیمہ۔ تو کیا میں تمہارے نزدیک بے ایمان ہوں۔ صالحہ۔
آدمی ہی بے ایمان بھی ہوتے ہیں۔ جو بے ایمانوں کا کام کرے۔ وہ
بے ایمان میں ہوئی تو میں۔ اور تم ہوئیں تو تم۔ دیکھو صالحہ خدا کی قسم ایسی
باتوں پر لڑائی ہو جائے گی۔ بے ایمان تم ہو گی تمھارے رہتے سہتے بے
ایمان ہوں گے۔ خدا کے فضل سے میں تو بے ایمان نہیں ہوں۔ مگر رہتے
سہتے کون ہوئے تم۔ نعیمہ۔ بھلا ایمان سے کہنا تم نے کونسی میری بات بے
ایمانوں کی سی دیکھی صالحہ ایمان سے مت کہلواؤ نعیمہ نہیں تمھیں خدا کی قسم۔ بھلا
کوئی بات تو بتا دو۔ صالحہ۔ پھر برا تو نہیں ماننے کیں۔ نعیمہ۔ سچی بات میں
برا ماننے کی کیا وجہ۔ صالحہ سچ اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تمہارے قول و
فعل کوئی بھی ایمانداروں کے سے نہیں۔ اور مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے

تم خود ہی بتا دو کہ میں فلانا کام ایمان والوں کا سا کرتی ہوں ۔ کھانا ۔ پینا ۔ گھر کا کام دھندا ۔ بچوں کا پالنا ۔ یہ تو دنیا میں بُرے بھلے سبھی کیا کرتے ہیں ۔ بھلا ایک کام تو ایسا بتاؤ جس سے تمھارا ایماندار ہونا پہچانا جائے ۔ نعیمہ ۔ بھلا دنیا میں تمھارے نزدیک کوئی بھی ایماندار ہے یا نہیں ۔ صالحہ کیوں نہیں ۔ اللہ کے بندے سینکڑوں ہزاروں ۔ نعیمہ ۔ بھلا میں بھی کسی کا نام سنوں ۔ صالحہ دُور کیوں جاؤ یہ تمہاری ہی گلی میں ایک حضرت بی رہتی ہیں جن کے نواسے بھائی علیم کے ساتھ مدرسے میں پڑھنے جاتے ہیں ۔ بس ایماندار ان کو کہتے ہیں ۔ دیکھو تو کیا نیک زندگی ہے ۔ نعیمہ ۔ میں تو ان کو دن بھر سیتے ہی دیکھتی ہوں صالحہ ۔ سچ ہے ۔ مگر خدا کے واسطے غریب غربا کے کپڑے مفت اور امیروں کے مزدوری پر ۔ لیکن جتنی سلائی ہوتی ہے سب اللہ کے نام پر دے دیتی ہیں ۔ ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتی یہ عمر اور کڑاکے جاڑوں میں پہر رات رہے سے اٹھ کر خدا کی عبادت ۔ گھر میں نوکر نہیں ۔ چاکر نہیں ۔ اپنے ہاتھوں سارے گھر کا کام کاج ۔ اور اس پر نماز کی یہ پابندی کہ نماز تہجد[۱] تک قضا نہیں ہونے پاتی ۔ محلے میں کتنی لڑکیوں کو انھوں نے پڑھنا سکھایا ۔ کتنیوں کو حیوان سے آدمی بنایا ۔

---

[۱] آدھی رات کے بعد کی نماز نفل ۱۲

اور حسبتہ اللہ[1] بے غرض بے مطلب - میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مسجد کے پندرہ بیس مسافر دونوں وقت روٹی پکوانے کو آٹا بھیج دیتے ہیں اپنے ہاتھوں سب کا آٹا گوندھنا پکانا گھر سے دال سالن جو کچھ وقت پر موجود ہوا دینا - اکثر ایسا ہوا ہے کہ سالن نہیں بچا آپ روکھی ہی روٹی کھاکر اٹھ کھڑی ہوئیں - بے چارے مسافر اکثر جوار باجرے کا آٹا لے آتے ہیں - وہ تو آپ رکھ لیتی ہیں - اور اپنے گھر سے اُن کو گیہوں کی روٹی بھیج دیتی ہیں - ایک دن باجرے کی روٹی وہ بھی روکھی بیٹھی کھا رہی تھیں - نوالہ حلق سے نہیں اترتا تھا - ہر ہر لقمے کے بعد پانی پینے کی ضرورت ہوتی تھی - میں جو جا نکلی تو مجھ کو دیکھ کر کہنے لگیں - بیٹا تجھ کو باجرے کی روٹی بہت ہی بھاتی ہے - کچھ ایسی سوندھی[2] اور میٹھی اور خستہ ہوتی ہے کہ سبحان اللہ[3] - ایک طالبعلم نے ان سے گاڑھے کی مرزائی سلوائی اور شاید وہ پہلا ہی کپڑا تھا کہ اس بچارے کو سلوانے کا اتفاق ہوا اس واسطے کہ جب وہ شخص کپڑا لے کر دروازے پر آیا تو حضرت بی صاحبہ نے اس سے کہا کہ بیٹا اپنی پرانی مرزائی بھی بھیج دو کہ اسے دیکھ کر قطع کر لوں تو اس نے نہایت حسرت کے ساتھ کہا کہ مائی صاحب میرے پاس کوئی مرزائی نہیں ہے - حضرت بی صاحبہ - بیٹا - مرزائی

---

[1] خدا کے واسطے ۱۲ [2] ایک طرح کی ہلکی ہلکی خوشبو مٹی میں ہوتی ہے ۱۲ [3] ٹھر بھری ۱۲

نہو تو انگرکھا ہی سہی۔ خیر کچھ اٹکل تو مل جائے گی۔ طالب علم۔ انگرکھا بھی نہیں۔ مجبور ہو کر پردے میں حضرت بی صاحب نے پوچھ لیا۔ کہ کمر کتنی ہے۔ چولی کتنی نیچی رہے گی۔ آستین کس قدر لمبی ہو گی۔ اس طالب علم نے بتایا لیکن دیکھا تو کپڑا کمی کرتا تھا۔ تب اس طالب علم نے کہا کہ مائی صاحب جس طرح ہو سکے کھینچ تان کر اسی میں بنا دو اور آج نماز جمعہ سے پہلے سی دو کہ الوداع[۱] کا دن ہے۔ میں جامع مسجد میں پہن کر جاؤں گا۔ غرض مرزائی سی گئی۔ تو اس کے بدن میں ٹھیک نہ آئی وہ بیچارہ مایوس[۲] ہو کر رو دیا اور اس ناامیدی میں حضرت بی صاحب پر اتنا خفا ہوا کہ شاید کوئی گھر کی لونڈی پر بھی نہیں ہوتا۔ اندھی بے وقوف۔ بے تمیز پھوہڑ۔ بدسلیقہ۔ بے رحم۔ جو جو کچھ اس کے منہ میں آیا بے دریغ کہہ ڈالا۔ باوجودے کہ گھر میں سب کو برا معلوم ہوا۔ لیکن حضرت بی صاحبہ روتی جاتی تھیں اور الٹی اس کی استمالت[۳] کرتی تھیں۔ بڑے نواسے کا نیا تہ درز چکن کا کرتا اس کو دیا۔ لیکن اس نے دور اٹھا کر پھینک دیا اور کہا مجھ کو بدن کے ڈھکنے کے واسطے کپڑے کی ضرورت ہے یہ واہیات کپڑا میرے کس کام کا ہے۔ جس کو پہن کر آدمی ننگے کا ننگا۔ حضرت بی نے اپنے نواسوں کی تمام گٹھڑیاں کھول ڈالیں۔ خاصہ تن زیب۔ ململ ڈھاکہ پاٹن۔ ڈوریہ۔ رینگ شبنم۔

---

[۱] رمضان کا آخیر جمعہ ۱۲ [۲] ناامید ۱۲ [۳] دلجوئی ۱۲

نینو۔ سینو۔ سوزن کار۔ طرح طرح کے قیمتی خوش وضع اور طرح دار کپڑے
اس کو دکھائے اور ایک اس کو پسند نہ ہوا کسی کو تو کہا مردوں کے استعمال
کے قابل نہیں۔ کسی کی نسبت تجویز کیا کہ یہ متکبروں[1] کی پوشاک ہے۔ آخر حضرت
بی نے بازار سے گورا لٹھا منگوا نماز جمعہ سے پہلے اُس کی مرزائی تیار کی۔ تب
وہ طالبِ علم ٹلا۔ حضرت بی کی طرح کوئی اپنا پتا[2] مارے تب ایمان کا دعوا کرے۔
اب تم خود غور کر لو کہ دن رات میں تم ایمانداروں کے سے کتنے کام کرتی ہو نعیمہ
ایک حضرت بی ایسی ہوئیں۔ بھلا کوئی دوسری عورت بھی اس مزاج کی شہر
میں ہے۔ صالحہ۔ چونکہ تم اس طرح کے لوگوں سے نفرت رکھتی ہو اس واسطے
تم کو معلوم نہیں۔ ورنہ شہر میں بہتیرے خدا کے نیک بندے پڑے ہیں۔ کہاں
تک ان کے نام گنواؤں۔ کیا کوئی کم کوئی زیادہ۔ ایک میری ہی اماں ہیں وہ
بھی اپنے محلے کی حضرت بی ہیں۔ نعیمہ۔ دو چار آدمی اس طرح ہوئے ہی
ہیں تو اپنی ہی جیسی عورتیں اکثر دیکھتی ہوں۔ صالحہ۔ بے شک دنیا میں نیک
کم ہیں۔ اور بُرے بہت۔ نعیمہ۔ میں جانتی ہوں عورتوں کے واسطے بہت
نماز، روزہ کی کچھ ضرورت نہیں۔ بس ان کی یہی عبادت ہے۔
کہ گھر کا کام کاج دیکھیں بچوں کی خبر گیری کریں۔ ان کو خانہ داری کے

---

[1] مغرور ۱۲ [2] مراد ہے غصّہ ۱۲

بکھیڑوں سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہے کہ نمازیں پڑھا کریں۔ مرد البتہ نہ کھانے پکانے کا فکر نہ بچوں کا جھگڑا جتنی چاہیں عبادت کریں۔ صالحہ۔ مردوں کو کمانے کا تھوڑا کام ہے کہ بے چارے دن دن بھر اسی میں لگے رہتے ہیں۔ محلے کے دبکیوں کو دیکھو کہ منہ اندھیرے سے جو کھٹا کھٹ شروع کرتے ہیں تو آدھی آدھی رات تک کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ پھر بھی جتنا خدا کا خیال مرد رکھتے ہیں عورتیں کمبخت اس کا آدھا پاؤ بھی نہیں رکھتیں۔ نعیمہ۔ تم چاہے کچھ ہی کہو عورت مرد کی برابری تو ہرگز نہ ہو گی۔ ضرور اللہ میاں نے عورتوں کے حق میں کچھ نہ کچھ آسانی رکھی ہو گی۔ صالحہ سبب۔ نعیمہ بھلا کہیں نگوڑی عورتوں سے محنت ہو سکتی ہے۔ صالحہ۔ عبادت میں نہ چھپر اٹھانا ہے۔ نہ لکڑیاں ڈھونی ہیں کہ عورتیں کمزوری کا عذر اور نزاکت کا حیلہ پیش کریں۔ بلکہ ایک حساب سے تو عورتوں کو زیادہ عبادت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اوّل تو عورتوں کو عبادت کی فرصت زیادہ ملتی ہے۔ دوسرے خدا کی نعمتوں میں سے عورتیں زیادہ حصّہ پاتی ہیں۔ کھانے پینے میں مرد عورت سب برابر۔ کپڑے میں مرد بے چارے ایک حصّہ تو عورتیں ویسے ویسے دس۔ نہ عورتوں کا ایک پائے جامہ نہ مردوں کا ایک برس کا سارا لباس۔ اور یوں بھی عورتوں کی پوشاک عموماً عمدہ اور بیش قیمت ہوتی ہے بہ نسبت مردوں کے۔ بڑی رقم ہے زیور۔ عورتوں کو سونے کی کان[1] میں

---

[1] لوہا۔ سونا۔ چاندی وغیرہ جس جگہ سے نکلیں ان کو کان کہتے ہیں ۱۲

قبر کھود کر گاڑ دو تب بھی بس نہیں۔ اور مرد بیچارے جو ثقہ[1] اور وضع دار ہیں چاندی کا چھلّا تک بھی نہیں پہنتے۔ اس پر بھی عورتیں عبادت میں کمی کریں تو ان کی وہی کہاوت ہے۔ کھانے کو جچہ[2] اور کام کو ننّا بچّہ۔ نعیمہ۔ تم تو اچھی میری قسمت کی سچ مچ مولوی صاحب بنکر آئیں۔ صالحہ مولویوں کے درجے مولویوں کے ساتھ ہیں۔ میں بیچاری کس لائق ہوں مولویوں کی جوتیوں کی برابری بھی نہیں کر سکتی۔ نعیمہ۔ افسوس ہے کہ تم ہماری اماں کے یہاں پیدا نہ ہوئیں۔ صالحہ۔ افسوس کی کیا بات ہے۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں شکر کا مقام ہے۔ نعیمہ۔ کیوں۔ صالحہ۔ تم بتاؤ کہ تم نے کیا سمجھ کر افسوس کیا۔ نعیمہ میں نے تو یہ سمجھ کر افسوس کیا کہ تم ہماری ماں کے یہاں ہوئی ہوتیں تو دونوں کو اچھا تھا۔ ہماری امّاں اب تم ہی جیسی بیٹی ڈھونڈتی ہیں اور تم بھی امیر گھر پاتیں تو کھانا کپڑا زیور نوکر سبھی طرح کی خوشی تھی۔ صالحہ۔ اگر اس خوشی کا یہی نتیجہ ہے کہ آدمی خدا کو بھول جائے تو میرے نزدیک یہ تمام فراغتِ دنیا کا جنجال اور آخرت کا وبال ہے کون چار دن کی خوشی کے واسطے ہمیشہ ہمیشہ کی مصیبت مول لے۔ مجھ کو خدا کے فضل سے پیٹ بھر روٹی اور تن بدن ڈھانک لینے کو کپڑا........ رہنے کو مکان۔ لیٹنے کو چارپائی۔ پینے کو پانی۔ دم لینے کو ہوا سب کچھ میسر ہے۔ میں نہیں جانتی کہ مجھ کو دنیا میں کوئی اور چیز بھی درکار ہے۔ سوائے اس کے کہ تم نے پتھر یعنی سونا چاندی مجھ سے زیادہ اپنے اوپر لاد لیے۔

---

[1] بھلے آدمی پرہیزگار ۱۲ [2] صحیح زچہ ہے مگر لب لینے میں جچہ آتا ہے ۱۲

ہیں اور بوجھ کے صدمے سے کان تمھارے کیٹے پڑتے ہیں۔ ناک تمھاری چھپی گئی[۱] ہے اور تو کوئی فرق میں تم میں اور اپنے میں نہیں پاتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ خدانخواستہ تم کو کھانے کی تکلیف ہے۔ مگر صورت تمھاری یہ ہے کہ بدن میں بوٹی نہیں ہاتھ پانوں میں جان نہیں۔ ہر سال جلاّب۔ ہر مہینے فصد۔ آئے دن دوا۔ مجھ کو دیکھو۔ کہ خدا کے فضل سے تم سے دونی نہیں تو ڈیوڑھی میں شک بھی نہیں۔ ایک ہاتھ سے تمھارے دونوں ہاتھ پکڑ لوں تو بیوی صاحب سے ہلا بھی نہ جائے۔ نعیمہ۔ بیماری بھی امیری کا تمغہ ہے۔ نگوڑے بھوکے جن کے پیٹ کو روٹی میسّر نہیں۔ وہ کیا بیمار پڑیں گے۔ صالحہ۔ یہاں تمغے اور خلعت کا مذکور نہیں ہے۔ تکلیف اور آرام میں گفتگو ہے۔ نعیمہ جی تو خوش کر لو۔ لومڑی کو جب انگور نہیں ملتے تو وہ ان کو کھٹا کہا کرتی ہے[۲]۔ صالحہ۔ اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے۔ تو میرے تئیں جانتی ہو یہ تکلیف میں ہے اور میں کہتی ہوں کہ تم ایسے عذاب میں مبتلا ہو کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ کھانے پینے کے عیش و آرام جو تم کو میسر ہیں۔ ان کا نتیجہ تو یہ ہے کہ تم سدا کی دُکھیا اور ہمیشہ کی روگی بن رہی ہو۔ رہا کپڑا گہنا تم ہی اس کو پہن کر اپنے جی میں خوش ہوتی ہوگی۔ ابھی خالو جان یا بڑے بھائی

۱؎ سوراخ کے پھیل جانے کو چھپے جانا کہتے ہیں ۱۲ ۲؎ مراد ہے لازمہ۔ نشان ۱۲

۲؎ ایک کہانی ہے کہ ایک لومڑی نے پکّے پکّے انگور لٹکے دیکھے ان کیلئے بہتیرا اچھلی ان تک نہ پہنچ سکی تو اس نے یہ کہہ کر اپنی تسلی کر لی کہ انگور کھٹے ہیں۔

آجائیں تو سوائے اس کے کہ تم ان کے سامنے سے ہٹ بیٹھو اور کیا تدبیر ہے۔ زیور جس کی زکوٰۃ نہ خیرات اس سے بیڑیاں بہتر۔ طوق اور ہتکڑی اچھی۔ بڑی خوشی محبت اور میل ملاپ کی ہوتی ہے۔ اس کا یہ حال ہے کہ تم ماں سے بڑی حمیدہ کی دشمن۔ ساس سسروں سے بگاڑ۔ میاں سے ناموافقت۔ نوکر چاکر لونڈیاں نالاں۔ اسی پر تم اپنے تئیں سمجھتی ہو کہ میں خوش ہوں۔ ابھی تم پڑی رو رہی تھیں یا ہنس رہی تھیں۔ نعیمہ۔ سبحان اللہ[1] آپ بھی کیا آدمی ہیں۔ کیا گھروں میں کبھی لڑائی نہیں ہوا کرتی۔ چار برتن پاس رکھ دیتے ہیں تو وہ بھی کبھی نہ کبھی کھڑ کھڑا اٹھتے ہیں۔ صالحہ۔ اگر ایسا ہی سمجھتیں تو اتنا بات کا بتنگڑ نہ بناتیں۔ نعیمہ۔ میں نے کیا بات کا بتنگڑ بنایا۔ صالحہ۔ تم ہی اپنے دل میں سوچو۔ ماں کے ہاتھ لگانے پر یہ آفت صبح سے اب تک آپ بھوکی مریں۔ سارے گھر کو بھوکا مارا۔ شاباش لو انا باش۔ لڑوں باد سے اور روٹھوں خدا سے۔ نعیمہ۔ ہر پھر کر تم کو خدا کا تذکرہ کرنا ضرور۔ بھلا میں خدا سے کب روٹھی۔ صالحہ۔ رزق خدا کا یا ماں باپ کا۔ نعیمہ۔ اللہ ری علاّمہ[2] دیکھو تو کیسی اینچ پینچ کی باتیں کرنی آتی ہیں۔ صالحہ۔ تم کو پیچ[3] و تاب کی باتیں آتی ہیں تو مجھ کو اینچ پینچ کی۔ نعیمہ۔ غصّہ ہی تو ہے۔ صالحہ۔ اچھا غصّہ ہے۔

---

[1] یہاں تعجب کے لئے سبحان اللہ بولا گیا ہے ۱۲ [2] چالاک عورت مگر اکثر برفی عورت کو کہا کرتے ہیں ۱۲ [3] غصّہ ۱۲

باؤلا غیظ۔ دیوانہ غضب ادھر بے جان پر اور اُدھر بے زبان پر۔ نعیمہ۔ بے جان اور بے زبان کیا۔ صالحہ۔ کھانا بے جان اور بے زبان تمہارا بچہ نادان میں نے سُنا ہے کہ تم نے اس کا بھی خوب کچلا کیا۔ نعیمہ۔ کیا تو کسی کو کیا۔ اپنا بچہ شوق سے مارا خوشی سے کچلا کیا[1]۔ صالحہ۔ تم اپنے بچے کو شوق سے مارو خوشی سے کچلا کرو پھر خالہ جان نے تم کو ایک تھپیڑ ہولے سے مار دیا تو کیا غضب ہوا۔ جیسی تم اپنے بچے کی ماں وہ تمہاری ماں۔ نعیمہ۔ ماں ماں برابر لیکن بچہ بچہ برابر نہیں۔ صالحہ۔ لیکن تم دونوں میں زیادہ تر واجب الرعایت کون ہے۔ نعیمہ۔ میں۔ صالحہ۔ میں[2] کے گلے پر چھری کیا واجب الرعایت نکلی ہیں۔ ذرا اُٹھنہ تو دھو رکھو۔ نعیمہ۔ یہ دیکھو بڑوں کے ساتھ بے ادبی۔ صالحہ۔ بڑوں نے کی تو چھوٹوں نے سیکھی۔ نعیمہ۔ اجی وہ کچھ بھی رعایت میرے ساتھ نہ کریں اللہ مالک ہے۔ صالحہ۔ کیوں جھوٹ بولتی ہو۔ نعیمہ بس سب کچھ کہنا جھوٹی نہ کہنا۔ اس کی مجھ کو بڑی چڑ ہے۔ جو کوئی مجھ کو جھوٹی کہتا ہے تو میرے تن بدن میں آگ ہی تو پھنک جاتی ہے۔ صالحہ۔ بھلا پھر تم اللہ کو مالک سمجھتی ہو جو کہتی ہو۔ نعیمہ۔ کوئی ایسا بھی بندہ بشر ہے جو اللہ کو مالک نہیں سمجھتا۔ صالحہ۔ اللہ کو مالک سمجھتیں تو تم ایسی بے جا بات بول اٹھتیں جس پر خالہ جان خفا ہوئیں اور بجا خفا ہوئیں نعیمہ۔ کیا میں نے یہ جان بوجھ کر تھوڑی ہی کہی تھی منہ سے نکل گئی۔ صالحہ۔ لیکن کبھی خالو جان کی شان میں تو ایسی بات تمہارے منہ سے نہ نکلتی

---

[1] یعنی مار مار کر کچل ڈالا ۱۲ [2] یہ کہاوت ہے کہ بکری میں بولتی ہے لیکن اُس کے گلے پر چھری پھری جاتی ہے ۱۲۔

بلکہ خالہ جان تو خیر شاید بڑے بھائی جان کو بھی ایسا سخت کلمہ کہو تو ان کو کتنا برا لگے۔ کیا خدا کو برا نہ لگا ہو گا۔ یہ سُنکر نعیمہ کسی قدر ڈری اور اس نے ہوتے ہوئے اپنے گلوں پر طمانچہ مارے۔ اور مُنہ سے بھی توبہ توبہ کہا۔ صالحہ۔ بس سمجھ لو کر ایسا ہی ایک طمانچہ خالہ جان نے مارا سہی۔ نعیمہ۔ تو میں کیا کچھ کہتی ہوں یا میں نے کچھ کہا۔ صالحہ۔ اے کاش تم سب کچھ کہہ لیتیں اور یہ ستم نہ کرتیں۔ نعیمہ۔ کیا صالحہ۔ سارے دن گھر بھر کو بھوکا مارا۔ بچہ تمام دن دودھ کو پھڑکا۔ بیدارا بیچاری سہ دری میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہے۔ نہیں معلوم کہاں اس کے بے موقع لات لگی ہے کہ اب تک اس کا سانس پیٹ میں نہیں سمایا۔ اور پھر کہتی ہو کیا۔ نعیمہ۔ خیر پھر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ صالحہ۔ ہو تو نہیں چکا۔ ہو رہا ہے۔ لوگ بھوکے بیٹھے ہیں۔ بچہ بلبلا کے چلا جاتا ہے۔ نعیمہ۔ اچھی کچھ یہ بھی زبردستی ہے۔ ماروں اور رونے نہ دوں۔ صالحہ۔ تم کو اتنی بڑی ہو کر رونے کا نام لیتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ نعیمہ۔ جب مار کھانے کی غیرت نہ ہوئی تو رونے میں کیا شرم تھی۔ صالحہ۔ ماں ہوئی۔ اُستانی ہوئی اگر ان کی مار کھانا بیعزتی ہے تو دنیا بے غزت ہے۔ نعیمہ۔ تم کو ماریں ہوتی تو جانتی کہ عزّت کی بات ہے یا بے عزّتی کی۔ صالحہ۔ اُستانی جی کی مار تو گنتی نہیں۔ اماں جان نے بھی مجھکو کوئی بیسیوں ہی دفعہ مارا ہو گا۔ نعیمہ۔ اب بڑے ہونے پر۔ صالحہ۔ اب میں کوئی بات ہی ایسی نہیں کرتی کہ ان کے خلاف

سلہ آہستہ آہستہ ۱۲

مزاج ہو۔ نعیمہ۔ میں نے بھی تو یہ سمجھ کر نہیں کہا تھا۔ کہ اماں جان کو اتنا برا لگے گا۔ نہ کبھی پہلے امّاں جان کو نماز روزے کا ایسا خیال ہوا جیسا اب ہے۔ صالحہ لیکن جب تم کو خالہ جان کئی مرتبہ روک چکی تھیں تو تم کو ان کی ممانعت کے خلاف پھر وہی بات نہ کہنی چاہیئے تھی۔ نعیمہ۔ کیوں جی خدا کو میری بات بُری لگتی تو جو کچھ ہونا تھا اُسی وقت ہو نہ چکتا۔ صالحہ۔ پہلے تو یہ بتاؤ۔ کہ بات بے جا اور بُری تھی یا نہیں۔ نعیمہ۔ خیر۔ بُری ہی سہی۔ صالحہ۔ سہی کیا معنے شدّت سے بُری اور بے جا تھی۔ کہ تم اپنے بھائی تک کو ایسا کلمہ نہیں کہہ سکتیں۔ ایسی ہی باتوں کا نام کفر اور شرک ہے۔ مگر اس سے کہ تم کو فوراً سزا نہیں ملی خوش نہیں ہونا چاہیئے خدا[1] کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ عجب کیا ہے کہ ایسے ہی باتوں کا وبال تم کو گھر میں نہیں بسنے دیتا۔ نعیمہ۔ اماں مجھ کو تنہائی میں مار لیتیں تو مجھ کو اتنا رنج نہ ہوتا۔ صالحہ سبحان اللہ خطا[2] بہ بازار و سزا در پسِ دیوار۔ نعیمہ۔ اچھا پھر اب تمہاری مرضی کیا ہے۔ صالحہ۔ مرضی یہ ہے کہ چل کر خالہ جان کے رُوبرُو ہاتھ جوڑو۔ اُن کے پاؤں پڑو اپنا قصور معاف کراؤ۔ کھانا آپ کھاؤ۔ دوسروں کو کھانے دو بچّے کو دودھ پلاؤ۔ حمیدہ کو بلا کر گلے لگاؤ۔ بیدارا کی دل داری اور تشفی کرو۔ نعیمہ۔ لو اور سنو اُلٹا چور[3] کوتوال کو ڈانٹے۔ میں ہی پٹوں اور میں ہی ہاتھ بھی جوڑوں

---

[1] خدا کسی پر عذاب نازل کرتا ہے تو اس طرح کے کہ اس کو خبر بھی نہو اور عذاب آجائے ۱۲

[2] خطا بازار میں اور سزا پردے میں دیوار کے پیچھے ۱۲ [3] یہ کہاوت ہے ۱۲۔

اور اگر میرا قصور ہوتا بھی تاہم ہاتھ تو بندی نے آج تک کسی کے آگے جوڑے اور نہ اب مجھ سے جوڑے جائیں۔ رہی حمیدہ تم کہتی ہو گلے لگاؤ۔ میرا بس چلے تو اس کو جیتا نہ چھوڑوں اور کھانے کی جو تم نے کہی تو مجھ کو اب اس گھر کا نمک تک چکھنا حرام ہے۔ غرض جتنی باتیں تم نے کہیں سوچ کر ایسی ہی کہیں کہ ایک بھی مجھ سے شدنیله نہیں۔ خیر تمہاری خاطر سے ننھے کو دودھ پلا دوں گی۔ جاؤ کہیں لے آؤ۔ ورنہ ارادہ تو یہی تھا کہ اس کا اور اپنا دونوں کا خون کروں۔ صالحہ۔ اللہ اکبر بی آپا میں نہیں جانتی تھی کہ تمہارا غصہ اس قدر غضب کا بجھا ہوا ہے۔ نعیمہ۔ میرا مزاج تو سدا سے اسی طرح کا ہے کہ مجھ سے کسی کی بات کی برداشت نہیں ہوتی صالحہ۔ اب تم سے زیادہ کہنا لاحاصل ہے۔ بس معلوم ہو گیا کہ تم اپنی خوشی کی بڑی ہو۔ نعیمہ۔ جو بات کرنے کی تھی وہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دی کہ ننھے کو دودھ پلا دوں گی صالحہ۔ تمام دن تو تم کو بے آب و دانہ گزر گیا۔ اور عمر بھر کے بدلے کا تم نے ایسا لیا روزہ رکھا ہے کہ پہر رات گزری مگر افطار ہونے نہیں آیا۔ اور نہ ابھی اس کے افطار ہونے کی امید ہے تو وہ دودھ رہا کہاں ہوگا کہ تم ننھے کو پلاؤ گی نعیمہ۔ رہے یا نہ رہے۔ مگر میں اس گھر کا کھانا کھاؤں تو حرام کھاؤں مردار کھاؤں صالحہ۔ پھر آخر کرو گی کیا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ بے کھائے گزر ہو۔ ایک ہی وقت

له ہونے والی ١٢

میں دیکھو تمھارا کیا حال ہو گیا ہے۔ اب رات کو خالی پیٹ نیند بھی تو نہیں آئیگی۔
نعیمہ۔ میں تو جانے کو تیار بیٹھی ہوں۔ تم نہ آجاتیں تو میں اب تک کبھی کی چلی بھی
گئی ہوتی۔ صالحہ۔ کہاں ۔سسرال۔ نعیمہ۔ اگر میں سسرال جاؤں تو گڑھے
سے نکلوں اور کنویں میں گروں۔ صالحہ۔ پھر کہاں۔ نعیمہ۔ جہاں سینگ سمائیں
صالحہ۔ باؤلی ہوئی ہو۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔ اگر خالو جان یہ بات سن پائیں
نہیں معلوم کیا آفت برپا کریں اور گھر سے باہر قدم نکالنا تو بڑی بات ہے۔ نعیمہ
تم کیا سمجھیں میں اس ہمسائی کے یہاں جانے کو کہہ رہی ہوں۔ کیا یوں ہر روز
میں ہمسائی کے گھر نہیں جاتی۔ صالحہ۔ وہ جانا اور ہے اور گھر سے لڑ کر بے
حکم پاؤں باہر نکالنا دوسری بات ہے۔ خبردار ایسا لفظ بھول کر بھی منہ سے
مت نکالنا۔ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے گا۔ اور خود ہمسائی جن کے برتے[۱]
پر پھولی ہو تم کو اپنے دروازے کے اندر قدم تو رکھنے دینے ہی کی نہیں چاہو
جا دیکھو۔ اور فرض کیا کہ تم یہاں سے نکلنے پائیں اور ہمسائی کی بھی ایسی ہی شامت
آئی ہے۔ اور انھوں نے تم کو گھر میں آنے دیا تو ان کو خود دو وقت کھانا میسر
نہیں آتا تو تم کو کہاں سے کھلائیں گے۔ نعیمہ۔ تو جیسے میں ان کے یہاں کیوں
کھانے لگی تھی۔ کیا۔ میرے پاس زیور نہیں۔ اب بھی پٹاری میں کچھ نہ ہوگا۔

---

[۱] بھروسے ۱۲

تو چالیس پچاس روپے نقد پڑے ہوں گے۔ صالحہ۔ گڑ کھاؤں گلگلوں سے پرہیز۔ جن کا کھانا ان ہی کا بنوایا ہوا زیور ان ہی کے دیئے ہوئے روپے آن تو جب جانیں کہ ان کی چیز بھی صرف نہ کرو۔ اور ہمسائی اوّل تو میں حیران ہوں تم کو بٹھاتی تو کہاں بٹھاتیں۔ کلھیا جتنا گھر اس میں بھی ایک آپ ایک میاں تین بیٹے بہویں ان کے بچے دو بیٹیاں مہمان آئی ہوئی ہیں وہ۔ ان کے گھر میں تل رکھنے کی جگہ تو ہے ہی نہیں۔ بے چاری آپ تو ڈیوڑھی میں چارپائی بچھا کر سوتی ہیں تم کو رات کے وقت کہاں لٹاتیں اور کہاں سلاتیں اور تم کو غیر مردوں میں جاتے ہوئے شرم نہ آتی۔ اور پھر ہمسائی تم کو پناہ دیتی بھی تو خالہ جان ہی کا پاس کر کے۔ غرض قربان جایئے تمہاری عقل کے تدبیر بھی سوچی تو اوندھی۔ علاج بھی تجویز کیا تو الٹا اس سے تو بہتر تھا کہ تم اپنی سسرال چلی جاتیں۔ نعیمہ۔ نہ سسرال جاؤں نہ یہاں کھاؤں۔ صالحہ۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو سو کرو۔ لیکن لڑائی تمہارے کھانے پر ہوئی ہے۔

نعیمہ۔ کھانے پر تو لڑائی نہیں ہوئی لیکن میں اُن کے گھر نہ پڑی ہوتی تو مجال تھی کہ کوئی مجھ کو ہاتھ لگا لیتا۔ صالحہ۔ کرتی کیا۔ نعیمہ۔ برابر سے میں بھی مارتی۔ صالحہ بر امت ماننا یہی نیت ہے تو تم گھر میں بس بھی چکیں۔ ماں کا یہ وقر یہ ادب۔ مجھ کو تو اگر میری اماں جان بے خطا بے قصور جوتیاں ہی جوتیاں

۱ے کہاوت ہے ۱۲

مار لیں تو ان شاء اللہ آنکھ بھی ان کے سامنے نہ کروں اور دُنیا جہاں کی بیٹیوں کا یہی قاعدہ یہی دستور ہے۔ تم ان کی بیٹی وہ تمہاری ماں کسی کو تمہارے معاملے میں کیا دخل۔ مگر آپا جان دین تو گیا ہی گذرا ہے۔ یہ لچھن دُنیا میں بھی خوش اور آباد رہنے کے نہیں۔ اور خدا تم کو اتنی سمجھ دے کہ تم ان ہی باتوں کو اپنی خانہ ویرانی کا سبب سمجھو۔ مجھ کو حیرت ہے کہ کیوں کر یہ بات تمھارے دل نے تسلیم کی کہ خالہ جان کو تمھارا رہنا ناگوار ہے اور انہوں نے اس وجہ سے تمہارے ساتھ سختی کی کہ وہ تم کو اپنے پاس دیکھ نہیں سکتیں۔ بھلا دُنیا میں کوئی ماں بھی اس طرح کی ہو گی۔ تمھاری خانہ ویرانی کا رنج تم سے زیادہ اُن کو ہے۔ ذرا اس کا مذکور آجاتا ہے تو اُن کے آنسو نکل پڑتے ہیں اور حاضر غائب دعا کیا کرتی ہیں کہ الٰہی میری نعیمہ کو اُس کے گھر آباد کر۔ بھلا تم ہی انصاف کرو کہ سوائے اس بات کے تم نے ان کی کسی اور بات سے بھی اُن کا رُخ بدلا ہوا پایا۔ کھانے میں اُن کو یہ اہتمام رہتا ہے کہ پہلے تم پیچھے اور میں نے ہفتوں رہ کر دیکھا ہے کہ خالو جان اور بڑے بھائی تک کو سادی چپاتیاں ملتی ہیں اور تمھارے دوپراٹھے انھوں نے ناغہ نہیں ہونے دیئے۔ چار پیسے روز کا سودا جو تمہارا سدا کا معمول ہے تم ہی بتاؤ کبھی نہیں بھی دیا۔ ایک دن حمیدہ نے ضد کی تھی اور کہا تھا کہ میں بھی چار پیسے لوں گی تو جھڑک دیا کہ ہاں اب تو بڑی بہن کی برابری کرے گی۔ آٹھویں دن کی مہندی مہینے کے مہینے چوڑیاں تم ہی بولو یہ دستور کبھی ٹوٹا ہوا ہے۔

کپڑے لوگ ایسے جہیز میں بھی نہیں دیتے جو وہ تم کو گھر میں پہناتی ہیں۔ بھلا بے گوٹے کا دوپٹہ بے پیمک کا پائجامہ کبھی تم کو پہننا یاد ہے۔ تیل۔ عطر۔ پان۔ پھول مہندی۔ سرمہ مسّی۔ لاکھا۔ مجنٹن۔ ابٹنا۔ یہی عورتوں کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ سچ کہنا تم کو کبھی ان میں سے کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت ہوئی ہے۔ خدمت کو لونڈی جدا۔ لڑکے کی کھلائی الگ۔ بلکہ سچ پوچھو تو کوارپتے سے کہیں زیادہ قدر ہوتی ہے۔ خالہ جان ایک دن تمھارے دوپٹے میں بیٹھی توئی ٹانک رہی تھیں اور خالو جان کی قبا میں بند ٹانکنے تھے کچہری جانے کو دیر ہوتی تھی۔ اس پر خالو جان نے کہا بھی کہ لڑکی کا دوپٹہ رہنے دو پھر ہو رہے گا۔ پہلے میری قبا میں بند ٹانک دو۔ خالہ جان۔ واہ لڑکی سر کھولے بیٹھی ہے تم کو ایسی کیا جلدی ہے ابھی تو دھوپ بھی چبوترے سے نہیں اتری۔ خالو جان۔ کیا سادہ دوپٹہ اوڑھنا منع ہے۔ خالہ جان۔ وہ بیچاری کیا کچھ کہتی ہے۔ خالو جان۔ تو تم اپنی ہی طرف سے خیر خواہی کے اہتمام میں لگی رہتی ہو۔ خالہ جان۔ میں ہوں کس قابل مگر خیر جو کچھ ہو سکتا ہے کئے جاتی ہوں۔ مجھ کو ہر وقت اس بات کا خیال لگا رہتا ہے کہ اس کا دل ہے غم زدہ[1] ایسا نہ ہو کسی چیز کو اس کی طبیعت چاہے اور یہ لحاظ کے مارے منہ سے نہ کہہ سکے اور ارمان جی کا جی ہی میں رہ جائے۔ اگر خالہ جان کو خدانخواستہ

---

[1] اس وجہ سے کہ روٹھ کر میاں کے پاس سے چلی آئی تھی پھر اُن لوگوں نے بلایا نہیں ۱۲

تمھارے ساتھ عداوت تھی تو خود کھانا کھالیتیں۔ دشمن کا یہی کام ہے کہ فاقے میں ساتھ دے اور شریک مصیبت ہو۔ وہ حمیدہ جس کو تم کہتی ہو کہ پاؤں مار مار کر تو پرزے اڑاؤں آج دن بھر اس کو تمھارے واسطے روتے گزرا ہے۔ یہ عمر اور اتنا صبر کہ صبح سے اب تک دانہ اس کے منہ میں نہیں گیا۔ نگوڑی ایسی بےسدھ[1] پڑی ہے کہ گویا جان نہیں۔ ان لوگوں کا وہ حال اور تمھاری یہ کیفیت۔ ایک ذرا سی بات میں تمھارا دل اس قدر پھر گیا کہ ساری نیکی برباد۔ کل سلوک اکارت۔ تمام احسان غارت۔ پھر بھلا تم سے کوئی کیا توقع رکھے اور کس امید پر تم سے ملے۔ نعیمہ۔ بھائی یہ بات تمھاری واجبی ہے کہ ہمیشہ سے اماں جان مجھ کو بہت چاہتی ہیں۔ لیکن خدا جانے ان کو کیا ہو گیا تھا کہ بےتحاشا[2] مار بیٹھیں۔ صالحہ۔ اچھا پھر یوں ہی سمجھو کہ آدمی ہی تو ہیں۔ اُن ہی سے زیادتی ہو گئی سہی۔ لیکن کیا انصاف ہے کہ اس ایک زیادتی کی وجہ سے اُن کی عمر بھر کی مہربانی اور شفقت اور عنایت اور رعایت اور دلسوزی[3] اور ہمدردی اور خیرخواہی اور پرورش اور نفع رسانی[4] ایک دم سے سب پر پانی پھیر دیا جائے[5]۔ نعیمہ۔ مجھ کو رہ رہ کر ان کا کمبخت تھپڑ یاد آتا ہے۔ صالحہ۔ اس واسطے کہ تم نے ان کے حقوق بھلا رکھے ہیں۔ نعیمہ۔ کیا تم سے اماں جان نے کہا ہے کہ سمجھا بجھا کر نعیمہ کو خطا معاف کرانے کے لیے لوا لاؤ۔ صالحہ۔ ان کو تمہاری خطا

---

[1] بےہوش ۱۲ [2] بےتامل ۱۲ [3] حد درجہ کی محبت ۱۲ [4] فائدہ پہنچانا ۱۲
[5] ڈبو دیا جائے ۱۲۔

معاف کرنے کی کیا ضرورت ہے نقصان تمھارا ہے یا اُن کا۔ اور شاید ان کے دل میں یہ بات آئی بھی ہو تو تمہارے مزاج کو دیکھ کر بھلا ان کو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ تم خطا کا اقرار اور معافی کی درخواست کرو گی۔ نعیمہ۔ بھلا اور جو میں گئی اور اماں جان مُنہ سے نہ بولیں تو مجھ کو اور شرمندگی ہو گی۔ صالحہ۔ ممکن ہے کہ نہ بولیں کیونکہ تمھاری خطا معمولی طور کی خطا نہیں ہے۔ مگر پھر وہ ماں ہیں اور ماں بھی کیسی ماں۔ بچوں پر اور خصوصاً تم پر دل سے فدا۔ جان سے قربان۔ شاید تم کو کوٹھڑی سے نکلتا ہوا دیکھ کر عجیب نہیں کہ دوڑ کر خود لپٹ جائیں اور تم کو مُنہ سے کہنے کی بھی نوبت نہ آئے۔ نعیمہ۔ جی تو چاہتا ہے کہ جاؤں چلی بھی جاؤں مگر شرم آتی ہے۔ بھلا کل پر رکھیں تو کیسا۔ صالحہ۔ تم کو خدا کا ترس نہیں آتا کہ سارا گھر فاقے سے ہے رات بھر میں تمھارا اور ان سب کا کیا حال ہو گا۔ نعیمہ۔ بھائی ہاتھ جوڑ کر نے کو تو رہنے دو کھانا اپنے نام سے منگوا بھیجو۔ صالحہ۔ اجی مجھ سے کہو تو میں کھانے کو بھی رہنے دوں۔ بھوکی مرو گی تم یا تمھاری ماں بہنیں مگر بے صفائی کھانے کا لطف نہیں۔ ادھر تم افسردہ[۱] ادھر وہ آزردہ۔ کھانا کیا خاک کھایا جائے گا۔ بس اتنی دیر کی بات ہے کہ تم کوٹھڑی سے باہر تک چلو۔ نعیمہ۔ بھائی۔ بس زیادہ ہم کو دق مت کرو کھانا منگواؤ میں کھالوں گی۔ صالحہ۔ ہو تم اپنی ضد کی۔ کھانا کھاؤ گی تو کس پر احسان کرو گی کوٹھڑی کے باہر تک چلو تو البتہ میں جانوں کہ تم کو میری خاطر

---

[۱] مراد ہے اداس ۱۲

عزیز تھی۔ نعیمہ۔ چلو بس مجھ کو بچوں کی طرح مت پھسلاؤ۔ یہ بھی تمھاری خاطر ہے کہ میں من گئی ورنہ نعیمہ بندی اِدھر کی دُنیا اُدھر ہو جاتی ایک کی تو سنتی ہی نہیں صالحہ۔ خاک من گئیں پتھرے من گئیں میں اس کو منا منا نہیں سمجھتی کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بدحواس ہیں ورنہ تم کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کسی کی نہیں سنتی اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ بات واجبی ہو تو کیا معنی کہ سننے والا اس کو تسلیم نہ کرے اور دیکھو میری اس وقت کی بات یاد رکھنا کہ تم کو خالہ جان کے آگے ہاتھ جوڑنے پڑیں گے۔ نعیمہ۔ خیر جب پڑیں گے تب جوڑ بھی لیں گے۔ اس کے بعد صالحہ کوٹھری سے نکل دوسرے قطعے میں خالہ کے پاس گئی بہت سے لوگ سو گئے تھے کچھ اونگھ رہے تھے۔ فہمیدہ۔ اکیلی بیٹھی ہوئی دل ہی دل میں نہیں معلوم کیا باتیں کر رہی تھی کہ صالحہ جاتے کے ساتھ ہی بولی۔ لو خالہ جان مبارک میرا اور آپا جان کا کھانا دیجیے۔ فہمیدہ۔ سننے کے ساتھ چونک سی پڑی اور کہنے لگی سچ کہو۔ بھانجی۔ آپ خود ان کو کھاتے ہوئے دیکھ لیں۔ تب تو سہی خالہ۔ بھائی تم نے تو کمال ہی کیا۔ کیونکر منایا۔ کس طرح سمجھایا مجھ کو تو امید نہ تھی کہ وہ کسی ڈھب سے سیدھی ہو گی۔ اس کا غصہ ہے خدا کی پناہ جیسے کسی کو جن چڑھتا ہے۔ نہیں معلوم تم نے کیا سحر کیا کہ ایسے بھوت کو اتارا۔ ہم سب لوگ تو دن بھر ہلاک ہوئے کوئی حکمت نہ چلی۔ کوئی تدبیر پیش رفت نہ ہوئی۔ صالحہ۔ میں تو ان کو یہاں آپ کے پاس لاتی اور آپ کے پاؤں پر ان کا سر رکھواتی

لیکن کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بے تاب ہیں۔ خیر ان شاءاللہ بشرطِ خیریت پھر دیکھا جائے گا۔ لائیے کھانا نکال لے اور جاؤں حمیدہ کو بھی جگاؤں ہوشیار کروں کہ اس کا تو اور بھی برا حال ہوا ہوگا۔ خالہ نے تو کھانا نکال اور صالحہ نے جا حمیدہ کو اٹھا بٹھایا۔ حمیدہ۔ سوتی کیا تھی ضعف و ناتوانی کی غفلت میں پڑی ہاتھ پاؤں توڑ رہی تھی۔ صالحہ کی آواز سنتے ہی آنکھ کھلنے سے پہلے کھڑی ہو گئی۔ اور بڑی بہن کو سلام کیا۔ صالحہ نے پیار سے گلے لگا گود میں لے لیا اور کہا حمیدہ اس قدر سویرے تم سو رہا کرتی ہو۔ حمیدہ۔ اماں جان سے پوچھ لیتی ہوں اور جب وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہاں وقت آگیا تو نمازِ عشا پڑھ کر سو رہتی ہوں۔ صالحہ۔ تم نے کچھ کھانے کو بھی کھایا حمیدہ۔ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہی۔ صالحہ۔ بھوک لگی ہے۔ حمیدہ نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ چلو ہم تم کھانا کھائیں۔ حمیدہ۔ ہماری اماں جان نے کھانا کھایا۔ صالحہ۔ اماں جان تمھارے ساتھ کھائیں گی۔ حمیدہ۔ اور ہماری آپا جان۔ صالحہ۔ تم کو دنیا جہان سے کیا مطلب۔ جس کو بھوک لگی ہوگی آپ کھائے گا حمیدہ۔ اے ہے۔ آپا جان نہ کھائیں میں کھا لوں۔ اچھی خدا کے لئے تم کسی طرح آپا جان کو سمجھاؤ۔ آج تمام دن انھوں نے کچھ نہیں کھایا ننھا دودھ کے لئے پھڑک کر آخر سو گیا۔ یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی تو صالحہ نے اُس کی تشفی کی کہ حمیدہ رہیت آپا بھی کھائیں گی۔ غرض کوئی ڈیڑھ پہر رات گئے سب نے

کھایا۔ صالحہ۔ اور نعیمہ نے ایک ساتھ کوٹھری میں۔ اور باقی سب لوگوں نے اپنے اپنے دستور کے مطابق۔ کھانے کے بعد سو رہے۔ مگر صالحہ اور نعیمہ میں کچھ گفتگو کھانے کے بعد بھی ہوئی۔ خود ہی نعیمہ بولی کیوں صاحب اب تو آپ خوش ہوئیں جو کچھ تم نے کہا میں نے کیا۔ صالحہ۔ خوش تو میں تب ہی ہوتی کہ جب صفائی ہو گئی ہوتی۔ نعیمہ۔ اچھی اب بھی صفائی میں کیا کچھ باقی رہ گیا رفتہ رفتہ دس پانچ دن میں بول چال بھی ہونے لگے گی۔ صالحہ۔ دس پانچ دن۔ نعیمہ اور کیا کل۔ صالحہ۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ تم نے خود کہا تھا۔ کل پر رکھو۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں کل بولنے بھی لگوں گی۔ صالحہ۔ تو خاک بھی صفائی نہیں ہوئی۔ کھانا میں نے کھایا۔ اماں جان نے کھایا۔ ننھا دیکھو دودھ پی ہی رہا ہے اس سے بڑھ کر صفائی کیا ہو گی۔ صالحہ۔ خیر میری زبردستی سے تم سب نے ایک ایک دو دو نوالے کھا لئے۔ میں اس کو کھانا نہیں سمجھتی۔ دودھ پلانے والی عورت بھلا کچھ نہ کھائے۔ تب بھی چار چپاتیاں تو کھائے تم نے پاؤ ٹکڑا بھی نہیں کھایا۔ چاولوں کو ہاتھ نہیں لگایا تمہارے سب میں بھی بھوکی اٹھ گھڑی ہوئی۔ میں سمجھتی تھی کہ خیر صبح کو کو اس کی کسر نکل جائے گی۔ سو تم نے ابھی سے امید توڑ دی۔ نعیمہ۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اب اس گھر میں مجھ کو اپنا گذر ہوتا ہوا۔ معلوم نہیں ہوتا۔ اور اب میرا جی لگنا بھی مشکل ہے۔ صالحہ۔ کیوں۔ نعیمہ۔ میں نے تم سے کہا نہیں کہ یہاں

تو ایک ایک مہینے پہلے سے ابا کا مزاج اماں کے تیور گھر کا رنگ ڈھنگ سب کچھ بدلا ہوا ہے۔ گو مجھ سے ابھی تک نماز روزے کا تذکرہ نہیں کیا لیکن بکری[1] کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ جب بڑے بھائی تک نوبت پہنچ گئی تو بھلا میں بیچاری کس گنتی میں ہوں وہ اللہ رکھے اوّل تو مرد۔ دوسرے سب میں بڑے تیسرے خدا کے فضل سے چنداں ان کے محتاج و دست نگر[2] بھی نہیں آج الگ ہو جائیں تو اُن کی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ جب رجواڑے میں جا کھڑے ہوں گے اپنی شاعری کے ہنر سے مصاحب یا ناظم یا چکلہ دار ہو جائیں گے میں بدنصیب ایک تو پردے کی بیٹھنے والی۔ دوسرے ایسا کوئی ہنر نہیں آتا۔ کہ چار پیسے کا سہارا ہو اس روز بدکی کیا خبر تھی ورنہ آنکھو دیکھتے دیکھتے ساتھ والی لڑکیاں کیسے کیسے کام سیکھ گئیں کہ ہنر کی بدولت گھر بیٹھی بادشاہت کر رہی ہیں۔ مجھ کو کہیں اپنا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ ماں باپ کے گھر ایسی پڑی ہوں جیسے گلی میں کتا۔ خدا واسطے کو کسی نے ٹکڑا ڈال دیا کھا لیا۔ ورنہ میرا کیا زور اور کون دعوی۔ ابا جان تو پہلے ہی سے کچھ واسطہ و سروکار نہیں رکھتے۔ لڑکیوں سے بولنے اور بات کرنے کی ان کو عادت نہیں۔ اماں جان کا ایک سہارا تھا سو انھوں نے ایسی دست درازی شروع کی کہ اب خدا ہی

---

[1] کہاوت ہے یعنی بکری آخر ایک نہ ایک دن ذبح ہو کر رہے گی ۱۲ [2] ہاتھ دیکھنے والے اس سے بھی مراد محتاج ہے ۱۲

اُن کے ہاتھ کو روکے گا تو رُکے گا۔ ورنہ چھوٹا تو ہے ہی۔ صالحہ۔ آپا تم اس قدر بے دِل کیوں ہوتی ہو۔ کیا نماز کچھ ایسا بڑا مشکل کام ہے کہ اس کی وجہ سے یہ تمام دقتیں تم کو پیش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ نعیمہ۔ لو اِمیں تو ہنسی دِل لگی کی آدمی ہوں۔ بھلا مجھ سے یہ اونگھتی اداس زندگی کاہے کو نبھے گی۔ لڑائی تو خیر آج ہوئی ہے لڑائی تو خیر آج ہوئی ہے۔ میرا تو کئی کئی دن سے جی گھبرا رہا تھا۔ صالحہ۔ پھر آخر تم نے تدبیر کیا سوچی ہے۔ نعیمہ۔ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ میں تمہارے یہاں چلی جاؤں۔ صالحہ۔ یہ سُن کر چپکی ہوئی۔ اور دیر تک چپ رہی تو نعیمہ بولی تم تو سن کر ایسی دم بخود ہوئیں کہ گویا میں سچ مچ تمہارے گھر جا رہی ہوں۔ ڈرو مت میں نے تو تمہاری محبت آزمانے کے لئے ایک بات کہی۔ ورنہ میں نہ کہیں آؤں نہ جاؤں۔ یہ تو کیا اس سے بھی زیادہ مصیبت ہو تو میں دوسرے کا احسان نہ اٹھاؤں۔ صالحہ۔ یہ تو تم نے کوئی نرالی ادا سیکھی ہے۔ چھیڑ چھیڑ کر لڑنا۔ گھر جیسے میرا ویسے تمہارا جن کا گھر ہے میں ان کی بیٹی اور تم بیٹیوں سے بڑھ کر۔ جاوگی تو اپنی خالہ کے گھر جاوگی اور احسان اٹھاؤگی تو اپنی خالہ کا اٹھاؤگی۔ میں تم کو لے جانے والی یا منع کرنے والی کون۔ نعیمہ۔ اچھا تو میں پوچھتی ہوں اگر میں چلی جاؤں تو خالہ جان کیا کہیں گی۔ صالحہ جو میں کہتی ہوں۔ جو تمہاری اماں کہتی ہیں وہی خالہ جان کہیں گی وہی ہر شخص کہے گا جو سُنے گا۔ کیا خالہ جان دنیا جہان سے باہر یا

انوکھی ہیں۔ نعیمہ۔ اجی گھر سے تو نہ نکال دیں گی۔ صالحہ یہاں تم کو کوئی گھر سے نکال رہا ہے جو وہاں سے خدانخواستہ نکال دے گا آیا نہیں معلوم تم اب کیسی باتیں کرنے لگی ہو۔ ایک اماں سے کیا لڑیں سارے کنبے کو دشمن ٹھہرا لیا۔ نعیمہ لیکن خالہ جان بیچاری غریب آدمی ہیں کہاں سے میرا خرچ اٹھائیں گی۔ صالحہ۔ اب ایسی بھی گئی گذری ہوئی نہیں ہیں کہ مہینے بیس دن تم کو نہیں رکھ سکتیں نعیمہ۔ مہینا بیس دن کیسا۔ میں تو ساری عمر کے لئے جاتی ہوں۔ صالحہ خدا نہ نہ کرے کہ تم ساری عمر خالہ کے یہاں پڑی رہو۔ اللہ تم کو اپنے گھر آباد کرے اور تمھاری ماں کا کلیجہ[۱] تم سے ٹھنڈا ہو۔ نعیمہ۔ میں بھی یہی سوچ کر جاتی ہوں کہ چند روز وہاں رہوں گی تو اماں جان کو بھی لڑائی جھگڑے کی باتیں بھول بسر جائیں گی پھر بلوا بھیجیں گی تو چلی آؤنگی۔ صالحہ میرے نزدیک بھی جانے میں کچھ قباحت نہیں۔ مگر اپنی اماں جان سے اجازت لے لو۔ نعیمہ کیوں کر لوں پوچھوں۔ صالحہ۔ یہ بھی کوئی بڑا مشکل کام ہے۔ ابھی ان کے پاس چلی جاؤ اور جاکر کہو کہ میں خالہ جان کے یہاں جاتی ہوں وہ کہدیں گی اچھا۔ نعیمہ۔ سچ کہنا کہیں چلی نہ جاؤں۔ اتنا کام تم نہیں کر دیتیں۔ صالحہ۔ نہیں میں نہیں کرتی۔ نعیمہ۔ ہماری بہن نہیں۔ صالحہ۔ میں بہن بھی نہیں بنتی۔ بیوی صاحب کو

---

[۱] یعنی اُن کو تمھارے اپنے گھر بسنے کی خوشی ہو ۱۲۔

اتنا سمجھایا اتنا سمجھایا خاک بھی اثر نہ ہوا۔ نعیمہ۔ نوج کوئی ایسی بے مروّت ہو۔ صالحہ۔ تم سے بھی بڑھ کر۔ نعیمہ۔ اچھی میری بہن۔ صالحہ۔ خیر میں پوچھ دونگی۔ لیکن کیا تم خالہ جان سے رخصت ہو کر نہ چلوگی اور چلتے وقت ان سے نہ ملوگی۔ نعیمہ۔ اس وقت جیسی ہوگی دیکھی جائے گی۔ صالحہ۔ سُنو لوا اگر تمہارے دل میں دغا ہو تو پہلے سے کہدو ایسا نہو میں پوچھنے جاؤں اور تم بے ملے چل دو تو ناحق مجھ کو شرمندگی ہو۔ نعیمہ۔ نہیں میں نے تمہارے چھیڑنے کو کہا تھا۔ بھلا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ چلتے وقت میں اماں جان سے نہ ملوں۔ تو جاؤ پوچھ آؤ۔ صالحہ۔ اس وقت رات زیادہ گئی ہے۔ آخر صبح کی نماز میں خالہ جان کے ساتھ پڑھوں گی اُسی وقت پوچھ دوں گی۔ نعیمہ۔ اچھا پھر ڈولیوں کو تو تڑکے پر اسی وقت کہلا بھیجو۔ ورنہ شاید وقت پر نہ ملیں۔ صالحہ۔ نہ ملیں گی تو ہمارے محلے سے آجائیں گی۔ نعیمہ۔ اس میں دیر ہوگی۔ صالحہ۔ کیا شادی میں جانا ہے ہیں کہ دیر ہوگی تو دلہن رخصت ہو جائے گی۔ نعیمہ۔ نہیں۔ چلنا ہے تو بس مُنہ اندھیرے چل دیں۔ ننھا ڈولی میں ڈرتا ہے۔ صالحہ۔ خیر اسی وقت کہلا دیا جائے گا۔ اس کے بعد نعیمہ اور صالحہ دونوں سو رہیں ابھی تارے چھٹکے ہوئے تھے کہ صالحہ اپنے معمول پر نماز صبح کے واسطے اٹھی اور نعیمہ اس وقت غفلت کی نیند میں پڑی سو رہی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر صالحہ خالہ کے پاس جاکر کھڑی ہوئی اور کہا کہ بس خالہ جان اب میں جاؤں گی۔ خالہ ایں ایسی جلدی کہ تم آگ[۱] لینے

---

[۱] کہاوت ہے ۱۲

آئیں تھیں کیا آئیں کیا چلیں ۔صالحہ ۔ دس پندرہ دن بعد پھر آجاؤں گی ۔خالہ ۔ ذرا نعیمہ کے مزاج کو ٹھکانے لگنے دیا ہوتا ۔صالحہ ۔ وہ بھی تو میرے ساتھ جانے کو کہتی ہیں ۔خالہ ۔ سچ کہو ۔صالحہ ۔ مجھ سے کہہ بھی دیا ہے ۔کہ تم پوچھ لو ۔خالہ ۔اُسی کی مرضی ہے یا تم نے صلاح دی ہے ۔صالحہ ۔ خود ان ہی کی مرضی ہے ۔خالہ ۔ بھلا کچھ یہ بھی کہتی تھیں کتنے دن کے واسطے ۔صالحہ ۔ دنوں کی تعیین تو مجھ سے نہیں بیان کی ۔خالہ ۔ خیر اُس نے دنوں کی تعیین نہیں کی تو میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ آٹھ دن سے زیادہ مت رکھنا ۔ ہماری بہن بے چاری غریب آدمی ہیں اُن کو تکلیف ہوگی ۔صالحہ ۔اب جب اُن کا جی چاہے ۔ خالہ ۔تم لئے تو جاتی ہو مگر اتنا تو کرنا کہ اس کو بھی نیک ہدایت دینا ۔صالحہ ۔ جہانتک مجھ سے ہوسکے گا سمجھاؤں گی اور اُن کو مولویوں کے وعظ سنواؤں گی ۔ خدا کی ذات سے امید تو ہے کہ ضرور اثر ہوگا ۔اس کے بعد صالحہ نے گھر کے نوکروں سے پوچھا کہ ڈولیوں کے واسطے رات کو خبر کہلا بھیجا تھا آئیں یا نہیں ۔معلوم ہوا کہ ڈولیاں توپ سے پہلے کی دروازے پر لگی ہوئی ہیں تب صالحہ کوٹھری کی طرف چلی ۔اس غرض سے کہ نعیمہ کو جگائے اور اجازت کی خوشخبری سنائے ۔ دیکھا تو نعیمہ پلنگ پر نہیں ۔سمجھی کہ دوسرے قطعے میں بچے کا ہاتھ منہ دھلاتی ہوں گی ۔مگر وہاں بھی نعیمہ کو نہ پایا ۔معلوم ہوا کہ جب صالحہ خالہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی ۔ نعیمہ چپکے سے اُٹھ بچے کو لے گھر کی راہ ہو کر ڈیوڑھی میں جا سوار ہو بے رخصت ہوئے چل دیں ۔ اب یہ کیا

موقع تھا کہ ڈولی واپس منگائی جائے۔ ناچار صالحہ اکیلی خالہ کو سلام رخصت کرنے گئی تو خالہ نے کہا۔ اے لڑکی ایسی کیا بھاگڑ مچی ہے۔ نعیمہ کو اٹھنے دو۔ ناشتہ کھا پی لو۔ تب جانا۔ صالحہ۔ آپا تو گئیں بھی۔ خالہ۔ یہ کب۔ صالحہ۔ جس وقت میں بعد نماز آپ سے باتیں کر رہی تھی۔ اُسی وقت وہ سوار ہو گئیں۔ خالہ کیسی چپکے سے نکل گئی کہ میں نے اُسے جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ صالحہ۔ کھڑکی کی راہ سے گئیں۔ خالہ۔ تب ہی۔ مگر صالحہ تم نے دیکھا اس کا غصہ۔ کتنا تم نے اس کے ساتھ سر مارا۔ میں باہر کھڑی ہوئی تمہاری ساری باتیں سنتی تھی لیکن اس کا یہ اثر ہوا کے بے ملے چل دیں۔ بھلا کہیں ایسا بھی غضب ہوا ہے کہ بیٹی ماں کے گھر سے یوں چلی جائے۔ اگر میں اس کی باتوں پر جاؤں تو جیتے جی صورت نہ دیکھوں۔ لیکن کیا کروں یہ دل کمبخت نہیں مانتا اس مزاج کی بدولت ان حالوں کو تو یہ پہنچ گئی مگر ذرا اس کو خیال نہیں مطلق اس کو پروا نہیں دیکھئے کیا اس کی تقدیر میں لکھا ہے کیا اس کے نصیب میں بدا ہے اس کے غم نے تو مجھے کھا لیا اور میں اس کے سوچ میں تمام ہو گئی۔ صالحہ۔ آپ رنج نہ کیجئے اور دل کو سنبھالئے اب آپ نے ان باتوں کا خیال کیا ہے۔ ان شاء اللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے۔ یہی ہے کہ کوئی دیر کوئی سویر۔ اب ہم نعیمہ کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں جو اُس کو پیش آیا۔ اور جیسا اس کا انجام ہوا پھر بیان کریں گے۔

کلیم باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل گیا نصوح نے کلیم کا تکلف خانہ اور بیہودہ کتاب خانہ جلا دیا۔

نعیمہ تو صبح ہوتے گئی۔ مگر کلیم رات ہی کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب صالحہ ڈولی سے اتری لوگ اس سے ملنے ملانے میں مصروف ہوئے کلیم آنکھ بچی تو دروازہ کھول باہر۔ اتنا بھی تو نہ کیا کہ رات کا وقت ہے لاؤ کسی سے دروازے کے واسطے تو کہتا جاؤں[1]۔ جب نعیمہ کو کھانا جالیا سب گھر والے کھا پی کر فارغ ہو گئے اور فہمیدہ سونے کے ارادے سے مکان میں آئی تو دیکھا باہر کا دروازہ چوپٹ[2] کھلا پڑا ہے۔ کلیم کو ادھر دیکھا اُدھر دیکھا کہیں پتہ نہیں۔ سمجھی کہ موقع پا کر چل دیا۔ لیکن اُس وقت نہ تو کلیم اس ارادے سے گیا تھا کہ پھر نہ آئے اور نہ فہمیدہ کو ایسا گمان ہوا۔ رات گئی تھی زیادہ بات کا چرچا کرنا مناسب نہ جان کر سب لوگ سو رہے۔

نصوح نماز صبح پڑھ کر مسجد سے واپس آ رہا تھا کہ اس کو گلی کے نکڑ[3] پر نعیمہ کی اور ڈیوڑھی سے نکلتی صالحہ کی ڈولی ملی۔ کلیم کی نافرمانیوں پر غصہ تو اسے رات ہی کو بہتیرا کچھ آیا اور بار بار اس کے دل نے چاہا کہ اسی وقت ادھر یا ادھر جو کچھ ہو

---

[1] کہ بند کر لو ۱۲ [2] بالکل پورا ۱۲ [3] سرے پر ۱۲

فیصلہ کر دے لیکن چند در چند باتوں کے لحاظ سے وہ زہر[۱] کا سا گھونٹ پی کر چپ ہو رہا۔ اور بمشکل سے اپنی طبیعت کو اس بات پر رضا مند کیا کہ پیام زبانی کا اثر اور تحریر کا نتیجہ تو معلوم ہوا ایک مرتبہ اور رو در رو کہہ کر بھی دیکھ لو اس پر بھی نہ سمجھے تو اپنا سر کھائے[۲] اس ارادے سے وہ پہلے مردانے مکان میں آ کر ٹھہرا۔ اور جب کلیم اُس کو نظر نہ آیا تو اُس نے نوکروں سے پوچھا مگر کسی نے جواب صاف نہ دیا۔ تب وہ نوکروں پر خفا ہوا کہ تم لوگ کیسے نالائق ہو کہ مجھ کو اس بدبخت کا ٹھیک پتہ نہیں دیتے تم اپنے پندار[۳] میں اس کے حق میں خیر خواہی کر رہے ہو مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمھاری رازداری[۴] نہ صرف اس کم نصیب کے حق میں زبوں ہے بلکہ تمھارے حق میں بھی اس کا نتیجا اچھا نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اُس کی عادت اس قدر سویرے اٹھنے کی نہیں ہے ضرور ہے کہ تم نے اُس کو جگا کر کہیں ٹال دیا ہے میں نے تم کو اپنی آسائش کے لیے خاص خاص خدمتوں پر مامور[۶] کر رکھا ہے اگر تمھاری وجہ سے میرے انتظام خانہ داری میں خلل واقع ہو[۷] تو تم میرے نوکر نہیں ہو بلکہ دشمن ہو ملازم نہیں ہو بلکہ بدخواہ ہو۔ اگر میں اس ناشدنی کو فرزندی سے عاق[۸] کروں گا تو تم سب کو بھی اس کے ساتھ نوکری سے برطرف۔ نصوح۔ کا یہ کلام سن کر اعلیٰ ادنیٰ سب نوکر تھرا اٹھے اور جہاں

۱؎ یعنی غصہ کو ضبط کیا ۱۲ ۲؎ مراد یہ ہے جو اس کے جی میں آئے کرے میری بلا سے ۱۲ ۳؎ گمان ۱۲ ۴؎ بھید کا چھپانا ۱۲ ۵؎ آرام ۱۲ ۶؎ یعنی ہر ایک کو ایک خاص خدمت سپرد ہے ۷؎ جس سے کچھ ہونا ہوانا نہیں ۱۲ ۸؎ خارج ۱۲

میں سب سے زیادہ سلیقہ مند تھا دست بستہ ہو کر بولا کہ حضور کا عتاب غلاموں کے سر و چشم پر مگر شب کو مکان زنانہ رہا اور خانہ زادوں کو اجازت ہوئی کہ اپنے اپنے گھر جا کر سوئیں۔ اُس وقت تک صاحبزادے صاحب گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ نمک خواروں نے صبح کو اگر اُن کا جمال نہیں دیکھا۔ جناب بیگم صاحب سے حضور اس کا حال دریافت فرمائیں۔ خانہ زادوں سے ایسی کور نمکی[1] نہو گی کہ حضور سے کوئی بات مخفی رکھیں یہ سُن کر نصوح اندر گیا اور حسب عادت سب لوگ اس کو سلامِ صبح کرنے کے واسطے جمع ہو گئے۔ فہمیدہ اُس وقت تک تلاوت میں مصروف تھی مگر تھوڑی دیر میں فارغ ہو گئی تو نصوح نے کہا کیوں صاحب بی صالحہ گئیں۔ فہمیدہ۔ کبھی کی گئیں۔ اب تک تو وہ گھر بھی پہنچ گئی ہونگی۔ نصوح۔ اور دوسری ڈولی کس کی تھی۔ فہمیدہ۔ تمھاری بڑی صاحبزادی کی۔ نصوح۔ من کر گئیں یا بگڑ کر فہمیدہ۔ کچھ من کر کچھ بگڑ کر۔ نصوح۔ یہ کیا۔ فہمیدہ۔ صالحہ نے خدا اس کو جزائے خیر دے بہت کچھ سمجھایا اور آدھی رات تک اپنا سر خالی کیا۔ بارے اُس کے کہنے سے انھوں نے اپنا قہرمی[2] روزہ تو افطار کیا لڑکے کو دودھ بھی پلایا۔ یہ تو اُن کا منانا تھا بگڑنا یہ کہ صبح کو بے ملے بے رخصت ہوئے ڈولی میں بیٹھ چل دیں۔ میں صالحہ سے باتیں کرتی رہی میں نے اُس کو جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ نصوح۔ خیر ان سے تو خدا نے سبکدوش[3] کیا اب صاحبزادے صاحب کی کہو وہ کہاں ہیں۔ سب چھوٹے

۱ے دکھاوا ۱۲ ۲ے غصہ کا روزہ ۱۲ ۳ے یعنی کندھے پر سے یہ بوجھ تو ہلکا ہوا ۱۲

بڑوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ ہم کو مطلق خبر نہیں۔ نصوح۔ کب سے غائب ہیں۔
فہمیدہ۔ مغرب کے بعد سے برابر میرے پاس بیٹھا تھا۔ میں اس کو سمجھاتی رہی۔ تمہارا
خط آیا اُس کو پڑھا۔ اتنے میں صالحہ کی ڈولی آپہونچی۔ میں اُس سے باتیں کرنے لگی۔ پھر
لوگوں کو کھانا دیا دلایا۔ اس میں کوئی پہر ڈیڑھ پہر رات چلی گئی۔ سونے کو جو گئی تو دیکھا
کہ مکان خالی پڑا ہے۔ نصوح۔ الحمدللہ[1] خس کم جہاں پاک[2] لیکن میں تم سے پوچھتا
ہوں کہ اس میں کس کی خطا ہے میری یا اُس کی۔ فہمیدہ۔ خطا صریح اُسی کی ہے۔
خواہ مخواہ بھی تمہاری خطا بتادوں۔ تم نے اُس کو ایک دفعہ چھوڑ دو دفعہ بلایا۔
خط لکھا۔ بس حد ہو گئی۔ علیم نے بہتیرا سمجھایا۔ میں نے بہت کچھ کہا سنا۔ وہ اپنی
شاعری کے آگے کس کی سنتا ہے۔ تم تک جانے ہی کی اس نے ہامی نہ بھری[3]۔ میں نے
کہا تھا کہ کھانے سے فراغت پاکر پھر اُس کے ساتھ سر ماروں گی۔ اسی غرض سے
مردانے مکان میں پہرا کرایا۔ مگر وہ پہلے ہی سے نکل گیا۔ کوئی کیا کرے اپنی اپنی
قسمت۔ اپنی اپنی تقدیر۔ نصوح۔ جس طرح یہ نالائق میرے ساتھ پیش آیا نعیمہ
نے تمہارے ساتھ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کیا۔ اس کے بعد نصوح نے
منجھلے بیٹے علیم سے کہا بھلا تم نے اُس کے بچھونے یا کتابوں میں تو دیکھا ہوتا شاید

---

[1] خدا کا شکر ہے ۱۲ [2] کوڑا کرکٹ کم ہوا تو جہاں پاک ہو گیا یہ فارسی کی مثل ہے۔

[3] یعنی زبان سے ہاں نہ کہا ۱۲

وہ کچھ لکھ کر رکھ گیا ہو افسوس ہے کہ اُس کے نفس سرکش[۵۱] نے اُس کو مجھ تک نہ آنے دیا۔ ورنہ میں تو ہر طرح اس کے عذرات کو سننے اور اس کے وجوہات پر لحاظ کرنے اور معقولیت کے ساتھ اس کو سمجھانے کے لئے موجود تھا۔ علیم۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں گزری مگر میں اب ان کی چیزوں میں دیکھے لیتا ہوں۔ اگرچہ مجھ کو اب بھی ایسی امید نہیں ہے کہ وہ کچھ لکھ کر رکھ گئے ہوں کیوں کہ اگر ان کو لکھنا ہی منظور ہوتا تو وہ آپ کے خط کا جواب ہی نہ دیتے دوسرے ان کو اتنی فرصت کہاں ملی۔ کل شام کو اس بات کا چرچا شروع ہوا اور میں جانتا ہوں کہ صالحہ کے آتے ہی وہ تشریف لے گئے۔ اس اثنا[۵۲] میں برابر میں ان کے پاس تھا اور میرے چلے جانے کے بعد اماں جان۔ نصوح۔ پھر بھی میں اُس کو داخلِ اتمامِ حجت[۵۳] سمجھ کر چاہتا ہوں کہ احتیاطاً اس کی چیزوں میں دیکھ لیا جائے۔ چلو میں تمہارا شریک رہوں گا۔ ہر چند علیم کو منظور نہ تھا کہ بھائی کی چیزوں پر باپ کی نظر پڑے۔ لیکن باپ کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر باہر مردانے میں آ کر نصوح نے نوکروں سے پوچھا کہ کلیم کا اسباب کس جگہ رہتا ہے۔ نوکر۔ حضور۔ صاحبزادے صاحب نے دو کمرے لے رکھے ہیں۔ اس دکھن والے کمرے کا نام انھوں نے (دیکھے ہی تو ہیں) عشرت منزل[۵۴] رکھ چھوڑا ہے۔

---

۵۱ جو کسی سے نہ دبے ۱۲ ۵۲ اس درمیان میں اس عرصے میں ۱۲ ۵۳ یعنی اتنا کرنے سے حجت میری طرف سے پوری ہو جائے گی ۱۲ ۵۴ خوشی کا گھر ۱۲

جب اُن کے ہم جولی آتے ہیں تو سب اسی کمرے میں بیٹھ کر کھیلا اور باتیں کیا کرتے ہیں اتّروالے کمرے کو خلوت[1] خانے کا نام سُن کر چپ کُنا ہوا اور اس نے نوکروں سے کہا اچھا پہلے اس عشرت منزل کو کھولو۔ چنانچہ عشرت خانہ کھولا گیا تو ایک تکلف خانہ تھا۔ کمرے کے بیچ میں چوکیوں کا فرش اس پر دری۔ اس پر سفید چاندنی اس خوش سلیقگی کے ساتھ تنی ہوئی کہ کہیں دھبے یا سلوٹ کا نام نہیں۔ صدر[2] کی جانب گجرات کا نفیس قالین بچھا ہوا۔ گاؤ تکیہ لگا ہوا۔ سامنے اگالدان لب قالین پیچوان۔ چوکیوں کے گرداگرد کرسیاں تھیں تو لکڑی کی لیکن آئینے کی طرح صاف اور چمکتی ہوئی۔ چھت میں پٹا پٹی کی گوٹ کا پنکھا لٹکا ہوا۔ ہلانے کے واسطے نہیں بلکہ دکھانے کے لیے۔ اس کے پہلوؤں میں جھاڑ جھاڑوں کے بیچ بیچ میں رنگ برنگ کی ہانڈیاں۔ چھت کیا تھی بلا مبالغہ آسمان کا نمونہ تھا۔ جس میں پنکھا بجائے کہکشاں کے تھا۔ جھاڑ بمنزلہ آفتاب و ماہتاب اور ہانڈیاں ہو بہو جیسے ستارے۔ چھت کے مناسب حالت دیواریں تصویروں اور قطعات اور دیوارگیریوں سے آراستہ تھیں۔ نصوح اس ساز و سامان کو تھوڑی دیر ایک سکتے[3] کے عالم میں دیکھتا رہا اس کے بعد ایک آہ کھینچ کر بولا کہ افسوس کتنی دولتِ خداداد اس بیہودہ نمائش[4] اور تکلف و آرائش میں ضائع کی

---

[1] تنہائی اور تخلیے کا گھر ۱۲ [2] میر مجلس کے بیٹھنے کی جگہ ۱۲ [3] خاموشی ۱۲ [4] دکھاوا ۱۲۔

گئی ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ روپیہ محتاجوں کی امداد اور غریبوں کی کاربرآری میں صرف کیا جاتا۔

اُس کے بعد اُسکی نگاہ مقابل مسند جا پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ آمنے سامنے دو میزیں لگی ہیں ایک پر گنجیفہ۔ شطرنج چوسر تاش۔ کھیل کی چیزیں اور ارگن باجے رکھے تھے۔ دوسرے پر گلدان اور عطردان وغیرہ کے علاوہ ایک نہایت عمدہ طلائی جلد کی ایک موٹی سی کتاب۔ نصوح نے نہایت شوق سے اس کتاب کو کھولا۔ تو وہ تصویروں کا البم[۱] تھا۔ مگر تصویریں کسی عالم۔ حافظ۔ درویش۔ خدا پرست کی نہیں۔ مکھوا اپکھاوجی۔ تان رس خان گویا۔ میر ناصر احمد بین نواز۔ ممد خان پہلوان۔ کھلونا۔ بھانڈ حیدر علی قوال۔ نتھوا ہیجڑا۔ قاری محمد علی پھکڑ۔ نِدّو جواری اس قسم کے لوگوں کے شیشہ آلات کی وجہ سے نصوح نے دیوار والی تصویروں کو بغور نہیں دیکھا تھا۔ اب البم کو دیکھ کر خیال آیا۔ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو وہ تصویریں اور بھی بیہودہ تھیں۔ قطعے اور طغرے اگرچہ ان کا سوادِ خط پاکیزہ تھا مگر مضمون و مطلب دین کے برخلاف۔ مذہب کے برعکس نصوح نے وہیں سے ایک میز فرش اٹھا کر ان سب کی خبر لینی شروع کی اور بات کی بات میں کل چیزوں کو توڑ پھوڑ برابر کیا اور جو کچھ باقی رہا اس کو صحن میں رکھ کر

۱؎ انگریزی لفظ ہے جس کتاب میں تصویریں لگی ہوں اُس کو البم کہتے ہیں ۱۲

آگ لگا دی اور نوکروں کو حکم دیا کہ اچھا اب خلوت خانہ کھولو۔ اس میں تکلف کے معمولی ساز و سامان کے علاوہ کتابوں کی ایک الماری بھی دیکھنے میں تو اتنی جلدیں تھیں کہ انسان ان کی فہرست لکھنی چاہے تو سارے دن میں بھی تمام نہ ہو۔ لیکن کیا اُردو کیا فارسی سب کی سب کچھ ایک ہی طرح کی تھیں ۔ جھوٹے قصے بیہودہ باتیں ۔ فحش مطلب لچے مضمون ۔ اخلاق سے بعید۔ حیا سے دور ۔ نصوح ان کتابوں کی جلد کی عمدگی ۔ خط کی پاکیزگی ۔ کاغذ کی صفائی ۔ عبارت کی خوبی ۔ طرز ادا کی برجستگی پر نظر کرتا تھا تو کلیم کا کتاب خانہ اس کو ذخیرۂ بے بہا[۱] معلوم ہوتا تھا۔ مگر معنی و مطلب کے اعتبار سے ہر ایک جلد سوختنی[۲] اور دریدنی[۳] اسی تردد میں اس کو دوپہر ہو گئی ۔ کئی مرتبہ کھانے کے لئے گھر سے اس کی طلب ہوئی مگر اُس کو فرصت نہ تھی بار بار کتابوں کو اُلٹ الٹ کر دیکھتا تھا اور رکھ رکھ دیتا تھا۔ آخرکار یہی رائے قرار پائی کہ ان کا جلا دینا ہی بہتر ہے چنانچہ بھری الماری کتابیں لکڑی کنڈے کی طرح اوپر تلے رکھ آگ لگا دی ۔ نصوح کا یہ برتاؤ دیکھ اندر سے باہر تک تہلکہ اور زلزلہ پڑ گیا کلیم دوڑا دوڑا آیا اپنا کلیات آتش اور دیوان شرر اٹھا لایا اور باپ

سلہ مراد ہے نثر عبارت ۱۲ ۔ ؎ جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہو سکے یعنے بیش قیمت ۱۲
سلہ جلانے کے قابل ۱۲ ؎ پھاڑ ڈالنے کے قابل ۱۲

سے کہا کہ جناب میرے پاس بھی یہ دو کتابیں اس طرح کی ہیں۔ نصوح نے
ان کتابوں کو بھی دو چار جگہ سے کھول کر دیکھا اور کہا کہ واقع میں ان کے
مضامین جہاں تک میں دیکھتا ہوں بُرے اور بیہودہ ہیں۔ لیکن تمھاری نسبت
مجھ کو خدا کے فضل سے اطمینان ہے چاہو تو اپنی کتابوں کو رہنے دو اگرچہ
ان کا مطالعہ میرے نزدیک خالی از معصیت[۵۱] نہیں ہے۔ علیم کتاب جب
کہ دیکھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں تو اس کا رکھنا بے سود بلکہ خطرناک ہے
بہتر ہوگا کہ ان کو بھی جلا دیا جائے۔ نصوح۔ شاید تم میری خاطر سے کہہ رہے
ہو اور تم کو پیچھے تاسف ہو۔ علیم مجھ کو ہرگز تاسف نہ ہوگا بلکہ خوشی
ہوگی۔ جلائی جائے وہ عمدہ نصیحت کی کتاب جو مجھ کو پادری صاحب نے
دی تھی اور رہیں یہ خرافات[۵۲] میں جانتا ہوں کہ بھائی جان کی کتابوں پر یا وہی
پادری صاحب والی کتاب کا وبال پڑا ہے۔ ڈرنے کا مقام اور عبرت کی جگہ
ہے۔ نصوح لیکن کیا ضرور ہے۔ کہ تمہاری کتابیں بھی اس وبال میں داخل
ہوں۔ ان کے نام بھی جلنا جلنا پکارتے ہیں ارشاد ہو تو جھونک دوں۔
نصوح تمہاری یہی مرضی ہے تو بسم اللہ[۵۳]۔ علیم نے آتش کو دہکتی آگ اور شرر
کو جلتے انگاروں میں پھینک دیا۔ علیم کی دیکھا دیکھی میاں سلیم نے بھی

---

۵۱ گناہ ۱۲ ۵۲ لغویات، واہیات ۱۲ ۵۳ یعنی خدا کا نام لے کر ڈال بھی دو ۱۲

واسوخت امانت لا باپ کے حوالے کی۔ اور کہا ایک دن کوئی کتاب فروش کتابیں بیچنے لایا تھا۔ بڑے بھائی جان نے فسانۂ عجائب۔ قصۂ گل بکاولی۔ آرائشِ محفل۔ مثنوی میر حسن۔ مضحکاتِ نعمت خان عالی۔ منتخب غزلیات جرکین۔ غزلیات جعفر زٹلی۔ قصائد۔ ہجویہ مرزا رفیع السودا۔ دیوان جان صاحب۔ بہار دانش با تصویر۔ اندر سبھا۔ دریائے لطافت میر انشاء اللہ خاں۔ کلیات رند وغیرہ بہت سی کتابیں اس سے لی تھیں میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر بولے کیوں سلیم تم بھی کوئی کتاب لو گے۔ میں جو آپ تجویز فرمائیں۔ بھائی جان۔ کون سی کتاب تم کو لے دوں۔ یہ کتابیں جو میں نے لی ہیں اوّل تو میرے شوق کی ہیں۔ دوسرے تم کو ان کا مزہ نہیں ملے گا۔ کتاب والے کی ساری گٹھری میں سے یہ واسوخت اور دیوان نظیر اکبرآبادی دو کتابیں انھوں نے میرے لیے نکالیں اور کہا کہ واسوخت تو خیر مگر یہ دیوان بڑی عمدہ کتاب ہے۔ میاں ہد ہد کے اشعار آج تک کسی نے جمع نہیں کیے تھے اس کے حاشیے پر وہ بھی ہیں۔ چونکہ بھائی جان نے دیوان کی بہت تعریف کی تھی میں نے اس کو نہایت شوق سے کھولا۔ تو پہلے ہی چوہوں کا اچار[1] نکلا اس کے مضمون سے میری طبیعت کچھ ایسی کھٹی ہوئی

---

[1] اچار کے ساتھ یہ لفظ کیا مزہ دے رہا ہے ۱۲

کہ میں نے دونوں کتابیں پھیر دیں۔ مگر بھائی جان نے یہ واسوخت زبردستی
میرے سر مڑھی ایک دن اتفاق سے حضرت بی صاحب کے بڑے نواسے
نے میرے جزدان میں دیکھ کر کہا کہ آہا میاں سلیم تم بڑے چھپے رستم نکلے
مَیں۔ کیوں۔ حضرت بی صاحب کا نواسہ۔ تم کو ایسی کتابوں کا بھی شوق ہے
میں۔ مجھ کو بھائی جان نے لے دی ہے۔ کیوں یہ کتاب اچھی نہیں ہے۔
حضرت بی صاحب کا نواسہ اچھی بُری تو میں نہیں جانتا۔ لیکن اگر نانی اماں دیکھ
پائیں تو شاید ہم لوگوں کو تمھارے پاس اُٹھنے بیٹھنے کی ممانعت کریں۔
بھلا کوئی ایسی گندی باتوں کی کتاب بھی پڑھتا ہے۔ تب سے میں نے اس
کتاب کو طاق میں ڈال دیا تھا۔ آج مجھ کو یاد آگئی تو میں نے کہا کہ یہ بھی اپنی
مراد کو پہنچ جائے۔ جب کلیم کا خرمنِ عیش و عشرت جل بھُن کر خاکِ سیاہ
ہو لیا تو نصوح اندر گھر میں گیا اور بیوی نے اس سے پوچھا کیوں جس پرچے
کی جستجو تھی مِلا نصوح۔ نہیں پرچہ تو نہیں ملا۔ لیکن میرا مطلب حاصل ہو گیا۔
فہمیدہ۔ وہ کیا۔ نصوح۔ مجھ کو اس بات کی تلاش تھی کہ کلیم کے دلی خیالات
معلوم کروں کہ آخر اُس کو جو اس قدر گریز ہے کہ میرے پاس تک آنے سے
بھی اس نے انکار کیا تو اس کی وجہ کیا ہے۔ فہمیدہ۔ پھر تم نے کیا وجہ

لہ محاورہ ہے ۱۲

دریافت کی۔ نصوح۔ وجہ کیا دریافت کی۔ اُس کی ساری حقیقت معلوم ہوئی۔ بلکہ شاید رو در رو گفتگو کرنے سے بھی یہ بات پیرانہ ہوتی جو مجھے اب حاصل ہے۔ فہمیدہ۔ آخر کچھ میں بھی سُنوں۔ نصوح۔ میں نے اُس کے عشرت منزل اور خلوت خانہ کو دیکھا۔ اور اس کے کتاب خانے کی سیر کی۔ فہمیدہ۔ عشرت منزل اور خلوت خانہ کیا۔ نصوح۔ تم تو کچھ مجھ سے بھی زیادہ بے خبر ہو۔ آج تک تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صاحبزادہ بلند اقبال نے دو کمرے اپنے واسطے خاص کر رکھے ہیں۔ ایک کا نام عشرت منزل رکھ چھوڑا ہے دوسرے کا خلوت خانہ جس کمرے میں ان کے شیاطین الانس[۲] جمع ہوتے ہیں وہ عشرت خانہ ہے اور جہاں استراحت[۳] فرماتے ہیں وُہ خلوت خانہ ہے۔ اسی خلوت خانے میں کتاب خانہ بھی ہے۔ فہمیدہ اتنی بات تو میں بھی جانتی ہوں کہ کلیم نے دو کمرے لے رکھے ہیں۔ مگر عشرت منزل اور خلوت خانہ میں نے آج ہی سنا ہے۔ نصوح۔ تم نے ان کمروں کو اندر سے بھی دیکھا۔ فہمیدہ۔ نہیں۔ مردانے میں کبھی کاہے کو جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ کل رات البتہ کلیم کے اصرار سے پردہ کروا کے گئی تھی۔

---

[۱] کھلیان۔ یہاں مراد ہے اس کی کتابیں وغیرہ ۱۲ [۲] ہیں تو آدمی مگر شیطان کی طرح بہکاتے ہیں ۱۲ [۳] آرام فرماتے ہیں یعنی سوتے ہیں ۱۲

خوب ہوا کہ تم نے ان کمروں کو نہ دیکھا۔ فہمیدہ کیوں۔ نصوح۔ اب میں ان کمروں کی تمام تر تفضیح[۱] تم سے کیا بیان کروں۔ بس مولانائے[۲] روم قدس[۳] اللہ سرہ العزیز کا شعر ہے

از بروں[۴] چوں گور کافر پر خلل — اندروں قہر خدائے عزّ وجل

گویا ان ہی کمروں کی شان میں ہے۔ ظاہر آباد۔ باطن خراب۔ کوئی کہتا تھا کہ تم نے غصّے میں آکر دیوان خانہ میں آگ لگا دی۔ نصوح اگرچہ وہ مکان جس میں وحشیوں کے سے کام ہوتے ہوں اسی قابل ہے۔ مگر میں نے مکان میں تو آگ نہیں لگائی۔ کچھ دھواں سا مردانے میں ضرور اٹھ رہا تھا۔ نصوح۔ وہ تو چند کتابیں تھیں جن کو میں نے بیہودہ سمجھ کر جلا دیا۔ فہمیدہ۔ ایسے غصّے سے بھی خدا پناہ میں رکھے۔ نصوح۔ غصّے کی تو اس میں کوئی بات نہ تھی۔ فہمیدہ۔ کتاب کا جلانا غصّہ کی بات نہیں تو کیا عقل کی بات ہے۔ میں نے تو سنا ہے کہ کاغذ کا جلانا بڑا گناہ ہے۔ نہ کہ کتاب۔ لوگ کہیں ذرا سا پرزہ پڑا پاتے ہیں تو اٹھا کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ کتاب کو بھولے سے ٹھوکر لگ جاتی ہے تو توبہ توبہ کرکے چومتے

۱۔ رسوائی ۱۲ ۲۔ ان کی مثنوی نہایت مشہور کتاب ہے صوفیوں کے گروہ کے پیشوا تھے ۱۲ ۳۔ خدا ان کے بھید کو پاک کرے مطلب یہ ہے کہ اُن کو جو راز و نیاز خدا کی بارگاہ میں ہے اس میں اور صفائی ہو ۱۲ ۴۔ یعنے اس مکان کا حال کافر کی گور کا سا تھا باہر سے آراستہ اور اندر خدا کا غضب نعوذ باللہ منہ ۱۲

اور ماتھے چڑھاتے ہیں۔ نصوح۔ تم سچ کہتی ہو۔ مگر یہ لوگوں کی زیادتی ہے۔ کاغذ بھی کپڑے کی طرح ایک بے جان چیز ہے۔ کتاب کے عمدہ مضامین جن میں دینداری اور خداپرستی اور نیکوکاری کا بیان ہوتا ہے وہ البتہ قابلِ ادب ہیں۔ فہمیدہ۔ خیر کچھ ہی سہی مگر کتاب ہے تو ادب کی چیز۔ پھر تم نے جلائی کیوں۔ نصوح۔ جن کتابوں کو میں نے جلایا ان کے مضامین شرک اور کفر اور بے دینی اور بے حیائی اور فحش اور بدگوئی اور جھوٹ سے بھرے ہوئے تھے۔ فہمیدہ۔ کتابوں میں ایسی بُری بُری باتیں بھی ہوتی ہیں۔ نصوح۔ کتابیں بھی آدمی بناتے ہیں اور آدمی ایسا مخلوق سرکش[۱] ہے کہ اس نے تمام دنیا میں بدی اور خدا کی نافرمانی پھیلا رکھی ہے۔ کیا تم شعر اور شاعری کے نام سے واقف نہیں ہو۔ فہمیدہ۔ واقف کیوں نہیں۔ کتابوں میں اکثر شعر ہوتے ہیں۔ مگر ان میں تو کوئی بری بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ سنتی ہوں کلیم کو شعر بنانے کا بڑا شوق ہے۔ اور مردوں میں یہ بڑی تعریف کی بات گنی جاتی ہے۔ نصوح۔ شاعری اپنی ذات سے بُری نہیں۔ بلکہ اس اعتبار سے کہ زبان دانی کی عمدہ لیاقت کا نام شاعری ہے۔ ضرور تعریف کی بات ہے۔ لیکن لوگوں نے ایک عام دستور قرار دے رکھا ہے کہ اس لیاقت کو ہمیشہ بُرے

---

[۱] نافرمان جو کسی سے دبے نہیں ۱۲

اور بیہودہ خیالات میں صرف کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے دینداروں کی نظر میں شاعری عیب و گناہ ہے۔ اب شاعری اسی کا نام ہے کہ کسی کی ہجو[1] کیجیے کہ وہ داخلِ غیبت[2] ہے یا مدح[3] بے جا لکھیے کہ وہ کذب[4] و بطالت ہے یا عشق و عیاشی کے ناپاک خیالات میں کوئی مضمون سوچیے کہ وہ خلافِ شریعت ہے یا مسائلِ دین اور اہلِ دین کے ساتھ تمسخر[5] و استہزا[6] کیجیے کہ وہ کفر و معصیت ہے۔ فہمیدہ۔ یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ پڑھنے لکھنے کی چیزوں میں کبھی لوگوں نے خرابیاں پیدا کی ہیں۔ نصوح کیا تم کو اپنا گلستاں پڑھنا یاد نہیں۔ فہمیدہ یاد کیوں نہیں۔ جس دن حمیدہ کا دودھ چھڑایا ہے اس کے اگلے دن میں نے گلستاں شروع کی تھی۔ نصوح۔ بھلا تم کو یہ بھی یاد ہے کہ میں تمہارے سبق سے آگے آگے جابجا سطروں کی سطروں پر سیاہی پھیر دیا کرتا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ صفحے کے صفحے ایسے آپڑے ہیں کہ مجھ کو اوپر سے سادہ کاغذ لگا کر ان کو چھپانے کی ضرورت ہوئی۔ فہمیدہ۔ خوب اچھی طرح یاد ہے چوتھائی کتاب سے کم تو نہ کٹی ہوگی۔ نصوح۔ تم پڑھتی تھیں۔ تب چوتھائی بھی کٹی۔ اگر کوئی دوسری عورت یا لڑکی پڑھتی ہوتی تو میں آدھی کی خبر لیتا۔ وہ تمام بیہودہ باتیں تھیں

---

[1] برائی۔ مذمت ۱۲ [2] بیٹھ پیچھے کسی کو برا کہنا ۱۲ [3] تعریف ۱۲ [4] دونوں لفظوں کے معنے جھوٹ ۱۲ [5] مسخراپن ۱۲ [6] ہنسی۔ کھلی ۱۲

جن کو میں کاٹتا اور چھپاتا پھرتا تھا۔ فہمیدہ۔ سچ کہو۔ تو میں سمجھی مشکل جان کر چھڑا دیتے ہیں۔ نصوح۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ میں ان واہی اور فحش باتوں کو تمہارے روبرو بیان نہیں کرسکتا تھا۔ پھر یہ اس کتاب کا حال ہے جو پند[51] و اخلاق[52] میں ہے اور تصنیف بھی ایسے بزرگ کی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا کمتر نکلے گا کہ ان کا نام لے اور شروع میں حضرت اور آخر میں رحمۃ اللہ علیہ[53] یا قدس سرہٗ العزیز نہ کہے۔ یعنی ان کا اعتقاد[54] اولیاء اللہ[55] میں ہے۔ اور جو کتابیں میں نے جلائیں کتابیں کاہے کو تھیں۔ گالی۔ پھکڑ۔ ہزلیات بڑ۔ بکواس ہذیان۔ خرافات۔ میں نہیں جانتا ان میں سے کونسا نام ان کیلئے زیادہ زیبا ہے۔ فہمیدہ مگر جلانا کیا ضرور تھا پڑی رہنے دی ہوتیں۔ یا بک بکا جاتیں۔ آخر داموں کی چیز تھی۔ نصوح۔ شاید اگلی گرمیوں کا ذکر ہے کہ بدرو میں سانپ نکلا تھا اور اس کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب ایسے خوف زدہ ہو گئے تھے کہ صحن کا نکلنا بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ اور کیسا کچھ تقاضا تھا۔ کہ جس طرح ہو سکے سانپ کو پکڑنا کر مار ڈالنا چاہیے۔ سانپ کی نسبت تم نے ہرگز نہیں کہا کہ پڑا بھی رہنے دو۔ یا کوئی سنپیرا دو چار ٹکے پیسے دے کر مول لے جائے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ کتابیں اس سانپ سے

---

۵۱ نصیحت ۱۲ ۵۲ عمدہ عادتیں ۱۲ ۵۳ ان پر خدا کی رحمت ۱۲ ۵۴ شمار ۱۲
۵۵ اعلیٰ درجے کے بزرگان دین ۱۲

زیادہ موذیؔ اور اُس سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں۔ اور اُن کی قیمت چوری اور ٹھگی کے مال سے بڑھ کر حرام۔ کلیم کو اور پھٹکار کیا ہے۔ اس سانپ کا زہر اس کو چڑھا ہوا ہے۔ اور شیطان نے یہی منتر اس پر پڑھ کر پھونک دیا ہے۔ فہمیدہ۔ پھر آخر اس زہر کا تریاقؔ اور اس منتر کا توڑ بھی کچھ ہے یا نہیں۔ نصوح۔ کیوں نہیں۔ دین و اخلاق کی کتابیں۔ مگر کوئی ان کو برتنے والا بھی ہو۔ نہ یہ کہ ہر روز نئے سانپ سے کٹواتے جاؤ اور تریاق سے بھاگو اور نفرت رکھو تو انجام کیا ہو گا۔ ہلاکت۔

کلیم کا پہلے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ اور پھر اپنے قرابت دار فطرت کے یہاں جا کر رہنا اور دونوں مرتبہ زک اٹھانا اور قید ہونا اور آخرکار باپ ہی کی سفارش سے رہائی پانا

اب ہم کو کلیم اور نعیمہ دونوں بھائی بہنوں کا حال بیان کرنا چاہیے کہ باپ کے

لہ ایذا دینے والی ۱۲ ؎ زہر کا توڑ ۱۲

گھر سے نکل کر ان پر کیا بیتی۔ سو چونکہ کلیم پہلے نکلا پہلے اُسی کا حال بیان کرتے ہیں۔ کئی بار اس کو باپ نے بلوایا یہاں تک کہ ہار کر رقعہ لکھا۔ ماں نے بہتیرا سمجھایا۔ بھائی نے بہت کچھ کہا سُنا۔ لیکن وہ ہی رُو براہ[1] نہ ہوا۔ اور جب دیکھا کہ فہمیدہ صالحہ کے اُتروانے میں مصروف ہے آنکھ بچا بے پوچھے بے کہے گھر سے اس طرح نکل کھڑا ہوا کہ گویا اُس کو کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ شاید اس کے ذہن میں بھی یہ بات اس وقت تک نہ گزری ہوگی کہ وہ عمر بھر کے واسطے گھر سے جا رہا ہے۔ اور عزیز و اقارب جن سے وہ ایسے سرسری[2] طور پر جدا ہوتا ہے جیتے جی اُن کو نہ دیکھ سکے گا۔ یہ نکلنا اُس کا نیا نکلنا نہ تھا۔ بلکہ معمولی عادت اور ہمیشہ کی خصلت تھی گھر سے نکل جانے کی اس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ ذرا ذرا سی اوعائی[3] ناخوشی پر وہ آئے دن بھاگا کرتا تھا۔ مگر ادھر اس کا نکلنا معلوم ہوا اور ادھر نوکروں کے جاسوس اس کی جستجو میں دوڑنے شروع ہوئے۔ شروع شروع میں تو نوکروں ہی کے بلانے سے چلا آتا تھا۔ پھر چندے یہ معمول رہا کہ خود میاں نصوح جاتے تو صاحبزادہ بلند اقبال کو منا لاتے۔ اب تھوڑے دنوں سے نصوح کے عمل میں بھی تاثیر گھٹ گئی تھی تو بی فہمیدہ کی ڈولی دربدر ماری پھرا کرتی تھی۔ اس دفعہ بھی وہ ضرور یہ توقع جی میں لے کر نکلا کہ گلی سے نکلتے

---

[1] رستے پر نہ آیا ۱۲ [2] آسان ۱۲ [3] زبردستی کی دل سے بنائی ہوئی ۱۲

نکلتے نوکر اس کے پیچھے دوڑیں گے۔ اور اس امید میں اُس نے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے گھر پہنچتے پہنچتے کوئی سینکڑوں ہی مرتبہ پیچھے پھر پھر کر دیکھا۔ مگر واقع میں یہ اُس کی غلط فہمی تھی۔ اب کلیم کے سوائے بقول نعیمہ گھر کا باوا آدم بدلا ہوا تھا۔ نہ پہلی سی ماں۔ نہ اگلا سا باپ۔ نوکر ڈھونڈیں کیوں اور دوڑیں کس لئے پھر بھی کلیم اس سے بے خبر نہ تھا کہ اس مرتبہ ایک خاص طرح کا بگاڑ ہے وہ جانتا تھا کہ دین داری کا نیا چرچا گھر میں ہو رہا ہے۔ خلاف توقع نعیمہ ایک تھپڑ کھا چکی ہے۔ سلیم اور حمیدہ جو گھر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے کلیم اور نعیمہ کے تختۂ مشق[1] تھے اب سب سے زیادہ باپ اور ماں دونوں کے چہیتے ہو رہے ہیں۔ یعنی جن کی بڑی لمبی چوڑی عزت تھی وہ ذلیل ہیں اور جو بے وقعت تھے ان کا طوطی[2] بول رہا ہے۔ پہلے جب کبھی کلیم گھر سے ناخوش ہو کر نکلا تو کھانے کپڑے روپے پیسے کے لین دین پر ماں یا بھائی بہنوں سے لڑائی جھگڑے کے سبب۔ لیکن اس دفعہ دین کی بحث تھی نہ لین دین کی۔ باپ سے لڑائی تھی نہ بھائی بہنوں سے۔ ذرا سی عقلِ معاملہ فہم[3] بھی کلیم کو ہوتی تو وہ ایسی حالت میں گھر سے نکلنے پر دلیری نہ کرتا لیکن جیسا کہ نصوح نے تجویز کیا تھا اس پریشانی کی پھٹکار تھی اور سر پر شامتِ اعمال

۱؎ لڑکیوں کے مشق کرنے کی تختی ۱۲ ۲؎ محاورہ ہے یعنی پیش پیش ہیں ۱۲ ۳؎ معاملے کی سمجھنے والی ۱۲

سوار۔ اور واقع میں جب انسان شبانہ روز داد و تحسین[1] کی فکر میں منہمک[2] رہیگا۔ تو ضرور ہے کہ خود پسندی۔ خود بینی خود ستائی[3] کے عیوب اس کی طبیعت میں راسخ[4] ہوں۔ شعر و سخن کے اعتبار سے ہم کبھی کلیم کو شاباش دیتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاملہ[5] اچھا باندھتا ہے تضمین[6] میں گرہ خوب لگاتا ہے۔ بندش[7] بھی خاصی ہوتی ہے۔ قصیدہ بھی برا نہیں۔ طبیعت مضمون آفرینی پر بھی مائل ہے۔ مثنوی تو خیر مگر رباعی اُس کی لاجواب ہوتی ہے۔ مقطع میں تخلص کا نباہ یا تو متاخرین میں مومنِ مرحوم میں دیکھا یا اب ماشاء اللہ میاں کلیم میں صنائع[8] کے اتنے التزام پر بے ساختگی[9] کی ادا قابلِ آفریں ہے قصیدے[10] کی تشبیب[11] بعد چندے سودا[12] کے لگ بھگ ہونیوالی ہے۔ چشم بد دُور چھے سات برس کی مشق میں دو دیوانوں کا مرتب ہو جانا کچھ تھوڑی بات نہیں۔ شہرت کا کیا کچھ نہیں تو سو دو سو غزلیں لوگوں کے زبان زد ہوں گی۔ سچ ہے قبول سخن خداداد بات ہے۔ الغرض شاعری میں کلیم کی لن ترانیاں[13] چندائے جانا نہیں۔

۱؎ تعریف کرنے کو داد دینا کہتے ہیں جیسے شاعر نے اپنا کوئی شعر سنایا سننے والے نے واہ واہ کی تو یہ واہ واہ داد ہے تحسین اور داد ہم معنی ہیں ۱۲ ۲؎ مشغول بعروف ۱۲ ۳؎ آپ اپنی تعریف کرنا ۱۲ ۴؎ جمے ہوئے ۱۲ ۵؎ عاشق و معشوق کا راز و نیاز ۱۲ ۶؎ کسی شعر پر مصرعے لگا کر اس کو مخمس یا مسدس بنا دینا ۱۲ ۷؎ لفظوں کا ربط ضبط ۱۲ ۸؎ لفظی خوبیاں ۱۲ ۹؎ عبارت کی برجستگی ۱۲ ۱۰؎ شعر کی ایک قسم۔ اکثر لوگوں کی مدح میں قصیدے کہے جاتے ہیں ۱۲ ۱۱؎ فارسی میں اسکو گریز کہتے ہیں کہ ایک مطلب بیان کرتے کرتے ایک دم سے دوسرا مطلب مثلاً ممدوح کی تعریف کرنے لگے ۱۲ ۱۲؎ مشہور اردو گو شاعر کا نام ہے ۱۲ ۱۳؎ شیخیاں ۱۲

لیکن دنیا کے معاملات میں ازبس کہ اس کو غور اور خوض کرنے کی عادت نہ تھی اسی وجہ سے اکثر اس کی رائے غلطی پر ہوتی تھی۔ وہ گھر سے نکل کر ایسا بے تکلف مرزا ظاہر دار بیگ کی طرف کو مڑا جیسے مطلق العنان[1] گھوڑا تھان کی طرف رُخ کرتا ہے۔ مرزا کی ظاہر داری نے اس کو اس قدر دھوکہ دے رکھا تھا کہ وہ ان کو ماں باپ بھائی بہن خویش و اقارب سب سے بڑھ کر اپنا خیر خواہ سب سے زیادہ دوست سمجھتا تھا۔ اور بے امتحان اور بے آزمائش اس کو مرزا پر ایسا تکیہ[2] اور اعتقاد تھا کہ شاید دانشمند آدمی کو متواتر[3] تجربوں کے بعد بھی کسی دوست پر نہیں ہو سکتا۔ بات اصل یہ ہے کہ مردم شناسی کی جو ایک صفت ہے کلیم میں مطلق نہ تھی۔ مرزا سے زیادہ اس کو اپنی نسبت مغالطہ تھا اور اس نے اپنے تئیں ایسا عزیز الوجود[4] فرض کر رکھا تھا کہ ایک سے ایک لائق نوکری کی جستجو میں مارے مارے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی۔ اور کلیم کے ذہن میں از خود یہ خناس[5] سمایا ہوا تھا کہ گویا تمام ہندوستانی سرکاریں اس کے قدوم[6] میمنت[7] لزوم[8] کی متمنی اور منتظر ہیں۔ اور

---

[1] جس کے منہ سے لگام نکال لی گئی ہو ۱۲ [2] بھروسا ۱۲ [3] پے در پے بارہ بار ۱۲ [4] اس کو یہ خیال تھا کہ دنیا میں میرا ہونا بھی بیا غنیمت ہے اور میری طرح کے لائق آدمی کم پیدا ہوتے ہیں ۱۲ [5] شیطان مراد ہے غرور ۱۲ [6] آنا تشریف لانا [7] جس کو برکت لازم ہے ۱۲ [8] آرزومند ۱۲

جس طرف کو چل کھڑا ہو گا وہاں کا والی ملک اُس کی تشریف آوری کو بس غنیمت سمجھے گا۔ گھر سے نکلا تو محض تہی دست[1] لیکن اس خیال میں مگن[2] کہ اب کوئی دم جاتا ہے کہ مالکِ خزائن الارض[3] بننے والا ہوں۔ چلا جوتیاں چٹخاتا ہوا مگر اس تصوّر میں مست کہ فیل کوہ پیکر[4] مع ہودج زر[5] اُس کی سواری کے لئے آ رہا ہے باوجودے کہ شب خوابی کے کپڑوں کے سوائے بدن پر کچھ نہ تھا تاہم خلعتِ ہفت پارچہ کی امید میں ہے

نظر اُس کی نخوت کے زینے پہ تھی[6] ❖ کہ شانوں سے اُتری تو سینے پہ تھی

قصّہ کوتاہ کلیم شیخ چلی کے سے منصوبے[7] سوچتا ہوا اپنے دوست مرزا کے مکان پر پہنچا۔ ہر چند ابھی کچھ ایسی بہت رات نہیں گئی تھی لیکن مرزا جیسے نکمّے بے فکرے کبھی کے لمبی تان کر سو چکے تھے۔ کلیم نے جو دروازے پر دستک[8]

---

[1] خالی ہاتھ مفلس ۱۲ [2] خوش ۱۲ [3] زمین کے خزانوں کا مالک ۱۲ [4] پہاڑ جیسا بڑا ۱۲ [5] سونے کی عماری ۱۲ [6] اس کی نظر گویا غرور کی سیڑھی پر تھی کیونکہ وہ کبھی کندھوں کو دیکھتا تھا۔ اور کبھی سینے کو یس نظر کندھوں سے اتر کر سینے پر پڑتی ہے ۱۲ [7] شاید ان ہی کی حکایت ہے کہ بیچنے کو گھڑے میں شہد چلے جاتے تھے۔ راہ میں منصوبہ باندھا کہ شہد بیچ کر مرغی کا جوڑا لوں اور بچے نکلواؤں مرغیاں بڑھا کر بکریاں پالوں پھر گائیں اور بھینسیں اور بڑا آدمی ہو جاؤں کسی امیر کے گھر بیاہ کروں بیٹا ہو دروازے پر معلم رکھ کر اس کو پڑھواؤں آتے آتے پڑھنے کی آواز سن کر لڑکے کو پیار کرنے کے تصور میں جھکے تو شہد کا گھڑا گر کر ٹوٹ گیا ۱۲ [8] ہتیلی بجانا۔ دستک کی عیوض لوگ کنڈی کھڑکھڑا دیا کرتے ہیں ۱۲

دنی جواب ندارد۔ اس مقام پر مرزا کا تھوڑا سا حال لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص کی کیفیت یہ تھی کہ شاید اس کا نانا وہ بھی حقیقی نہیں ابتدائے عمل داری سرکار میں صاحب رزیڈنٹ کی اردلی کا جمعدار تھا۔ اوّل تو ایسی عالیجاہ سرکار دوسرے باعتبار منصب اردلی کا جمعدار تیسرے ان دنوں کی بے عنوانی[۱] اُس پر خود اس کی رشوت ستانی بہت کچھ کما یا یہاں تک کہ اس کا اعتماد دہلی کے روداروں[۲] میں ہو گیا۔ مرزا کی ماں اوائل عمر[۳] بیوہ ہو گئی۔ جمعدار نے باوجودیکہ دُور کی قرابت تھی حسبتہً اللہ اُس کا تکفل[۴] اپنے ذمّے لیا۔ جمعدار اپنی حیات میں تو اتنا سلوک کرتا رہا کہ مرزا کو یتیمی اور اس کی ماں کی بیوگی بھول کر بھی یاد نہ آئی ہو گی۔ لیکن جمعدار کے مرنے پر اس کے بیٹے۔ پوتے۔ نواسے کثرت سے تھے انھوں نے بے اعتنائی[۵] کی۔ اور اگرچہ جمعدار بہت کچھ وصیت کر مرے تھے۔ مگر ان کے ورثہ نے بہ ہزار دقت محل سرائے کے پہلو میں ایک بہت چھوٹا سا قطعہ اُن کے رہنے کو دیا اور سات روپے مہینے کے کرائے کی دکانیں مرزا کے نام کر دیں۔ یہ تو حال تھا کہ مرزا، مرزا کی ماں مرزا کی بیوی تین تین آدمی اور سات روپے کی کل کائنات[۶]

---

[۱] بے قاعدگی کی بد انتظامی ۱۲ [۲] عزت داروں ۱۲ [۳] شروع عمر ۱۲
[۴] پرورش ۱۲ [۵] بے پروائی ۱۲ [۶] مراد ہے سرمایہ ۱۲

اُس پر مرزا کی شیخی اور نمود یہ مسخرہ اس ہستی پر چاہتا تھا کہ جمعدار کے بیٹوں کی برابری کرے جن کو صدہا روپیہ ماہوار کی مستقل آمدنی تھی۔ اگرچہ جمعدار والے اس کو مُنہ نہیں لگاتے تھے مگر یہ بعزت زبردستی ان میں گھُستا تھا۔ یہ کسی کو بھائی جان کسی کو ماموں جان کسی کو خالو جان بناتا اور وہ لوگ اس کے اوغائی[۱] رشتوں ناتوں سے جلتے اور دق ہوتے۔ اور اونچی حیثیت کے لوگوں میں بیٹھنا اس کے حق میں اور بھی زبوں تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی اس نے تمام عادتیں امیرزادوں کی سی اختیار کر رکھی تھیں۔ مگر امیرزادگی نبھے تو کیسے نبھے دُوکانیں گروی ہوتی جاتی تھیں۔ ماں بیچاری رشتا ہتیرا بکتی مگر کون سنتا تھا۔ مرزا کو جب دیکھو پاؤں میں ڈیڑھ حاشیہ کی جوتی سر پر دوہری بیل کی بھاری کام دار ٹوپی بدن میں ایک چھوڑ دو دو انگرکھے۔ اوپر شبنم یا ہلکی سی تن زیب۔ نیچے کوئی طرح دار ڈھاکے کا نینو۔ جاڑا ہوا تو باتات مگر سات روپے گز سے کم کی نہیں۔ خیر یہ تو صبح شام اور تیسرے پہر کا شانی مخمل کی آستین[۲] خانی جس میں حریر[۳] کی سنجاف کے علاوہ گنگا جمنی[۴] کمخواب کی غلدہ بیل ٹنکی ہوئی سرخ نیفہ۔ پائجامہ اگر ڈھیلے پائچوں کا ہوا تو کلی دار اور اس قدر نیچا کہ ٹھوکر کے اشارے سے دو دو قدم آگے اور اگر تنگ موہری

---

۱ زبردستی کے بنائے ہوئے ۱۲ ۲ نیم آستین ۱۲ ۳ ریشمی کپڑے کی ۱۲
۴ سنہری روپہلی

کا ہوا تو نصف ساق[۱] تک چوڑیاں[۲] اور اوپر جلد بدن کی طرح مڑھا ہوا۔ ریشمی آزار بند گھٹنوں میں لٹکتا ہوا۔ اور اس میں بے قفل کی کنجیوں کا گچھا غرض دیکھا تو مرزا صاحب اس ہیئت کذائی[۳] سے چھیلا بنے[۴] ہوئے سر بازار چھم چھم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کلیم سے اور مرزا سے محفل مشاعرہ[۵] میں تعارف[۶] ہوا شدہ مرزا صاحب کلیم کے مکان پر تشریف لانے لگے۔ یہاں تک کہ چند روز سے تو دونوں میں ایسی گاڑھی چھننے لگی تھی کہ گویا یک جان ودو[۲] قالب تھے۔ کلیم کو تو مرزا کے مکان پر جانے کا کبھی بھی اتفاق نہیں ہوا مگر مرزا شام کو تو کبھی کبھی لیکن صبح کو بلا ناغہ آتے اور تمام تمام دن کلیم کے پاس رہتے۔ مرزا نے اپنا حال اصلی کلیم پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کلیم یہی جانتا تھا کہ جمعدار کا تمام ترکہ مرزا کو ملا۔ اور وہ جمعدار کے محلسرا کو مرزا کے محلسرا اور جمعدار کے دیوان خانے کو مرزا کا دیوان خانہ اور جمعدار کے بیٹے پوتوں کے نوکروں کو مرزا کے نوکر سمجھتا تھا۔ اور اسی غلط فہمی میں وہ گھر سے نکلا تو سیدھا جمعدار کی محلسرائے کی ڈیوڑھی پر جا موجود ہوا۔ بار بار کے پکارنے

---

[۱] آدھی پنڈلی تک ۱۲ [۲] پائجامے کی چنٹ ۱۲ [۳] ایسی صورت اور وضع کے ساتھ ۱۲ [۴] بانکے ۱۲ [۵] شعر و شاعری کی محفل ۱۲ [۶] جان پہچان ۱۲ [۷] محاورہ ہے۔ مراد گہری دوستی ۱۲ ۔

کنڈی کھڑکھڑانے سے دو لونڈیاں چراغ لئے ہوئے اندر سے نکلیں اور
اوران میں سے ایک نے پوچھا کون صاحب ہیں اور اتنی رات گئے کیا کام ہے
کلیم - جاؤ مرزا کو بھیجدو - لونڈی - کون مرزا - کلیم - مرزا ظاہر دار بیگ جن کا مکان
ہے اور کون مرزا - لونڈی - یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہے - اتنا کہہ کر قریب
تھا کہ لونڈی پھر کواڑ بند کرلے - جلدی سے کلیم نے کہا کیوں جی کیا یہ جمعدار صاحب
کی محل سرا نہیں ہے - لونڈی - ہے کیوں نہیں - پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی مرزا
ظاہر دار بیگ نہیں - کیا ظاہر دار بیگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں ہیں - لونڈی -
جمعدار کے وارثوں کو خدا سلامت رکھے - موا ظاہر دار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا
کون ہوتا ہے - دوسری لونڈی - اری کمبخت یہ کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پوچھتے
ہوں - وہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بنایا کرتا ہے (کلیم کی طرف مخاطب ہوکر)
کیوں میاں وہی ظاہر دار بیگ نا جن کی رنگت زرد زرد ہے - آنکھیں کرنجی -
چھوٹا قد - دبلا ڈیل - اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں - کلیم -
ہاں ہاں وہی ظاہر دار بیگ - لونڈی - تو میاں اس مکان کے پچھواڑے اپلوں
کی ٹال کی برابر ایک چھوٹا سا کچا مکان ہے وہ اس میں رہتے ہیں - کلیم نے
وہاں جا آواز دی - تو کچھ دیر بعد مرزا صاحب ننگ دھڑنگ جانگھیہ پہنے
ہوئے باہر تشریف لائے - اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے - اور بولے آہا آپ ہیں
معاف کیجیے گا - میں سمجھا کوئی اور صاحب - بندے کو کپڑے پہن کر سونے

کی عادت نہیں۔ میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہم رکاب چلوں۔ کلیم چلئے گا کہاں میں آپ کے ہی پاس تک آیا تھا۔ مرزا پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو تو میں اندر پردہ کرا دوں۔ کلیم۔ میں آج شب کو آپ کے یہاں رہنے کی نیت سے آیا ہوں۔ مرزا بسم اللہ تو چلئے اسی مسجد میں تشریف رکھیے بڑی فضا[1] کی جگہ ہے میں ابھی آیا۔ کلیم نے جو مسجد میں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت پرانی چھوٹی سی مسجد ہے۔ وہ بھی مسجد ضرار[2] کی طرح ویران۔ وحشت ناک۔ نہ کوئی حافظ ہے نہ مُلّاں نہ طالب علم۔ نہ مسافر۔ ہزارہا چمگدڑیں۔ اُس میں رہتی ہیں۔ کہ اُن کی تسبیح[3] بے ہنگام سے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ فرش پر اس قدر بیٹ پڑی ہے کہ بجائے خود کھڑنجے کا فرش بن گیا ہے۔ مرزا کے انتظار میں کلیم کو چاروناچار اسی مسجد میں ٹھہرنا پڑا۔ مرزا آئے بھی تو اتنی دیر کے بعد کہ کلیم مایوس[4] ہو چکا تھا۔ قبل اس کے کہ کلیم شکایت کرے مرزا صاحب بطور دفع دخل[5] مقدر فرمانے لگے کہ بندے کے گھر میں کئی دن سے طبعیت علیل ہے۔ خفقان کا

---

[1] یعنی مسجد کا صحن خوب وسیع ہے ۱۲ [2] پیغمبر صاحب کے وقت میں بعض لوگوں نے ضد میں آکر دوسری مسجد کو اجاڑنے کے لئے ایک مسجد بنائی تھی پیغمبر صاحب نے اس کو ڈھوا دیا۔ یہ اس مسجد کی طرف اشارہ ہے ۱۲ [3] بے وقت کی تسبیح سے مراد ان کا شور وغل ہے ۱۲ [4] نا امید ۱۲ [5] کلام پر کوئی اعتراض پڑتا ہوا معلوم ہو اور پہلے سے اس کو جواب دے دیا جائے ۱۲

عارضہ اختلاج[1] قلب کا روگ ہے۔ اب میں جو آپ کے پاس سے گیا تو اُن کو غشی میں پایا اس وجہ سے دیر ہوئی پہلے یہ تو فرمائیے کہ اس وقت بندہ نوازی فرمانے کی کیا وجہ ہے۔ کلیم نے باپ کی طلب۔ اپنا انکار۔ بھائی کی التجا۔ ماں کا اصرار تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ مرزا۔ پھر اب ارادہ کیا ہے۔ کلیم۔ سوائے اس کے کہ اب گھر لوٹ کر جانے کا ارادہ تو نہیں ہے اور جو آپ کی صلاح ہو۔ مرزا۔ خیر نیتِ شب[2] حرام صبح تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحت[3] فرمائیے۔ میں جا کر بچھونا وغیرہ بھیجے دیتا ہوں۔ اور مجھ کو مریضہ کی تیمارداری کے لئے اجازت دیجیے کہ آج اس کی علالت میں اشتداد[4] ہے۔ کلیم۔ یہ ماجرا کیا ہے۔ تم تو کہا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دوہری محل سرائیں کئی متعدد دیوان خانے کئی پائین باغ ہیں۔ حوض اور حمّام اور کٹرے اور گنج اور دُکانیں اور سرائیں میں تو جانتا ہوں عمارت کی قسم سے کوئی چیز ایسی ہو گی جس کو تم نے اپنی ملک نہ بتایا ہو۔ یا یہ حال ہے کہ ایک متنفس کے واسطے ایک شب کے لئے تم کو جگہ میسّر نہیں۔ جو جو حالات تم نے اپنی زبان سے بیان کئے اُن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام ترکے پر تم قابض اور متصرف ہو۔ لیکن میں اس تمام جاہ و حشمت کا ایک شمّہ بھی نہیں دیکھتا۔ مرزا۔ آپ کو میری نسبت سخن سازی کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہے۔ اتنی مدت مجھ سے آپ سے

---

[1] دل کی دھڑکن ۱۲ [2] یہ فارسی کی مثل ہے یعنی رات کے ارادے کی کچھ سند نہیں ۱۲
[3] آرام ۱۲ [4] سختی۔ زور ۱۲

صحبت رہی مگر افسوس ہے آپ نے میری طبیعت اور میری عادت کو نہ پہچانا۔ یہ اختلاف حالت جو آپ دیکھتے ہیں اس کی ایک وجہ ہے۔ بندے کو جمعدار صاحب مرحوم و مغفور نے متبنےٰ[1] کیا تھا اور اپنا جانشین کر مرے تھے۔ شہر کل رؤسا اس سے واقف و آگاہ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ اندازیاں[2] کیں۔ بندے کو آپ جانتے ہیں کہ بکھیڑے سے کوسوں بھاگتا ہے۔ صحبت ناملائم[3] دیکھ کر کنارہ کش ہو گیا۔ لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ بندوبست کا حوصلہ نہیں۔ اسی روز سے انتظار یا ہر واویلا مچی ہوئی ہے۔ اور اس بات کے مشورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منائے جائیں۔ کلیم۔ لیکن آپ نے کبھی اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ مرزا۔ اگر میں آپ سے یا کسی سے تذکرہ کرتا تو استقلال مزاج سے بے بہرہ اور غیرت وحمیت سے بے نصیب ٹھہرتا۔ اب آپ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی ہے اجازت دیجیے کہیں جا کر بچھونا بچھوادوں اور مریضہ کی تیمار داری کروں۔ کلیم۔ خیر مقام مجبوری ہے۔ لیکن پہلے ایک چراغ تو بھیج دیجیے۔ تاریکی کی وجہ سے طبیعت اور بھی گھبراتی ہے۔ مرزا۔ چراغ کیا میں نے تو لمپ روشن کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن گرمی کے دن ہیں پروانے بہت جمع ہو جائیں گے اور آپ زیادہ پریشان ہو جیے گا۔ اور اس مکان میں ابابیلوں کی بھی کثرت ہے روشنی دیکھ کر گرنے

---

[1] لے پالک ۱۲ [2] یعنی اس میں طرح طرح کے خلل ڈالے ۱۲ [3] ناموافق مزاج ۱۲

شروع ہوں گے اور آپ کا ہیضہ دشوار کر دیں گے تھوڑی دیر صبر کیجئے کہ ماہتاب
نکلا آتا ہے۔ کلیم جب گھر سے نکلا تو کھانا تیار تھا۔ لیکن وہ اس قدر طیش[۱] میں
مین تھا کہ اس نے کھانے کی مطلق پروا نہ کی۔ اور بے کھائے نکل کھڑا ہوا۔
مرزا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرزا خود پوچھیں ہی گے تو کہہ دونگا۔
مرزا کو ہر چند کھانے کی نسبت پوچھنا ضرور تھا۔ کیونکہ اوّل تو کچھ ایسی رات زیادہ
نہیں گئی تھی دوسرے یہ اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لڑ کر نکلا ہے تیسرے
دونوں میں بے تکلفی غایت درجے کی تھی۔ لیکن مرزا قصداً اس بات سے معترض[۲]
نہ ہوا۔ اور کلیم بے چارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے پہلے
اس کی انتڑیوں[۳] نے قل ہو اللہ پڑھنی شروع کر دی تھی۔ جب اس نے
دیکھا کہ مرزا کسی طرح اس پہلو پر نہیں آتا اور عنقریب تمام شب کے واسطے رخصت
ہوا چاہتا ہے تو بے چارے نے بے غیرت بن کر خود کہا کہ سنو یار میں نے کھانا
بھی نہیں کھایا۔ مرزا سچ کہو۔ نہیں جھوٹ بہکاتے ہو۔ کلیم تمہارے سر کی قسم میں
بھوکا ہوں۔ مرزا مردِ خدا تو آتے ہی کیوں نہیں کہا۔ اب اتنی رات گئے کیا
ہو سکتا ہے۔ دکانیں سب بند ہو گئیں اور جو ایک دو کھلی بھی ہیں تو باسی
چیزیں رہ گئی ہوں گی جن کے کھانے سے فاقہ بہتر۔ گھر میں تو آج آگ تک

---

[۱] غصہ ۱۲ [۲] یعنی اس کا مذکور ہی نہ چھیڑا ۱۲ [۳] محاورہ ہے۔ قاعدہ ہے کہ بھوک کے وقت پیٹ قراقر کرنے لگتا ہے اسی کو انتڑیوں کا قل ہو اللہ پڑھنا کہتے ہیں ۱۲

نہیں سُلگی۔ مگر ظاہراتم سے بھوکھ کی سہار ہونی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیو[1] اشتہا کو زیر کرنا بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے۔ کہ جاؤں چھدامی بھڑبھوبجے کے یہاں سے گرماگرم خستہ چنے کی ڈال بنوالاؤں بس ایک دھیلے کی مجھ کو اور تم کو دونوں کو کافی ہوگی۔ رات کا وقت ہے ابھی کلیم کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ مرزا جلدی سے اٹھ باہر گئے اور چشم زدن[2] میں چنے بھنوالائے۔ مگر دھیلے کے کہہ کر گئے تھے یا تو کم کے لائے یا راہ میں دو چار پھنکے لگائے اس واسطے کہ کلیم کے رُو برو دو تین مٹھی چنے سے زیادہ نہ تھے مرزا۔ یار ہو بڑے خوش قسمت اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا واللہ ہاتھ تو لگاؤ دیکھو تو کیسے کھلبلا رہے ہیں۔ اور سوندھی سوندھی خوشبو بھی عجب ہے۔ دلفریب ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ تعجب ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی[3] کا عطر نکالا مگر بھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہ ہوا[4]۔ کوئی فن ہو کمال بھی کیا چیز ہے۔ دیکھئے اتنی تو رات گئی ہے۔ مگر چھدامی کی دکان پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ بندے نے تحقیق سنا ہے کہ حضور والا[5] کے خاصے[6] میں چھدامی کی دکان کا چنا بلا ناغہ لگ کر جاتا ہے۔

---

[1] بھوک کے دیو کو دبانا ۱۲ [2] پل بھر میں۔ پلک مارنے میں ۱۲ [3] یعنی کسی کو یہ نہیں سوجھی کہ بھنے ہوئے چنوں کا عطر نکلواتا ۱۲ [4] مراد ہے بادشاہ ۱۲ [5] خاص شاہی کھانا ۱۲

اور واقع میں ذرا آپ غور سے دیکھئے کیا کمال کرتا ہے کہ بھوننے میں چنوں کو سڈول بنا دیتا ہے۔ بھئی تمہیں میرے سر کی قسم سچ کہنا۔ ایسے خوبصورت خوش قطع سڈول چنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے۔ دال بنانے میں اس کو یہ کمال حاصل ہے کہ کسی دانے پر خراش تک نہیں ٹوٹنے پھوٹنے کا کیا مذکور۔ اور دالوں کی رنگت دیکھئے۔ کوئی بسنتی ہے، کوئی پستئی۔ بغرض دونوں رنگ خوشنما۔ یوں تو صدہا قسم کے غلّے اور پھل زمین سے اُگتے ہیں لیکن چنے کی لذّت کو کوئی نہیں پاتا۔ آپ نے وہ ایک نزاکت[1] کی حکایت سنی ہے۔ کلیم۔ فرمائیے۔ مرزا۔ چنا ایک مرتبہ حضرت میکائیل کی خدمت میں جن کو ارزاقِ عباد کا اہتمام سپرد ہے فریاد لے کر گیا کہ یا حضرت میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ جوں ہی تہ زمین سے سر باہر نکالا تیر ستم[2] چلنے لگا۔ ماکولات[3] اور بھی ہیں مگر جیسے جیسے ظلم مجھ پر ہوتے ہیں کسی پر نہیں ہوتے۔ نشو و نما[4] کے ساتھ تو میری قطع و برید ہونے لگتی ہے۔ میری کونپلوں کو توڑ کر آدمی ساگ بناتے ہیں اور مجھے کچے کو کھا جاتے ہیں۔ جب بار آور[5] ہوا تو خدا جھوٹ نہ بلوائے آدمی بکری بن کر لاکھوں من لوٹ چر جاتے ہیں۔ اس سے نجات ملی تو ہولے کرنے شروع کئے۔ پکّا تو شاخ و برگ کھُس بن کر بیلوں اور بھینسوں کے

---

[1] خوش مزاج ۱۲ [2] ظلم کا کلہاڑا ۱۲ [3] کھانے کی چیزیں ۱۲ [4] اُگنے اور بڑھنے ۱۲ [5] پھل لایا ۱۲

دوزخِ شکم کا ایندھن ہوا۔ رہا دانہ اس کو چکّی میں دلیں۔ گھوڑوں کو کھلائیں۔ بھاڑ میں بھونیں۔ بیسن بنائیں۔ کھولتے ہوئے پانی میں ابالیں گھنگھنیاں پسائیں غرض شروع سے آخر تک مجھ پر طرح طرح کی آفتیں نازل رہتی ہیں۔ چنے کا حضرت میکائیلؑ کے دربار میں اس طرح پر بے باکانہ چٹرپٹر بولنا سن کر حاضرینِ دربار اس قدر ناخوش ہوئے کہ ہر شخص اُسے کھانے کو دوڑا۔ چنانچہ یہ ماجرا دیکھ کر بے انتظارِ حکم آخر رخصت ہوا۔ سو حضرت یہ چنے ایسے لذّت کے بنے ہیں کہ فرشتوں کے دندانِ آز[1] بھی ان پر تیز ہیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت نمک مرچ بہم نہیں پہنچ سکتا ورنہ میر مدّو کے کبابوں میں یہ خستگی اور یہ سوندھاپن پن کہاں۔ غرض مرزا نے اپنی چرب زبانی[2] سے چنوں کو گھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکا تو تھا ہی اس کو بھی ہمیشہ سے کچھ زیادہ مزے دار معلوم ہوئے۔ مرزا نے گھر جا کر ایک میلی دری اور ایک کثیف[3] سا تکیہ بھیج دیا۔ دو ہی گھڑی میں کلیم کی حالت کا اسقدر متغیر ہو جانا عبرت کا مقام ہے۔ یا تو خلوت خانے اور عشرت منزل میں تھا یا اب ایک مسجد میں آ کر پڑا اور مسجد بھی ایسی جس کا حال تھوڑا سا ہم نے اوپر بیان کیا۔ گھر کے الوانِ[4] نعمت کو لات مار کر نکلا تھا۔ تو پہلے ہی وقت چنے چبانے

---

[1] حرص کے دانت ۱۲ [2] چکنی چپڑی باتوں سے ۱۲ [3] میلا کچیلا ۱۲ [4] رنگ برنگ کی نعمتیں یعنی کھانے ۱۲

پڑے۔ نہ چراغ نہ چارپائی۔ نہ بہن نہ بھائی۔ نہ مونس نہ غمخوار۔ نہ نوکر نہ خدمت گار۔ مسجد میں اکیلا ایسا بیٹھا تھا جیسے قید خانے میں حاکم کا گنہگار یا قفس میں مرغ نوگرفتار۔ اور کوئی ہوتا تو اس حالت پر نظر کر کے متنبہ ہوتا اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا اور اسی وقت نہیں تو سویرے گجر دم[1] باپ کے ساتھ نماز صبح میں جا شریک ہوتا۔ لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوجھے کو تھے۔ اس نے رات بھر میں ایک قصیدہ تو مسجد کی ہجو میں تیار کیا، اور ایک مثنوی مرزا کی شان میں۔ صبح ہوتے آنکھ لگ گئی تو نہیں معلوم مرزا یا محلے کا کوئی اور عیار[2] ٹوپی۔ جوتی۔ رومال۔ چھڑی۔ تکیہ۔ دری۔ یعنی جو چیز۔ کلیم کے بدن سے منفک[3] اور اس کے جسم سے جدا تھی لے کر چنپت[4] ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سو کر اٹھتا تھا۔ اور آج تو ایک وجہ خاص تھی۔ کوئی پہر سوا پہر دن چڑھے جاگا تو دیکھتا کیا ہے کہ مسجد فرش پر پڑا ہے۔ اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لی ہیں تو سیروں گرد کا بھبوت اور چمگدڑں کی بیٹ کا ضماد[5] بدن پر تھپا ہوا ہے۔ حیران ہوا کہ قلب[6] ماہیت ہو کر میں کہیں بھتنا تو نہیں بن گیا۔ مرزا کو ادھر ادھر دیکھا کہیں پتا نہیں۔ مسجد بھی ویران اس میں پانی کہاں۔ صبر کر کے بیٹھ رہا کہ کوئی اللہ کا

---

[1] علی الصباح جس وقت صبح کا گجر بجتا ہے ۱۲ [2] چالاک ۱۲ [3] علیحدہ ۱۲ [4] چلتا بنا ۱۲ [5] لیپ ۱۲ [6] مراد یہ ہے کہ میں آدمی تھا اب کہیں بدل کر بھتنا تو نہیں بن گیا ۱۲۔

بندہ اِدھر آ نکلے تو اُس کے ہاتھ مرزا کو بلواؤں اور یا مُنہ ہاتھ دھو کر خود مرزا تک جاؤں اس میں دوپہر ہونے آئی۔ بارے ایک لڑکا کھیلتا ہوا آیا جونہی زینے پر چڑھا کہ کلیم اُس سے غرض مطلب کرنے کے لئے لپکا۔ وہ لڑکا اُس کی ہیئت کذائی دیکھ کر بھاگا۔ خدا جانے اُس نے اِس کو بھُوت سمجھا یا سڑی[1] خیال کیا۔ کلیم نے بہتیرا پکارا اُس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا۔ ناچار کلیم نے بہزار مصیبت دوسرے فاقہ سے شام پکڑی اور جب اندھیرا ہوا تو اُلّو کی طرح اپنے نشیمن[2] سے نکلا۔ سید ھا مرزا کے مکان پر گیا۔ آواز دی تو یہ جواب ملا کہ وہ تو بڑے سویرے کے قطب صاحب سدھارے ہیں۔ کلیم نے چاہا کہ اپنا تعارف ظاہر کرکے ممکن ہو تو مُنہ دھونے کو پانی مانگے اور مرزا کی پھٹی پرانی جوتی اور ٹوپی۔ تاکہ کسی طرح گلی کوچے میں چلنے کے قابل ہو جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے کہا۔ کیوں حضرت آپ مجھ سے بھی واقف ہیں۔ اندر سے آواز آئی ہم تمھاری آواز تو نہیں پہچانتے اپنا نام ونشان بتاؤ تو معلوم ہو۔ کلیم۔ میرا نام کلیم ہے اور مجھ سے اور مرزا ظاہر دار بیگ سے بڑی دوستی ہے۔ بلکہ میں شب کو مرزا صاحب ہی کی وجہ سے مسجد میں تھا۔ گھر والے۔ وہ دری اور تکیہ کہاں ہے جو رات تمھارے سونے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ تکیہ اور دری

---

[1] دیوانہ، مجنون ۱۲ [2] گھونسلا ۱۲

کا نام سُن کر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامل تھا کہ اندر سے آواز آئی مرزا زبردست بیگ دیکھنا یہ مردوا کہیں چل نہ دے دوڑ کر تکیہ دری تو اس سے لو۔ کلیم یہ بات سنکر بھاگا ابھی گلی کے نکڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے چور چور کر کے جا لیا۔ ہر چند کلیم نے مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوقِ معرفت ثابت کئے مگر زبردست[1] کا ٹھینگا سر پر اس نے ایک نہ مانی اور پکڑ کر کوتوالی لے گیا۔ کوتوال نے سرسری طور پر دونوں کا بیان سُنا، اور کلیم سے اس کا حسب نسب پوچھا۔ ہر چند کلیم اپنا پتا بتانے میں جھینپتا تھا مگر چار و ناچار اس کو بتانا پڑا لیکن اس کی حالت ظاہری ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ اس کا سچ بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کوتوال نے سن کر یہی کہا کہ میاں نصوح جن کو تم اپنا والد بتاتے ہو میں ان کو خوب جانتا ہوں۔ اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ ان کے بڑے بیٹے کا یہی نام ہے۔ جو تم نے اپنا بیان کیا محلّے کا پتہ گھر کا نشان بھی جو تم نے کہا سب ٹھیک۔ مگر کلیم تو ایک مشہور معروف آدمی ہے آج شہر میں اس کی شاعری کی دھوم ہے۔ تمہاری یہ حیثیت کہ ننگے سر ننگے پاؤں بدن پر کیچڑ تھپی ہوئی مجھ کو باور نہیں ہوتا۔ اچھا اب رات کو کیا ہو سکتا ہے جرم سنگین[2] ہے ان کو حوالات میں رکھو صبح ہو میں ان کے والد کو

---

[1] کہاوت ہے یعنی زبردست کی مار سہنی ہی پڑتی ہے ۱۲ [2] بھاری، سخت ۱۲۔

بلواؤں کو ان کے بیان کی تصدیق ہو۔ کلیم یہ سُن کر رو دیا کہ میں وہی بدنصیب ہوں جس کی شعر گوئی کا شہرا آپ نے سُنا ہے۔ اور آپ کو یقین نہ ہو تو میں افکار تازہ آپ کو سناؤں چنانچہ کل شب کو جو کچھ مسجد و مرزا کی شان میں کہا تھا سُنا یا اُس پر کوتوال نے اتنی رعایت کی کہ دو سپاہی کلیم کے ساتھ گئے اور ان کو حکم دیا کہ ان کو میاں نصوح کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ اِن کو اپنا فرزند بتائیں تو چھوڑ دینا ورنہ واپس لا کر حوالات میں قید رکھنا۔ کلیم پر اس کیفیت سے باپ کے روبرو آنا جیسا کچھ شاق[۱] گزرا ہو گا ظاہر ہے۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔ سپاہی اس کو کشاں[۲] کشاں لے ہی گئے۔ محلے کی مسجد جس میں نصوح نماز پڑھا کرتا تھا اس کے گھر سے بہت قریب تھی۔ صحن مسجد میں ایک شاداب[۳] چمن تھا۔ اور چمن کے بیچ ایک پکا مرتفع[۴] چبوترہ عجب تفریح[۵] کا مقام تھا۔ نصوح بیشتر نماز عشا کے بعد خصوصاً چاندنی راتوں میں اس چبوترے پر بیٹھ کر پھول بوٹوں میں خداوند تعالیٰ کی صنعت[۶] کا ملاحظہ کیا کرتا تھا اس کو بیٹھا دیکھ کر دوسرے نمازی بھی جمع ہو جاتے تھے۔ اور نصوح کو وعظ و پند کے طور پر ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملتا تھا۔ نصوح۔ اور اس کے مستمعین[۷]

---

[۱] ناگوار ۱۲ [۲] کھینچتے کھینچتے ۱۲ [۳] ہرا بھرا ۱۲ [۴] اونچا ۱۲ [۵] یعنی وہاں بیٹھنے سے طبیعت خوش ہو جاتی ہے ۱۲ [۶] کاریگری ۱۲ [۷] سننے والے ۱۲

مسجد کے چبوترے پر جمع ہوتے جاتے تھے کہ کوتوالی کے سپاہی کلیم کو لئے آپہنچے۔ یہ اتفاق من[1] جانب اللہ شاید اس وجہ سے پیش آیا کہ جو لوگ کلیم کی نظر میں صرف اِس وجہ سے ذلیل تھے کہ وہ اپنے خالق کی پرستش کرتے تھے یا اپنے اور بال بچوں کے پیٹ بھرنے کے لئے محنت مزدوری کر کے حلال روزی پیدا کرتے تھے ان کے سامنے اس کی گردنِ نخوت[2] نیچی ہے۔ اور اب وہ اُن ہی قل اعوذیوں اور مردہ شوریوں اور بھک منگوں اور ٹکر گداؤں کے روبرو اس حیثیت سے کھڑا تھا کہ منکر نکیر[3] کی طرح دو سپاہی اس کی گردن پر سوار تھے۔ نہ سر پر ٹوپی نہ پاؤں میں جوتی۔ دو وقت کے فاقے سے مُنھ سوکھ کر ذری سا نکل آیا تھا آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے ہونٹوں پر پپڑیاں جم رہی تھیں۔ کپڑوں کا وہ حال تھا کہ ایسے لباس سے ننگا ہونا تو بہتر تھا۔ جوں نصوح کی نظر بیٹے پر پڑی گویا اک تیر سا کلیجے میں لگ گیا۔ اگر پہلا سا نصوح ہوتا تو نہیں معلوم عورتوں کی طرح ڈاڑھیں مار کر روتا۔ یا سر پیٹنے لگتا یا دوڑ کر بیٹے کو لپٹ جاتا یا سپاہیوں سے پوچھے گچھے دست[4] گریباں ہو پڑتا یا خدا جانے اضطراب جاہلانہ میں کیا کرتا۔ مگر

---

[1] خدا کی طرف سے ۱۲ [2] غرور ۱۲ [3] ان دو فرشتوں کا نام ہے جو قبر میں باز پرس کرتے ہیں ۱۲ [4] یعنی اس کا ہاتھ سپاہیوں کے گریبان میں ہوتا اور ان کے ہاتھ اس کے گریبان میں یعنی سپاہیوں کے ساتھ ہاتا پائی کی نوبت پہنچ جاتی ۱۲

اب اس کے جملہ حرکات و سکنات معلم دین داری کے مطیع اور مسودب خداپرستی کے تابع نہیں اس نے ایک آہ سرد بھر کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط تو کہا اور اُف بھی نہ کی سپاہیوں نے اُس سے کلیم کی نسبت پوچھا تو اس نے آنکھیں نیچی کر کے کہا کہ جب حضرت[۱] نوحؑ اپنے بیٹے کو ڈوبتے دم تک بیٹا بیٹا پکارتے گئے تو میں اس کے فرزند ہونے سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں سپاہی تو اتنا سن کر رخصت ہوئے اور کلیم کو رفقائے نصوح میں سے کسی نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ نصوح۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ کیوں کلیم میں نے ایسا کون سا قصور کیا تھا کہ تم میری طلعت[۲] منحوس تک دیکھنی گوارا نہ ہوئی تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ شفقتِ اولاد ماں باپ کی طبیعت میں مخمر[۳] اور ان کی جبلت[۴] میں داخل ہے وہ شفقت جو اس وقت مجھ کو اس بات کی محرک[۵] ہوئی کہ میں سپاہیوں کے پیچھے سے تمہاری نجات کا باعث ہوا۔ وہی شفقت مجھ کو اس بات پر بھی مجبور کرتی تھی اور کرتی ہے اور کریگی کہ میں تم کو ایسی راہ نہ چلنے دوں جو تمہاری ابدی ہلاکت کا باعث اور دائمی[۶] تباہی

---

[۱] حضرت نوح کا بیٹا کافر تھا طوفان آیا تو وہ حضرت نوح کی کشتی میں بھی نہ آیا اور ڈوب مرا حضرت نوح آخر تک اس کو بلاتے اور اُس کے لیے خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے ۱۲ [۲] صورت شکل ۱۲ [۳] خمیر میں داخل ۱۲ [۴] اصل طبیعت ۱۲ [۵] یعنی جس مہربانی نے مجھ سے یہ بات کرائی کہ الخ ۱۲ [۶] ہمیشہ کی ۱۲

کا موجب ہو۔ میں نے تم سے نہیں کہا کہ میرے لئے کمائی کرو۔ میری آسائش کے واسطے اپنے اُوپر تکلیف اٹھاؤ۔ اور اگر میں ایسا کہتا بھی تو مجھ کو اس کا منصب اور حق تھا۔ میں نے جس کمائی کو کہا وہ تمہارے ہی کام آئے گی۔ اور جس محنت کی تم کو تکلیف دی وہ تم کو ہی آرام دے گی۔ اگر کسی بیمار کا طبیب مہربان سے پرہیز۔ کسی سیاح[1] کا بدرقہ[2] خیر خواہ سے گریز کرنا روا ہے تو بے شک تم بھی مجھ سے نفرت رکھ سکتے ہو۔ کیونکہ کلیم! کیا ہمیشہ تمہاری خوشی مجھ کو منظور تمہاری رضا جوئی مجھکو ملحوظ نہیں رہی۔ اب جو تم نے مجھ کو اپنا دشمن قرار دیا اپنا عدو ٹھہرایا تو دشمنی کا سبب عداوت کا موجب۔ میں نے سُنا ہے کہ تم مجھ کو دیوانہ اور مجنون اور مختل الحواس تجویز کرتے ہو۔ سو میں تمہاری اس تشخیص صحیح اور تجویز درست اور اس فراست[3] صائب[4] پر جرح[5] نہیں کرتا۔ میں باؤلا اور سڑی اور پاگل سہی۔ لیکن اگر کوئی باؤلا تمہاری راہ میں کانٹے پڑے دیکھ کر تم کو آگاہ کرے تو کیا اس کی بات کو نہ سُننا اس کی نصیحت کو نہ ماننا اُس کی فریاد کی طرف ملتفت نہ ہونا شیوہ دانشمندی ہے پھر تم کو یہ بھی سوچنا چاہیئے تھا اور چاہیئے کہ آیا میں اکیلا اس جنون میں مبتلا ہوں یا اور بندگان خدا بھی میری ہی سی رائے میرے ہی سے خیالات رکھتے ہیں۔ کلیم میں تم سے سچ کہتا ہوں

---

[1] جو شخص سیر کرتا پھرتا ہو ۱۲ [2] راہ بتلانے والا ۱۲ [3] اٹکل سے ایک بات کو جان لینا ۱۲ [4] ٹھیک درست ۱۲ [5] اعتراض ۱۲

کہ جتنے بزرگانِ دین ہو گزرے (خدا اُن کی پاکیزہ اور مطہّر رُوحوں پر رحمت کاملہ نازل کرے) اور جتنے نیک بندے اب موجود ہیں (خدا ان کی حیات میں برکت دے) کوئی اس جنون سے خالی نہیں۔ بلکہ جس کو جتنا یہ جنون زیادہ اسی قدر وہ برگزیدہ[1] اور خدا رسیدہ زیادہ۔ کیا اس بات کا اقرار کرنا جنون ہے کہ ہم بندے ہیں۔ اور اس کا بھی ہم پر کچھ حق ہے جس نے ہم کو پیدا کیا۔ جو ہم کو روزی دیتا ہے۔ جو ہم کو جلاتا اور مارتا ہے۔ جو پانی برساتا اور زمین سے ہمارے لئے سرمایۂ حیات اگاتا ہے جس نے ہماری جانوں کی شادابی[2] اور تازگی کے لئے آبِ شیریں اور خوشگوار[3] کے سوتے[4] زمین میں جاری کر رکھے ہیں۔ اور ہماری روحوں کے انبساط کیلئے ہوا کا ذخیرہ کافی مہیا فرما دیا ہے۔ جس کے حکم سے چاند سورج اپنے معمول سے نکلتے اور غروب ہوتے ہیں۔ تاکہ کام کرنے کے لئے دن ہوا اور آرام لینے کے لئے رات جس نے دنیا کے قوی ہیکل[6] اور زبردست جانوروں کو ہماری مطیع اور منقاد[7] بنا دیا ہے کہ ان سے ہم سواری لیتے۔ اُن پر اپنا بوجھ لادتے۔ ان کے گوشت اور پوست اور دودھ سے مستفید ہوتے ہیں۔ جس نے انسان کو گویائی اور بیان کی قوّت عطا کی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنا مافی الضمیر[8]

---

[1] مقبول ۱۲ [2] سرسبزی ۱۲ [3] خوش ذائقہ ۱۲ [4] چشمے ۱۲ [5] تفریح۔ خوشی ۱۲ [6] مضبوط جثے کے ۱۲ [7] فرماں بردار ۱۲ [8] جو کچھ دل میں ہے ۱۲

اپنے ابنائے جنس[1] پر ظاہر کر سکتا ہے۔ جس نے انسان ضعیف البنیان کو عقل کی قوت اور دانش کی طاقت دے کر روئے زمین کا بادشاہ اور مخلوقات کا حاکم بنایا ہے۔ جس نے کائنات میں سے ہر موجود کو اس کے متناسب حالت خلق کیا ہے۔ اگر دنیا کے سارے درخت قلموں میں صرف کر دیئے جائیں اور ساتوں سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ کام میں لایا جائے اور پڑھے لکھے لوگ جتنے ابتدائے آفرینش سے اب تک ہو چکے اور اب موجود ہیں اور آئندہ پیدا ہونیوالے ہیں سب کے سب مل کر اُس کی تعریف اُس کے احسانات اس کے انعامات روزِ قیامت تک بیٹھے لکھا کریں تو گھستے گھستے درخت ہو چکیں۔ سمندر سوکھ جائیں۔ لکھنے والے تھک کر بیٹھ رہیں۔ مگر اس کے حق واجب کا ایک عشر عشیر[2] ادا نہ ہو۔ کلیم! فنا ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ دُنیا میں کوئی اس کا منکر نہیں اور نہ اس سے انکار ممکن ہے ہیضے کی وبا کو دفع ہوئے برس نہیں گزرا تمھارے دیکھتے دیکھتے کیسے کیسے لوگ ہٹے کٹے توانا۔ اچھے بھلے چلتے پھرتے امیر و غریب عالم و جاہل بھلے اور بُرے سبھی طرح کے سدھا ہزار ہا ہدفِ[3] تیر قضا ہو گئے۔ سدا رہے نام اللہ کا۔

---

[1] مراد ہے بنی آدم ۱۲ [2] دسویں حصّے کا دسواں حصّہ یعنی کل وسواں حصّہ ۱۲

[3] موت کے تیر کا نشانہ ۱۲

وبا پر کیا منحصر ہے۔ وعدے سے دم زیادہ نہ کم۔ مرنا برحق۔ اچھا پھر مرے پیچھے کیا ہوگا۔ وہ ہی عقیل ہے وہی فہیم ہے وہی زیرک وہی دانشمند جو اس سوال کا جواب معقول دے۔ جو اس معمے کو حل کرے۔ جو یہ پہیلی بوجھے۔ کلیم! انسان کی خاص طرح کی خلقت یعنی اس کا وجود عاقل ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ ضرور اس سے کوئی بڑی خدمت متعلق اور اس کے ذمے جواب دہی ہے۔ اگر اس کا صرف یہی کام ہوتا کہ پیٹ بھرے اور سو رہے اور گرمی سردی سے اپنے تئیں بچائے تو اس کے لئے زیادہ عقل کی ضرورت نہ تھی جانور اپنے بڑے بڑے جثوں[1] کی پرداخت[2] پر بخوبی قادر ہیں حالانکہ عقل سے بے بہرہ اور دانش سے بے نصیب ہیں۔ پس اس خدمت اور اس ذمہ داری کو دریافت کرنا شرط انسانیت ہے۔ نصوح کا وعظ سنکر اس کے ہمراہیوں کے دلوں میں دین داری کے ولولے اور خدا پرستی کے جوش تازہ ہوگئے۔ حاضرین میں کلیم کے سوائے کوئی متنفس نہ تھا جس پر تھوڑی یا بہت رقت[3] طاری نہ ہوئی ہو۔ لیکن کلیم بقول سعدی شیرازی رح ؎

باسیہ[4] دل چہ سود گفتن وعظ — نرود میخ آہنی در سنگ

سکوت[5] کی حالت میں سرنگوں[6] اس کا سکوت یا تو اس وجہ سے تھا کہ نصوح کا

---

[1] جسموں ۱۲ [2] پرورش ۱۲ [3] یعنی رویا نہ ہو ۱۲ [4] سیاہ دل کے آگے وعظ کہنے سے کیا فائدہ۔ لوہے کی میخ پتھر میں تھوڑا ہی جا سکتی ہے ۱۲ [5] خاموشی ۱۲ [6] جھکا ہوا سر ۱۲

سلسلۂ[1] سخن بلا فصل تھا۔ اور اس کو بیچ میں بات کہنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یا وہ دوسرے دوسرے منصوبے سوچ رہا تھا۔ اس کا سر نگوں ہونا بھی کچھ گناہ کی ندامت سے نہ تھا بلکہ اپنی حالت کی شرمندگی سے جب نصوح نے دیکھا کہ وہ ہاں یا نہیں کچھ بھی نہیں کہتا تو اس نے ذرا گرم ہو کر اتنی بات کہی کہ بڑی وقت تمھارے معاملے میں مجھ کو یہ درپیش ہے کہ تمھارا ما فی الضمیر مجھ پر منکشف[2] نہیں ہوتا۔ شروع میں تم نے میرے سامنے آنے سے گریز کیا اور اب مواجہہ[3] ہوا تو بے سود۔ ابھی۔ ابھی تک کلیم نے کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالا تھا کہ نصوح کے ہمراہی جو کلیم کے حالات سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دین داری کی تاکید پر گھر سے نکل گیا ہے۔ بول اٹھے کہ اے حضرت میاں کلیم ماشاء اللہ[4] بڑے ذہین اور زیرک[5] اور عاقل ہیں جو کچھ آپ نے فرمایا انھوں نے گرہ باندھا[6] اگرچہ باقتضائے[7] سن اب تک لہو و لعب کی طرف متوجہ تھے مگر اب آپ دیکھئے گا کہ ان شاء اللہ ایسے جوان صالحہ اور متشرع[8] اور متقی[9]

---

[1] یعنی اُس کی بات ایک ایک لڑی تھی مسلسل ۱۲ [2] ظاہر ۱۲ [3] آمنا سامنا ۱۲ [4] جو خدا چاہے یہ جملہ نظر بد سے بچنے کے لئے کہہ لیا کرتے ہیں ۱۲ [5] دانا ۱۲ [6] یعنی قبول کر لیا اب اس پر عمل کریں گے ۱۲ [7] یعنی جوانی کی عمر کے تقاضے سے ۱۲ [8] پابندِ شرع ۱۲ [9] پرہیزگار ۱۲

نہیں گے کہ اپنے ہم عمروں کے لئے نمونہ ہوں گے آپ گھر میں تشریف لیجائیے یہ بھی آپ کے ساتھ جائیں کپڑے بدلیں اور آپ کی نصیحت پر عمل کریں جس میں دنیا اور دین دونوں کا فائدہ ہے۔ نصوح نے پھر کلیم کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیوں صاحب کچھ تم بھی تو اپنے دل کا ارادہ بیان کرو۔ کلیم مجھ کو تو آپ اتنی اجازت دیجیے کہ گھر سے اپنی ضرورت کی چند چیزیں منگوا لوں۔ نصوح سخت افسوس ہے کہ تم دنیا کی چند روزہ اور عارضی ضرورتوں کا تو اہتمام کرتے ہو اور دین کی بڑی ضرورت سے غافل ہو ؎

غم دین[1] خور کہ غم غم دین ست ٭ ہمہ غم ہا فرو تر از این ست

ضرورت کی چیزیں منگوا لینا کیا معنی تم شوق سے گھر میں چلو۔ غالباً میری نسبت کہ تم کو اُس گھر میں زیادہ دنوں رہنا ہے۔ بس وہ گھر میرا کیوں فرض کر لیا گیا ہے۔ تمھاری ماں بہت بیتاب ہے۔ چھوٹے بڑے سب فکرمند ہیں۔ میرے جرم کی سزا دوسروں کو دینا شیوہ انصاف سے بعید ہے۔ کلیم۔ مجھ کو معلوم ہے کہ آپ چند روز سے دینداری اور خدا پرستی کے نام سے نئے نئے دستور۔ نئے نئے طریقے نئے نئے قاعدے گھر میں جاری کرنے چاہتے ہیں۔ اور

---

[1] دین کا غم کھاؤ یعنی سوچ کر تو دین کا کر کیونکہ سوچنے کی چیز اگر ہے تو دین ہے باقی سب دین کے بعد ۱۲

اس جدید انتظام میں جیسا کچھ اہتمام آپ کو منظور ہے میں کیا گھر میں کوئی متنفس اس سے بے خبر نہیں۔ ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سے جان چکا ہے کہ اس انتظام جدید کی مخالفت کے ساتھ گھر میں رہ نہیں سکتا پس میں نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی کہ مجھ کو اپنی مخالفت آپ کے رو در رو ظاہر کرنے کی ضرورت نہ ہو مگر آپ کے اصرار نے مجھ کو مجبور کر دیا۔ اور اب ناچار مجھ کو کہنا پڑا کہ میں شروع سے اس انتظام کا مخالف ہوں۔ اور میرا گریز میری رائے کے ظاہر کر دینے کے لئے کافی تھا۔ میں ایک بال برابر اپنی طرز زندگی کو نہیں بدل سکتا۔ اور اگر جبراً اور سخت گیری کے خوف سے میں اپنی رائے کی آزادی باقی نہ رکھ سکوں تو تف[1] ہے میری ہمت پر اور نفریں ہے میری غیرت پر اور میں اس میں بھی کلام نہیں کرتا کہ آپ کو اپنے گھر میں ہر طرح کا انتظام کا اختیار حاصل ہے۔ مگر اس جبری انتظام کے وہی لوگ پابند ہو سکتے ہیں جن کو اس کی واجبیت تسلیم ہو یا جو اس کی مخالفت پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور چونکہ میں دونوں شقوں[2] سے خارج ہوں میں نے اپنی عافیت[3] اسی میں سمجھی کہ گھر سے الگ ہو جاؤں۔ اور اگرچہ میری اس وقت کی حالت پر کہنا زیب نہیں دیتا لیکن ذرا مجھ کو نہ ملی سے نکلنے دیجیے تو پھر آپ اور سب لوگ دیکھ لیں گے کہ میں کیا تھا اور کیا

---

[1] تھو ۱۲ [2] صورتوں ۱۲ [3] آسائش ۱۲

ہوگیا۔ قاعدہ ہے کہ وطن میں آدمی بیقدر ہوتا ہے چنانچہ آپ کے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہے کہ مجھ کو گھر سے نکلنے پر بھیک مانگی نہیں ملے گی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہی آپ کا فرزند نالائق و ناخلف ہوگا اور کسی امیر کی مصاحبت ہوگی یا کسی ریاست کی وزارت میں۔ ایسا بھی احمق نہیں ہوں کہ آپ پر نامہربانی کی تہمت لگاؤں آپ وہی بات فرماتے ہیں جو آپ میرے حق میں بہتر سمجھتے ہیں۔ لیکن میری بے ادبی اور گستاخی معاف میں اپنے تئیں محتاج تعلیم و ہدایت نہیں سمجھتا۔ رہا گھر سو اُس میں صرف اس شرط سے چل سکتا ہوں کہ آپ میرے نیک و بد سے بحث میرے بھلے بُرے سے تعرض نہ کرنے کا قول[1] واثق اور وعدہ[2] ثمی کریں۔ نصوح اس کا یہ مطلب کہ تم نے مجھ کو منصب پدری سے معزول[3] کیا۔ کلیم نہیں آپ نے مجھ کو فرزندی سے عاق فرمایا۔ اس کے بعد نصوح گھر میں آنے کی نیّت سے اٹھا اور اس کا ارادہ تھا کہ طوعاً[4] کرہاً جس طرح ممکن ہو کلیم کو ساتھ لوا لیا جائے۔ مگر کلیم نہیں معلوم کیوں کر نصوح کے بطون[5] کو تاڑ گیا۔ کہ اس کو اٹھتا دیکھ چبوترے سے جست کی تو صحن میں تھا اور صحن سے تڑپا تو احاطے کے باہر۔ لوگوں نے دوڑ کر دیکھا تو وہ بازار کے پرے سرے جا چکا تھا۔ یہ دیکھ کر نصوح ہکا[6] بکا سا ہو کر رہ گیا اور جس طرح اس نے بیٹے کو

---

[1] مضبوط ۱۲ [2] پکا ۱۲ [3] موقوف ۱۲ [4] چار و نا چار ۱۲ [5] دلی ارادہ ۱۲ [6] حیران ۱۲

سپاہیوں کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھ کر اِنّا لِلّٰہِ کہا تھا اب بیٹے سے جدا ہوتے وقت بھی وہ اِنّا لِلّٰہِ کہہ کر چپ ہو رہا غرض کلیم نہ گھر گیا ...... اور نہ گھر سے اُس کو کوئی چیز لینی نصیب ہوئی اسی طرح اُلٹے پاؤں پھر کر چلا گیا۔ نصوح کے پہنچتے پہنچتے یہ تمام ماجرا کسی نے گھر میں[1] کہا اور مستورات[2] میں بیٹھے بٹھائے ایک کہرام مچ گیا۔ فہمیدہ۔ بے تاب ہو کر باؤلوں کی طرح دروازے میں آ کھڑی ہوئی اور قریب تھا کہ پردے سے باہر نکل آئے کہ نصوح جا پہنچا بی بی کو دروازے میں کھڑا دیکھ حیران ہو کر پوچھا کہ خیر تو ہے کہاں کھڑی ہو۔ فہمیدہ میاں کو دیکھ کر بلک گئی اور گھبرا کر پوچھا کہ میرا کلیم کہاں ہے۔ نصوح۔ میرا کلیم اگر کلیم تمھارا ہوتا تو تمھارے گھر میں ہوتا اور تمھارے اور باپ اور بھائی کے اتنے اصرار اور اتنے سمجھانے اور اتنی مِنّت اور اتنی خوشامد پر بے پوچھے بے کہے گھر سے نہ چلا جاتا۔ فہمیدہ۔ اچھی خدا کے لئے ذرا مجھ کو اس کی صورت دکھا دو میں نے سُنا ہے کہ سر سے ننگا ہے پاؤں میں جوتی نہیں اس نے کا ہے کو کبھی زمین پر پاؤں رکھا تھا۔ کنکر تلوؤں میں چبھتے ہوں گے۔ کون سے موئے وہ سپاہی تھے میرے بچے کے پکڑنے والے گھورا ہو تو آہی دیدے پھوٹیں۔ ہاتھ لگا یا ہو تو خدا کرے پور[3] پور سے کوڑھ ٹپکے۔ داری تھے وہ

---

[1] عورتوں میں ۱۲ [2] بلبلا اٹھی ۱۲ [3] انگلیوں کے بند بند ۱۲

سپاہی اور قربان کیا تھا۔ وہ کوتوال میرا بچہ اور چوری کرنے قابل۔ نصوح
کیسی بدعقلی کی باتیں کرتی ہو چلو گھر میں چل کر بیٹھو۔ باہر گلی میں تمھاری آواز
جاتی ہے۔ تمھاری اس بے تابی کی محبت نے اولاد کو دنیا اور دین دونوں سے
کھو دیا اب دیکھئے کیا کرے گی۔ فہمیدہ۔ اچھا پھر کلیم گیا تو کہاں گیا۔ نصوح۔
جانے میری جوتی کہاں گیا۔ مجھ سے پوچھ کر گیا ہو تو بتاؤں۔ نہیں معلوم خدائی
خوار کہاں تھا اور کیسے لوگوں میں تھا کہ جو رسوائی ہفتاد پشت سے نہیں ہوئی
تھی وہ اس مردک[۱] کی وجہ سے ہوئی۔ اب مجھ کو شہر میں منہ دکھانا مشکل ہے
یا تو خدا اس کو نیک ہدایت دے یا میں اس کو تو کیا بددعا دوں مجھ کو ایمان سے
اُٹھالے کہ ان تکلیفوں سے مجھ کو نجات ہو۔ فہمیدہ۔ کیوں کر تمھارے دل نے
صبر کیا۔ اور جن آنکھوں سے اس خلوت خانے عشرت منزل اور کتبخانہ کی رسوائی اور
خرابی اور تفضیح کو دیکھا تھا ان ہی آنکھوں سے اس کو کھلے سر ننگے پاؤں چور بنا
ہوا سپاہیوں کی حراست میں دیکھا۔ مصرع

جو کچھ خدا دکھلائے سو ناچار دیکھنا

فہمیدہ۔ تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ اس کو مجھ تک لے آتے۔ نصوح۔ اگر میں
اس کو تم تک نہ لا سکا تو مجھ سے پہلے تم اس کو مجھ تک نہیں لا سکیں۔

---

[۱] مرد کی تصغیر۔ حقارت کی راہ سے مردک کہا ۱۲ ۵۲ پہرہ ۱۲

اور نہ تم اُس کو جانے سے روک سکیں۔ فہمیدہ۔ کہاں تم مرد کہاں میں عورت۔ نصوح۔ تو کیا تمھاری یہ مرضی تھی کہ میں اُس سے کشتی لڑتا بس ایسے اخلاص[1] سے مجھ کو معاف رکھیے۔ غرض نصوح سمجھا بجھا کر بی بی کو گھر میں لے گیا اور یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی کہ رونے اور رنج کرنے سے مطلق فائدہ نہیں۔ البتہ خدا سے اس کے حق میں زار[2] نالے کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کہ بامراد اس کو واپس لائے۔ اُدھر کلیم نے خالہ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس وقت تک اس کو نعیمہ کا حال معلوم نہ تھا۔ اگر کہیں خالہ کے یہاں چلا گیا ہوتا تو سب سے بہتر بات تھی۔ سر دست اس کی ہمدردی کرنے کو نعیمہ وہاں موجود تھی اور چونکہ اُس کی خالہ کا سارا خاندان نیک اور دین دار تھا۔ کلیم کو نصوح کے خیالات سے مانوس[3] کرنے کے لیے وہاں ہر طرح کا موقع تھا۔ لیکن عصیاں[4] خدا کا وبال اور عقوق[5] والدین کی شامت ابھی بہت سی گردشیں اس کی تقدیر میں تھیں جوں گلی کے باہر نکلا کہ میاں فطرت اس کو مل گئے۔ یہ حضرت نصوح کے چچا زاد بھائیوں میں تھے۔ اور اُن سے اور نصوح سے موروثی عداوت تھی جیسی کہ دنیا دار خاندانوں میں اکثر ہوا کرتی ہے۔ رشتہ داری کی وجہ سے ایک کے حالات دوسرے سے مخفی[6] نہ تھے۔ فطرت سُن چکا تھا کہ نصوح کو دین داری کا نیا خبط اُچھلا ہے جب

---

[1] پیار محبت ۱۲ [2] رونا گڑگڑانا ۱۲ [3] آشنا ۱۲ [4] نافرمانی ۱۲ [5] ماں باپ کے ساتھ بے ادبی ۱۲ [6] پوشیدہ ۱۲

کیوجہ سے اُس کے تمام خاندان میں ایک کھلبلی[1] مچ رہی ہے۔ جو دقتیں بے چارے نصوح کو اصلاحِ خاندان میں پیش آتی تھیں فطرت کو سب کی خبر لگتی تھی اور یہاں کے تذکروں کا ایک مضحکہ[2] ہوتا تھا۔ کلیم کی عادت سے تو واقف تھا ہی فطرت اپنے یہاں کہا کرتا تھا کہ میاں نصوح لاکھ دین داری جتائیں مگر جب جانیں کہ بڑے بیٹے کو اپنی راہ پر لائیں۔ کلیم کو جو ننگے سر ننگے پاؤں سر بازار جاتے ہوئے دیکھا تو فطرت نے چھیڑ کر پوچھا کیا میاں کلیم! تم نے ابھی سے احرام[3] حج باندھ لیا۔ کلیم۔ احرام حج احرام ہجرت[4]۔ فطرت۔ وہی تو کہوں مجھ کو تمھاری وضع داری اور دانشمندی سے شیخ وقت[5] کی تقلید[6] نہایت مستبعد[7] معلوم ہوتی تھی۔ کلیم۔ جی نہیں۔ شیخ کی خدمت میں جیسی ارادت[8] شاعروں کو ہے۔ معلوم[9]۔ فطرت۔ بس یہی دیکھ لو کر بھائی نصوح کا اپنی اولاد کے ساتھ اور اولاد میں بھی تمہارے ساتھ کہ آج ماشاءاللہ فخر خاندان ہو یہ طرز مدارات ہے ہم لوگ۔ تو خیر کہنے کو اجنبی اور غیر ہیں۔ ایسی ہی بدمزاجیوں نے کنبے والوں سے میل ملاپ چھڑا دیا۔ ورنہ انصاف شرط ہے۔

---

[1] ہل چل ۱۲ [2] ہنسی ۱۲ [3] حاجی لوگ حرم کعبہ کی سرحد پر پہنچ کر سیے ہوئے کپڑے اتار کر ایک چادر باندھ لیتے اور ایک اوڑھ لیا کرتے ہیں اسی کو احرام کہتے ہیں ۱۲ [4] ترک وطن کر کے غیر میں جا بسنا ۱۲ [5] شیخ سے مراد پیر جو لوگوں کو مرید کرے ۱۲ [6] پیروی ۱۲ [7] خلافِ قیاس۔ بعید از عقل ۱۲ [8] یعنی شاعر لوگ ہمیشہ شیخ کی برائی کرتے رہتے ہیں۔ شیخ کی آڑ میں شاعروں کو دین کی باتوں کی ہنسی اڑانی منظور ہوتی ہے ۱۲

ہمارا ان کا کیا بانٹے ۔ اپنا کھانا ۔ اپنا پہننا ۔ لڑائی کس لئے اور جھگڑا کیوں ۔ اور طرفہ[1] یہ ہے کہ جس قدر حضرت سن[2] رسیدہ ہوتے جاتے ہیں ۔ مزاج جوان ہوتا جاتا ہے ۔ بھائی صد آفریں ہے تمہاری والدہ کو ۔ نہیں معلوم ایسے آتش مزاج بے مروت آدمی کے ساتھ اس نیک بخت نے کیوں کر نباہ کیا ۔ مگر عورت ذات موذی کے پنجہ غضب میں گرفتار ہے کرے تو کیا کرے ۔ میاں کلیم! تم اس کو سچ جاننا کہ تم لوگوں کی مصیبت کو خیال کر کر کے بھائی ہمارا تو گھر بھر بےچین رہتا ہے ۔ یہ خون کا جوش ہے ورنہ ملنا ملانا ترک ۔ آنا جانا موقوف ۔ سلام پیام مسدود[3] ۔ کیا کریں کچھ بس نہیں چلتا ۔ بھلا پھر اس حالت سے تم جاتے کہاں ہو ۔ کلیم ۔ خالہ جان کے یہاں جانے کا ارادہ ہے ۔ فطرت ۔ تمھارے باپ کے ڈر سے دیکھا ہی چاہیے کہ گھر میں گھسنے دیں ۔ کلیم ۔ نہیں ۔ اُن سے تو ایسی توقع نہیں ۔ فطرت ۔ مگر ذاتِ[4] شریف خود نہ تشریف لیجائیں اس کی کیا روک ہے ۔ کلیم ۔ اس کا خدشہ تو ضرور ہے ؎

دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا

جب دھم سے آ کہوں گا حضرت سلام میرا

فطرت ۔ مَیں کہہ تو نہیں سکتا لیکن سمجھو تو ہم بھی خدانخواستہ کوئی تمھارے یا بھائی نصوح کے دشمن نہیں ہیں ۔ ارے میاں رشتہ داروں میں ہی کھٹ[5] پٹ بھی ہوا

---

[1] اور مزید براں یہ ۱۲ [2] بوڑھے ۱۲ [3] بند ۱۲ [4] یعنی نصوح ۔ یہ بھی براہ طنز کہا ۱۲ [5] لڑائی جھگڑا ۔

کرتی ہے۔ شکوہ غیر کا نہیں کرتے۔ گلہ اوپری[1] سے نہیں ہوتا جو ہم کو تمھارا اور تم کو ہمارا اور دہو گا وہ خالہ خالو کو نہیں ہو سکتا۔ بھائی نصوح ابھی حبیب وبا میں بیمار پڑے خدا شاہد[2] ہے دونوں وقت میں خود محلے میں آ کر خبر لے جاتا تھا ہماری اماں جان ہمیشہ حلال خوری سے تمھارے یہاں کے حالات پوچھا کرتی ہیں۔ مجھ سے تو یہ رسوائی گورا نہیں ہو سکتی کہ تم اس حالت سے ایسے بے وقت خالہ کے یہاں جاؤ۔ چلو شب کو ہمارے یہاں آرام کرو ایسا ہی ہو گا تو صبح کو خالہ کے یہاں بھی ہو آنا۔ لو یہ میرا دوپٹہ تو سر پر لپیٹ لو۔ لوگ آتے جاتے ہیں اور چلو پاس کے پاس اسی چھتے سے ہو کر نکل چلیں۔ غرض میاں فطرت[3] للّو پتو کر کے کلیم کو اپنے گھر لے گئے اور نصوح کی جلن سے اس کی ایسی بزرگ داشت[4] کی کہ کسی کے گھر والے بھی نہ کرتے ہوں گے۔ کلیم نے حبیب سے دین داری اور اصلاح وضع کی چھیڑ چھاڑ سنی تھی کیا ماں کیا باپ کیا بھائی سب کو اپنی رائے سے برخلاف پایا۔ اب جو فطرت نے بغرض اُسکی دل جوئی اور خاطر داری کی اس کی ہاں میں ہاں[5] ملائی اور نصوح کو مجنون اور بد مزاج اور سخت گیر ٹھہرایا یہ احمق سمجھا کہ بس فطرت اور اُس کے گھر والوں سے بڑھ کر کوئی اس کا خیر خواہ نہیں اب تک تو وہ باپ سے صرف اختلاف رائے رکھتا تھا اب اُس کو باپ سے ایک نفرت وعداوت

---

[1] اجنبی ۱۲ [2] گواہ ۱۲ [3] خوش آمد ۱۲ [4] خاطر داری۔ مدارات ۱۲ [5] یعنی اُسکی مرضی اور رائے کے مطابق باتیں کیں ۱۲

پیدا ہوئی۔ فطرت نے جلی کٹی باتیں لگا کر یہ خیال اس کے دل سے بالکل دُور کردیا کہ نصوح کو اُس کے تدین[۱] نے اولاد کے ساتھ روک ٹوک کرنے پر مجبور کیا ہے اور چونکہ کلیم اپنے پندار میں یہی سمجھتا تھا کہ اس وقت تک میں ہی اکیلا گھر سے نکلا ہوں۔ فطرت کے بہکا دینے سے اس کو یقین ہو گیا کہ دین داری اور خدا پرستی کا حیلہ تھا ورنہ فی الاصل[۲] باپ کو اس کا گھر سے نکال دینا مرکوز خاطر تھا۔ کلیم اس وقت دو مخالفوں کی کش مکش میں تھا۔ باپ اس کو صراطِ مستقیم[۳] کی طرف کھینچتا تھا، اور فطرت گمراہی اور ضلالت کی طرف لیکن فطرت حریفِ غالب[۴] تھا۔ اس واسطے کہ اوّل تو خود کلیم کا میلانِ طبع[۵] اُس کی جانب تھا۔ دوسرے نصوح ایک نئی اور ناما نوس[۶] اور دشوار گزار راہ[۷] پر اس کو لیجانا چاہتا تھا جس میں زہد[۸] و ریاضت[۹] اور اتقا[۱۰] اور نفس کشی اور انکسار[۱۱] اور فروتنی اور خوفِ عاقبت کی چند در چند تکلیفیں اور مصیبتیں در پیش تھیں اس راہ میں کلیم کو بدرقہ[۱۲] اور راہنما تو خیر رفیق[۱۳] اور ہمسفر کا ملنا بھی مشکل تھا۔ برخلاف اس کے فطرت اس کو ایک

---

[۱] دین داری ۱۲ [۲] اصل میں ۱۲ [۳] سیدھی راہ ۱۲ [۴] مدِمقابل ۱۲ [۵] طبیعت کا جھکاؤ ۱۲ [۶] نا آشنا ۱۲ [۷] جس میں سے گزرنا مشکل ہو ۱۲ [۸] ترکِ دنیا ۱۲ [۹] محنت، مشقت، یہاں مراد ہے نماز روزہ وغیرہ عبادات ۱۲ [۱۰] پرہیزگاری ۱۲ [۱۱] نفس کو مار نا مراد ہے دنیا کی لذتوں سے دست کش ہونا ۱۲ [۱۲] عاجزی ۱۲ [۱۳] رستہ دکھانیوالا ۱۲ [۱۴] ساتھی ۱۲

ایک شارع[1] عام دکھاتا تھا ایسا آباد کہ گویا اس سرے سے اس سرے تک بازار لگا ہے۔ اور نہ صرف منزل بمنزل بلکہ قدم بہ قدم تن آسانی اور عیاشی اور خود پسندی اور کبر اور بے فکری اور مطلق العنانی[2] طرح طرح کی آسائشیں اور انواع و اقسام کی راحتیں موجود و مہیا تھیں۔ اس راہ میں کلیم کو میلے کا حظ[3] یعنی سفر میں حضر[4] کا لطف حاصل تھا۔ غرض کلیم میاں فطرت سے شیر و شکر کی طرح ملا۔ نصوح نے جب یہ خبر سنی تو سخت افسوس کیا۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ فطرت سے عداوت رکھتا تھا کیونکہ عداوت تو دین داری کے اعتبار سے بڑا گناہ ہے اور نصوح سے اس کے ارتکاب کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن اُس کا یہ خدشہ کچھ بیجا نہ تھا کہ فطرت اصلاح میں کوشش نہیں کرے گا۔ فطرت کے یہاں کلیم کو اور تو کسی طرح کی تکلیف نہ تھی مگر اس کی مرضی کی کتابیں یہاں نہیں ملتی تھیں۔ تب اس نے فطرت سے بیان کیا کہ دن بھر خالی بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبرایا کرتی ہے۔ اگرچہ میں نے اپنے حالات میں ایک مثنوی[5] کہنی شروع کر دی ہے اور سو سوا سو شعر ہو بھی گئے ہیں مگر فکرِ سخن بے اطمینانِ خاطر بن نہیں پڑتا۔ اگر آپ صلاح دیں تو چند کتابیں گھر سے منگوا بھیجوں۔

---

[1] سڑک ۱۲ [2] آزادی ۱۲ [3] مزہ [4] وطن۔ شہر۔ دیس میں رہنا ۱۲

[5] شعر کی ایک قسم۔ وزن سب شعروں کا ایک ردیف قافیہ الگ ۱۲

فطرت۔ مجھ کو بھائی نصوح سے توقع نہیں، کہ وہ اتنی رعایت بھی تمھارے حق میں جائز رکھیں خصوصاً اس حال میں کہ تم میرے نزدیک ہو تمھارا یہ جرم ان کے مذہب میں تکفیر[1] کے لئے کافی ہے۔ مگر ہاں اپنی والدہ سے کہلا بھیجو اُن کا قابو چلے گا تو البتہ دریغ نہ کریں گی۔ کلیم تو متردد[2] تھا کہ کس سبیل[3] سے کتابیں منگوائے۔ مگر فطرت ازبس کہ عیّاری[4] اور چالاکی کے موکّل[5] اس کے مطیع[6] تھے خود بول اٹھا کر اجی یہ کون سی بڑی بات ہے مجھ سے کہئے تو بھائی نصوح کی چارپائی اٹھوا منگوا دوں اور اُن کے فرشتوں کو خبر نہ ہو۔ غرض فطرت نصوح کے گھر گیا اور کسی ڈھب سے اس نے سارا حال معلوم کیا اور وہ آگ جو نصوح نے کلیم کی کتابوں میں لگائی تھی فطرت نے کلیم سے جا لگائی۔ ایک تو خانہ ویرانی اُس پر فطرت کی آتش بیانی[7] کلیم پر اس آتش زنی کی خبر نے وہ اثر کیا جو حضرت موسیٰ[8] پر آتشِ طور نے کیا تھا۔ سنتے کے ساتھ ایسا بیخود ہو گیا کہ گویا بجلی گری۔ آپے میں آیا تو مزاج ایسا برافروختہ[9] تھا کہ شاید نصوح اُس وقت موجود ہوتا تو یہ مرزک دست و گریباں ہو کر لپٹ جاتا۔ کوئی ناگفتنی[10] جلی کٹی بات اُس نے

---

۱ کافر ٹھہرانا ۱۲ ۲ پس و پیش کر رہا تھا ۱۲ ۳ طریق ۱۲ ۴ ہوشیاری ۱۲ ۵ فرشتے یا جنات ۱۲ ۶ فرماں بردار ۱۲ ۷ زبان درازی ۱۲ ۸ طور پہاڑ پر جب خدا تعالیٰ کا نور جلوہ گر ہوا تو حضرت موسیٰ پچھاڑ کھا کر گرے اور بیہوش ہو گئے ۱۲ ۹ گرم مشتعل بھڑکا ہوا ۱۲ ۱۰ نہ کہنے کے قابل ۱۲

اٹھا نہیں رکھی۔ مگر لال پیلا ہو کر خاموش ہو رہا۔ اور اس بات کے درپے ہوا کہ باپ سے اس کا انتقام لے۔ کلیم نے جو طریقے انتقام کے سوچے تھے وہ سخت بیہودہ تھے۔ جب اس نے اپنی تدبیروں کو فطرت پر عرض کیا تو اس نے سب کی تحمیق[۱] کی اور کہا کہ ابھی تم نرے صاحبزادے ہو۔ میں تم کو ایسی تدبیر بتاؤں کہ ہم کیسہ[۲] وہم خزینہ[۳]۔ کلیم وہ کیا۔ فطرت۔ گاؤں پر آخر تمہارا نام چڑھا ہوا ہے۔ اس پر دخل کرو۔ کلیم ؎

ایں[۱] خیال ست و محال ست و جنوں

اُن کے متعدد کارندے اور نوکر چاکر اس پر مسلط[۲] ہیں۔ فطرت گاؤں تمہارا ہے تو نوکر اور کارندے تمہارے یا اُن کے۔ کلیم۔ لیکن میں صرف اسم فرضی ہوں۔ فطرت۔ اس کا ثبوت۔ ثبوت ان کا قبض و دخل اور اُن کے روپے سے گاؤں کا خرید ہونا۔ فطرت۔ ان کا قبض و دخل عین تمہارا قبض و دخل اور ان کا روپیہ عین تمہارا روپیہ ہے۔ بائع نے تمہارے نام رسید دی۔ گاؤں میں پٹہ قبولیت تمہارے نام سے ہوتا ہے۔ خزانہ سرکار میں مالگزاری تمہارے نام سے سیاہہ[۳] ہوتی ہے۔ کلیم۔ جب سرے سے اسم فرضی ہوں تو نام کا ہونا میرے

---

[۱] یہ صرف خیال ہے اور ان ہونی بات ہے اور جنون ہے ۱۲ [۲] تعینات ۱۲ [۳] بیچنے والا ۱۲ [۴] یعنی تمہارے نام سے سرکار میں جمع ہوتی ہے ۱۲

حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا۔ فطرت۔ لیکن اگر اسم فرضی سے انکار کیا جائے تو اُس کی تردید[1] کچھ آسان نہیں ہے۔ کلیم۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر ایک امر واقعی کی تکذیب[2] ہو سکتی ہے۔ فطرت۔ ہاں۔ یہ شاعری نہیں ہے۔ دنیا داری ہے۔ اس کو ایک خاصہ سلیقہ درکار ہے۔ کلیم۔ غرض اس تدبیر کا پیش رفت ہونا تو ممکن نہیں معلوم ہوتا کوئی اور بات سوچیے۔ فطرت۔ جب تم سے ایسے سہل کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا تو گھر سے نکلنے کا حوصلہ تم نے ناحق کیا یہی اسم فرضی کا حق مجھ کو حاصل ہوتا تو سیر دکھاتا۔ کلیم۔ فرض کر لیجیے کہ آپ کو حاصل ہے۔ فطرت۔ کیوں کر فرض کر یوں جیسے تم اسم فرضی مالک ہو ویسا ہی فرضی بیع نامہ میرے نام کر دو تو البتہ میں فرض کر سکتا ہوں۔ کلیم۔ اگر ملکیت فرضی کا بیع نامہ کچھ کار آمد ہو سکتا ہے تو گاؤں کی کیا حقیقت ہے میں تو سلطنتِ روم کا بیع نامہ آپ کے نام لکھ دوں ؎

بخالِ ہندوش[3] بخشم سمرقند و بخارا را

فطرت۔ بھلا گاؤں تم کتنے پر بیع کرو گے۔ کلیم۔ کسی فرضی قیمت پر۔ فطرت۔ بھلا اس کا اندازہ بھی۔ کلیم۔ فرض کیجیے کہ سو روپے۔ فطرت۔ مجھ سے ہزار نقد لیجیے۔ کلیم۔ سچ۔ فطرت۔ سچ۔ کلیم۔ واللہ بیچا۔ فطرت۔ واللہ لیا۔ کلیم کو

---

[1] رد کرنا ۱۲ [2] جھوٹا کر دینا ۱۲ [3] خواجہ حافظ شیرازیؒ کی غزل کا مصرع ہے یعنی معشوق کے تل کے بدلے سمرقند اور بخارا کا ملک بخش دوں ۱۲

فطرت کی قسم پر بھی اعتبار نہ ہوتا تھا۔ فطرت نے گھر میں جا ہزار روپے کا توڑا لا سامنے رکھ دیا۔ ادھر روپے گنے گئے اور ادھر بیع نامہ لکھ پڑھ کر تیار ہو گیا۔ کلیم نے سوچا کہ میں نے یہ سودا کیا کیا ایک غنیمت[۱] بار وہ مفت ہاتھ آئی۔ اس وقت تو بات کی بیچ کرکے فطرت نے روپیہ دے دیا ہے ایسا نہ ہو پھر چنید[۲] کرے۔ بہتر ہے کہ چل دیجئے۔ یہ سوچ روپے کا توڑا البغل میں داب کلیم رخصت ہوا تو سیدھا چاندنی چوک میں آیا۔ محل دار خاں کا کمرہ اسی روز خالی ہوا تھا کہ اس نے سر قفلی[۳] جا دی۔ دہلی جیسا شہر اور کلیم جیسا ناعاقبت[۴] اندیش اور مسرف[۵] اور اس طرح کا مالِ مفت بات کی بات میں فرش فروش جھاڑ فانوس۔ ساز و سامان۔ نوکر چاکر سب کچھ موجود ہو گیا۔ یہاں تک کہ اگلے ہی دن پہلے مشاعرے کی محفل اس کے بعد ناچ کا جلسہ ٹھہرا جتنے یار آشنا تھے سب کے نام رقعے تقسیم ہوئے اور کلیم کے سارے شیاطین الانس پھر بدستور جمع ہو گئے۔ حتیٰ کہ مرزا ظاہر دار بیگ بھی اتنے بڑے بے غیرت کہ خبر سُن کر دوڑے آئے اور سیم اتنا بڑا احمق کہ ایسا دھوکا کھا کر پھر ان سے صاف ہو گیا۔ جس کیفیت سے کلیم نے

---

[۱] لوٹ کا مال [۲] کوئی نا حق کی حجت نکال کھڑی کرے [۳] کرایہ دار تھوڑا سا کرایہ پیشگی دے کر سر خط لکھ دیا کرتا ہے اس کو سر قفلی کہتے ہیں، جس کو دے کر تالا کھولا جائے ۱۲ [۴] انجام نہ سوچنے والا۔ [۵] فضول خرچ ۱۲

دو مہینے گزارے ناگفتہ بہ[1] ہے۔ وہ بدکرداری کی تپ کہنہ[2] رکھتا تھا۔ اب یہ دو مہینے گویا بحران[3] کے تھے۔ ہزار روپے کی کل جمع پونجی اور ایسا بے دریغ خرچ تیسرا مہینہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ہزار تمام ہوئے۔ پہلے سے بھی بزاز۔ درزی حلوائی کبابی۔ نان وائی۔ میوہ فروش۔ گندھی۔ بساطی۔ وغیرہ کا حساب باقی تھا۔ نوکروں کا دو ماہہ چڑھ چکا تھا۔ اب آٹا دال تک اُدھار آنے لگا۔ شدہ شدہ ہر طرف سے طلب و تقاضا شروع ہوا۔ استعمال سے پہلے اسباب خانہ داری کے بکنے کی نوبت پہونچی تو کلیم خوابِ غفلت سے بیدار ہوا۔ لیکن اب اس کا تنبہ[4] کچھ چنداں سود مند نہ تھا۔ اُس کے یار دوست دستور کے موافق اس کے پاس کا آنا جانا قاطبتہً[5] ترک کر چکے تھے۔ نوکر چاکر بھی گھر بیٹھ رہے تھے۔ اور جو تھے تنخواہ کے نہ ملنے سے ایسے گستاخ ہو گئے تھے کہ کار خدمت تو در کنار رُو در رُو جواب دیتے تھے جو چیز جس کی تحویل[6] میں تھی ہیکڑی سے اُس کو مال اپنا سمجھتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ دو چار قرض خواہ اس کے در دولت[7] پر نہ ہوں۔ کلیم نے چاہا کہ چپ کے سے چلدے۔ مگر اس کے بغلی دشمنوں یعنی نوکروں کی وجہ سے اس کا یہ منصوبہ فاش[8] ہو گیا اور جوں پہر رات گئے نوکروں کا لباس بدل کر باہر نکلا تھا کہ سرہنگانِ[9] دیوانی

---

۱ اس کا نہ کہنا ہی بہتر ۱۲ ۲ پرانا بخار ۱۲ ۳ تپ کی شدت کا دن ۱۲ ۴ جاگنا۔ آگاہ ہونا ۱۲
۵ قطعاً ۱۲ ۶ سپردگی ۱۲ ۷ طنز کی راہ سے دولت کہا ورنہ دروازہ مراد ہے ۱۲
۸ ظاہر۔ آشکارا ۱۲ ۹ یعنی عدالتِ دیوانی کے سپاہی پیادے ۱۲

کے پنجۂ غضب میں گرفتار ہو گیا اس غفلت شعار[۱] کو اب معلوم ہوا کہ کئی ڈگریاں یک طرفہ[۲] اُس پر جاری ہیں ان پیادوں کی حراست[۳] میں جس کیفیت سے کلیم نے رات گزاری ایسی سخت اور ناگوار تھی کہ اُس کو بار بار ظاہر دار بیگ کی مسجد کا اعتکاف[۴] شبینہ حسرت[۵] کے ساتھ یاد آتا تھا اگلے دن کچہری کے وقت پیادوں نے کلیم کو لے جا حاکم عدالت کے روبرو حاضر کیا۔ احاطہ کچہری میں پہونچتے ہی پہلے نصوح سے مڈ بھیڑ[۶] ہوئی۔ کلیم باپ کو دیکھ کر بے اختیار رو دیا۔ مگر پیادوں کے خوف اور اپنی ندامت کے سبب کچھ کہہ نہ سکا۔ نصوح کا کچہری میں آنا بھی ان ہی حضرت کی وجہ سے تھا۔ فطرت نے اُس بیع نامۂ فرضی کا ایک طومار[۷] بنا کھڑا کیا۔ دو چار محکمۂ کارندوں کو گانٹھا[۸] اور چند کاشتکاروں کو بہکا کے پیچھے دو دو چار چار آنے کی کمی کر کے استمراری[۹] پٹے کر دیئے۔ دلی شہر کے چند آب رو باختہ[۱۰] غنڈے[۱۱] ساتھ لے گاؤں پر زبردستی دخل کر لیا۔ نوبت بہ عدالت پہونچی مقدمے میں کچھ ایسے پیچ پڑتے گئے کہ دروغ کو فروغ[۱۲] ہو گیا۔ کلیم نے تو اپنے نزدیک ایک

---

۱ غفلت جس کی عادت ہو ۱۲ ۲ مدعا علیہ حاضر ہو کر جواب دہی نہ کرے اور دعویٰ ڈگری ہو جائے تو ڈگری یکطرفہ کہلاتی ہے ۱۲ ۳ پہرہ ۱۲ ۴ مسجد میں رات کا رہنا ۱۲ ۵ افسوس یعنی وہ کہتا تھا کہ اس سے تو وہی مسجد والی رات اچھی گزری تھی ۱۲ ۶ آمنا سامنا ۱۲ ۷ دفتر مراد ہے بکھیڑا ۱۲ ۸ ملا لیا ۱۲ ۹ ہمیشہ کے لئے ۱۲ ۱۰ بے آبرو ۱۲ ۱۱ لچے ۱۲ ۱۲ یعنی جھوٹ چل گیا ۱۲

کیا تھا نصوح بے چارے کو مفت میں پانچ چھے ہزار کا گاؤں ہارنا پڑا۔ اسی تقریب سے نصوح حاضر کچہری تھا کہ کلیم اُس کو دوسری مرتبہ پیادوں کے ہاتھ میں گرفتار نظر آیا گو باپ بیٹوں میں بالمشافہ[1] بات چیت تو درکنار دعا سلام کا بھی اتفاق نہیں ہوا لیکن ایک کو دوسرے کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ باپ نے ابھی کچہری کے احاطے سے پاؤں باہر نہیں رکھا تھا کہ بیٹا جیل خانے جا داخل ہوا۔ کلیم نے ہر چند شاعری اور امیر زادگی کے چند در چند استحقاق ثابت کئے مگر مالکان مجلس[2] نے ایک نہ مانی اور اُس کو ایسا ایسا رگیدا[3] کہ دوسرے ہی دن چین بول گیا۔ اس بے کسی میں کلیم کو باپ یاد آیا اور اگرچہ اپنی حرکات پر نظر کرنے سے اس کو بالکل نا امیدی تھی مگر اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ[4] مرتا کیا نہ کیا کرتا بے غیرتی کا ٹھیکرا آنکھوں پر رکھ کر باپ کو یہ خط لکھا۔ مجھ کو حیرت ہے کہ میں کون ہوں اور کس کو خط لکھتا ہوں۔ اور یقین ہے کہ اس خط کے پہنچنے پر مجھ سے زیادہ حیرت آپ کو ہوگی۔ اتنی گستاخی اتنی نافرمانی۔ اتنی بے حیائی۔ اتنی مخالفت پر مجھ نالائق[5]۔ نابکار و ناہنجار[6] کشتنی[7]۔ گردن[8] زدنی۔ ننگ[9] خاندان مصرع

بدنام[10] کنندۂ نکو نامے چند

---

[1] رو در رو ۱۲ [2] مراد ہے جیل خانے کے محافظ ۱۲ [3] رگڑا ۱۲ [4] ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا پکڑتا ہے ۱۲ [5] نکما ۱۲ [6] بے قاعدہ بے ادب ۱۲ [7] جان سے مار ڈالنے کے لائق ۱۲ [8] گردن سے مار دینے کے لائق ۱۲ [9] جس سے سلسلے خاندان کو شرم آئے ۱۲ [10] کتنے نیک ناموں کا بدنام کرنیوالا نیک ناموں سے مراد گھر کے بزرگ ۱۲

سے سرزد[۱] ہوئی ہیں کیا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو آپ کے ساتھ نسبت فرزندی باقی رہی۔ پس نہ تو یہ خط خط ہے اور نہ بیٹے کی طرف سے ہے۔ اور نہ باپ کے نام ہے۔ بلکہ معذرت نامہ ہے۔ عرضی اعتراف[۲] ہے۔ توبہ کا وثیقہ[۳] اور استغفار[۴] کی دستاویز ندامت کا اقرار اور حاجت مندی کا اظہار ہے۔ گنہگار۔ روسیہ۔ شرمسار۔ ظالم۔ جفا کار۔ تیرہ روزگار کلیم کی طرف سے۔ صاحب کرم عمیم[۵] و خلق[۶] عظیم۔ بردبار وحلیم۔ رؤف الرحیم محسن[۷] ولی نعمت۔ مہربان سراپا شفقت۔ نیکو کار۔ کم آزار۔ خیر خواہ بلا اشتباہ کے نام ہر چند میری رسوائی یہاں تک پہنچی کہ جب سے مردود[۸] و مطرود[۹] ہوا طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا اور انواع و اقسام کی ذلتوں میں گرفتار ہوں لیکن یہ سمجھنا کہ میں نے جیسا کیا ویسا پایا بے جا اور غلط ہے۔ کیا ہزار تو پایا ایک۔

کیا من تو بھگتا چھٹانک بلکہ ایک اور چھٹانک بھی نہیں۔ حاشا نہیں۔ زینہار نہیں۔ ہر چند میں معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہے کہیں زیادہ ہے اس سے جو عبارت میں ہے۔ لیکن خود مجھ کو اپنی توبہ سے تشفی اور ندامت سے تسلی نہیں۔ اس واسطے کہ میری توبہ درماندگی[۱۰] کی توبہ اور ندامت

---

[۱] واقع ۱۲ [۲] اقرار ۱۲ [۳] دستاویز ۱۲ [۴] طلب معافی ۱۲ [۵] عام احسان ۱۲ [۶] بڑی عمدہ عادتیں ۱۲ [۷] احسان کرنے والے جنہوں نے اپنی نعمت سے پالا پرورش کیا ۱۲ [۸] راندہ ہوا ۱۲ [۹] نکالا ہوا۔ دھتکارا ہوا ۱۲ [۱۰] ہارے درجہ کی ۱۲

حالتِ ابتلا[۵۱] کی ندامت ہے۔ تو طبیہ بر طرف تمہید[۵۲] یک سو۔ نہ مجھ کو توبہ پر تکیہ نہ ندامت پر ناز۔ خدا کو جس کا میں آپ سے بڑھ کر گنہگار ہوں اپنا شفیع[۵۳] قرار دیتا ہوں اور[۵۴] دیکھتا ہوں تا کرم او چہا کند[۵۵]۔ اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ[۵۶]۔ قطعہ

شاہا[۵۷] ز کرم بر منِ درویش نگر بر حالِ منِ خستہ و دل ریش نگر
ہر چند نیم لائقِ بخشائیشِ تو بر من منگر بر کرمِ خویش نگر

سلیم کے رسالوں[۵۸] میں اتفاق سے ایک جملہ مجھکو نظر پڑا اور پسند آیا وہ یہ تھا کہ توبہ ربر ہے اور گناہ پنسل کی تحریر[۵۹]۔ پس جب کہ توبہ و ندامت نے مجھ کو آلودگیِ گناہ سے پاک کر دیا تو پھر میں آپ کا برخوردار ہوں اور آپ میرے والدِ بزرگوار مجھ کو آپ سے ہر طرح کا دعوٰی اور آپ کو مجھ سے ہر قسم کی توقع۔ سات سو روپے کی غرض اس وقت میری جان پر بنی ہے۔ آپ مجھ کو اگر لِلّٰہ۔ صدقہ۔ زکوٰۃ۔ خیرات

---

[۵۱] آفت میں پھنس جانے کی حالت ۱۲ [۵۲] تقریب تمہید ۱۲ [۵۳] وسیلہ سفارش گو ۱۲ [۵۴] دیکھتا ہوں کہ اس کا کرم کیا کرشمے دکھاتا ہے ۱۲ [۵۶] غصّے کے روکنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنیوالے اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۱۲ [۵۷] بادشاہ مجھ فقیر پر کرم کی نگاہ سے دیکھ مجھ درماندہ اور شکستہ دل کے حال پر نظر کر ہر چند میں تیرے کرم کے لائق نہیں ہوں لیکن تو مجھ پر نہیں اپنے کرم پر جا ۱۲ [۵۸] چھوٹی سی کتاب کو رسالہ کہتے ہیں [۵۹] یعنی جسطرح ربر سے پنسل کا لکھا ہوا مٹ جاتا ہے اسی طرح توبہ سے گناہ محو ہو جاتے ہیں ۱۲

جان کر نہ دیں تو قرض حسنا[1] دیں۔ قیدی کے چھڑانے۔ غلام کے آزاد کرنے کا ثواب آپ پر مخفی نہیں اگر روپیہ کل تک نہیں آیا تو میری زندگی دشوار ہے۔ کلیم شاعر تو تھا ہی باتوں کا جادو بنانے کی اس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ اس کے جھوٹے ڈھکوسلوں پر تمام مجلس کو وجد[2] ہوتا تھا۔ باپ کے لئے اس نے تو بہ ریائی[3] کا ایسا مضمون سوچا کہ اس کا خط گویا سات سو روپے کی درشنی ہنڈی تھی جانے کی دیر تھی اور روپیہ ملنے کی دیر نہ تھی۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ قاصد نہیں نامہ بر[4] نہیں خط جائے تو کیسے جائے۔ ہانسی حصار کی طرف کا سپاہی کچھ حرف آشنا سا تھا اور جب اس کو پہرے وغیرہ سے فراغت ہوتی تو وہ قصہ شاہِ روم۔ سپاہی زادہ۔ بنجارہ نامہ۔ کنز المصلی منظوم۔ اس قسم کے اردو کے رسالے نثر کو پریشان نظم کو ناموزوں کر کے اپنی کرخت[5] سنگ لاخ[6] بولی میں پڑھا کرتا تھا۔ کلیم کو شاعری کے ذریعے سے اس سپاہی کے ساتھ تعارف پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ منت سماجت سے کلیم نے اس کو خط پہنچا دینے پر آمادہ کیا۔ اور اجرت یہ ٹھہری کہ کلیم اس کے اور اس کے دو بیٹوں کے سجعے[7] بنا دے نام ان کمبختوں کے اتفاق سے ایسے ٹیڑھے تھے کہ بے چارہ کلیم بہتیرا غور کرتا تھا۔

---

[1] قرآن میں ایک جگہ قرضاً حسناً آیا ہے۔ اس سے قرض حسنا نام پڑا۔ عرف میں قرض بے سود ۱۲

[2] جوش و خروش ۱۲ [3] دکھاوے کی ۱۲ [4] خط کا لیجانے والا ۱۲ [5] سخت ۱۲ [6] پتھر کی طرح کی ۱۲

[7] نام کو اس طرح شعر میں کھپا دینا کہ جزو مطلب بن جائے۔

کسی ڈھب سے نہیں کھپتے تھے ۔ اور واقع میں نتھے خاں جمن خاں بدھو خاں کے ناموں کے سجع، کوئی کہے تو کیا کہے ۔ اس پر خرابی یہ کہ نتھے خاں جاہل کندۂ ناتراش پسند کرنیوالا سخن فہم ۔ کلیم بہتر سے بہتر سجع کہہ کر لے جاتا وہ سن کر ہنس دیتا اور کہتا کہ بھائی جی یہ تو ٹھیک[۱] نہیں بیٹھا بڑی بڑی خرابیوں سے کوئی چھ سات دن میں نتھے خاں کی فرمائش پوری کی غرض کلیم کا خط باپ تک پہنچا ۔ وہ اس طرح کی طلب نہ تھی کہ اس میں امروز فردا کی گنجائش ہو ۔ نصوح نے خط پڑھتے کے ساتھ ساتسوں کے ساتسوں سو روپے بے عذر گن دیئے ۔ کلیم اس مرتبہ بھی باپ سے نہ چوکا ۔ ضرورت تھی پانسو کی اور منگوائے سات سو پانسو دے کر تو رہائی پائی ۔ باقی بچے دو سو اس میں کھڑے کھڑے سامان سفر درست کر اسی وقت دولت آباد کا راستہ لیا ۔

---

[۱] دیہاتی بولی کی نقل کرنی منظور ہے ۔ پس یہ کہ ٹیہ کو اور بیٹھا کو تشدید کے ساتھ بیٹھا پڑھو ۱۲

کلیم نوکری کی جستجو میں دولت آباد گیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا۔ لڑائی میں زخمی ہوا اور مُردوں کی طرح چار کہاروں پر لد کر دہلی آیا

یہ ایک چھوٹی سی ہندوستانی ریاست ہے البتہ کوئی پانچ چھ لاکھ روپے سال کا محاصل[۱] اس میں ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک نوجوان ناتجربہ کار مسند نشین ہوا۔ خوش آمدی صلاح کار تجے مصاحب موقع پا کر آجمع ہوئے اور دولت آباد کو چھوٹا لکھنؤ بنا دیا۔ جہاں[۲] جہاں اس مذاق کے لوگ تھے سب کو فرنگی[۳] مشن کی طرح ریاست دولت آباد کے حالات معلوم تھے۔ کلیم بھی سُن سُن کر دولت[۴] آباد کا ایسا مشتاق تھا جیسے زاہد مرتاض[۵] جنت کا۔ غرض کلیم دو منزلہ[۶] طے کرتا ہوا دولت آباد پہنچا۔ اور قبل اس کے

ف۱ آمدنی ۱۲ ف۲ لکھنؤ کا دربار عیاشی میں ضرب المثل تھا اسی سے وہاں کی سلطنت تباہ ہوئی ۱۲ ف۳ انگریزوں میں ایک قسم کا جادو ہے جس کا حال کوئی نہیں بتاتا اور جس کو معلوم ہے بتا نہیں سکتا ۱۲ ف۴ جو شخص ترکِ دنیا کر کے عبادت کی سخت محنت اٹھاتا ہے ۱۲ ف۵ یعنی دو دو منزلیں ایک ایک دن میں چل چل کر ۱۲

کر کسی سے تعارف پیدا کرے اِس نے اپنا سامان ظاہر درست کر پھر ایک مرتبہ سرائے میں امیری ٹھاٹھ لگا دیئے۔ مدح رئیس میں قصیدہ تو اس نے سفر ہی میں کہنا شروع کر دیا تھا۔ صرف عرض حال اور قطعہ دعائیہ باقی تھا۔ جلدی جلدی تمام کر اُسی قصیدے کو ذریعہ تقریب قرار دے در دولت پر جا حاضر ہوا۔ مگر شامتِ اعمال اور بابِ کی ناخوشی کا وبال اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہونے دیتا تھا۔ اس کے دولت آباد میں چند روز پہنچنے سے پہلے یہاں بساط الٹ چکا تھا۔ بدنظمی ریاست کی خبریں صاحب رزیڈنٹ کو پہنچیں۔ اور انہوں نے بذات خاص دولت آباد پہنچ کر رئیس سے کل اختیارات منتزع کر کے امور ریاست کا انتظام ایک کمیٹی کو تفویض کیا جس میں ریاست کے چند قدیم نمک خوار تھے جو رئیس کی بے اعتدالیاں دیکھ کر ترکِ خدمت کر کے گھر بیٹھ رہے تھے۔ اور اس کمیٹی کے میر مجلس انتظام الدولہ مدبر الملک نواب بیدار دل خاں بہادر والی عافیت نگر قرار دیئے گئے کہ رشتہ میں رئیس دولت آباد کے ماموں بھی ہوتے تھے اور ان کا حسنِ انتظام اُن اطراف میں ضرب المثل تھا۔ اور خود صاحب رزیڈنٹ بہادر بھی بلاناغہ ماہ بماہ اپنی شرکت سے آب رو افزائی کیا کرتے تھے رئیس کو مصارف ضروری

سلہ سامان ۱۲ سلہ چین کر ۱۲ سلہ یعنی اس کی کہاوت ہوگئی تھی ۱۲ سلہ رزیڈنٹ کے شریک ہونے سے کمیٹی کی آب رو زیادہ ہوتی تھی ۱۲ سلہ خرچ ۱۲

کیلئے گیٹی سے دست[۱] بردا شتہ کچھ روپیہ ملتا تھا نا بکار مصاحب ایک ایک کر کے نکالے جا چکے تھے۔ غرض جس چاٹ پر کلیم دوڑا آیا تھا وہ بات اب باقی نہ تھی۔ ناواقفیت کی وجہ سے کلیم نے اطلاع کرائی تو فوراً صدا[۲] کی طرح طلبی آئی۔ یہ تو اس توقع سے خوشی خوشی اندر گیا کہ بانکے ٹیڑھے رنگیلے سجیلے۔ وضع دار لوگ دیکھنے میں آئیں گے۔ مگر جاکر دیکھتا ہے تو بڑے بڑے ریشائل[۳] مولوی پگڑ اور عمامے باندھے بیٹھے ہیں۔ کوئی درس[۴] دے رہا ہے کوئی کتاب دیکھ رہا ہے۔ کوئی اوراد[۵] میں میں مصروف ہے۔ اندر قدم رکھتے ہی کلیم نے یہ برجستہ[۶] مطلع پڑھا

جاتے تھے جب بجائے بت خانہ وصنم[۷] میں　　بہکے تو جا کے نکلے ہم بھی کہاں حرم[۸] میں

مولوی کی شکل دیکھ کر قریب تھا کہ کلیم اس طرح بھاگ کھڑا ہو جیسے لاحول[۹] سے شیطان۔ مگر اس کو خیال ہوا کہ امیروں کے کارخانے میں تعجب کیا ہے کہ کوئی خانقاہ[۱۰] بھی ہو مصرع مسجد کے زیر سایہ خرابات[۱۱] چاہیے۔ چلو ذرا حال تو دریافت کریں بارے قریب جاکر اس نے ایک پیر مرد کو مجرا[۱۲] عرض کرتا ہوں کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ لفظ مجرا سن کر ان بزرگ کے کان کھڑے ہوئے اور فوراً آنکھ

---

۱ یعنی گیٹی ہاتھ سے اٹھا کر دیدیا کرتی تھی ۱۲ ۲ آواز جو گنبد یا مکان سے لوٹ کر آئے اسکو صدا کہتے ہیں ۱۲ ۳ بڑی بڑی لمبی ڈاڑھیوں کے ۱۲ ۴ پڑھا رہا ہے ۱۲ ۵ وظائف ۱۲ ۶ فی الوقت۔ مناسب موقع ۱۲ ۷ بت ۱۲ ۸ کعبہ اور اس کے گرداگرد کا حلقہ جس کے اندر شکار کرنا اور درخت کاٹنا منع ہے ۱۲ ۹ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے سے شیطان دور ہوتا ہے ۱۲ ۱۰ فقیروں کے رہنے کی جگہ ۱۲ ۱۱ شراب خانہ۔ یہ دوسرا مصرع ہے پہلا یہ ہے۔ بھووں پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہیے ۱۲
۱۲ لکھنؤ والوں کا بڑا مودب سلام

سے عینک اُتار سیدھے ہو کر کلیم کو دیکھنے لگے۔ تب اس نے زائد از رکوع جھک کر ان کو سلام کیا یعنی اپنا مجرا دکھایا۔ اُس بزرگ نے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مِنْ اَیْنَ اِزْفَافُکَ[1] اَنْجَاکَ اللّٰہُ عَنِ الْمَہَالِکِ۔ کلیم۔ حضرت قبلہ میں فہم[2] عربی سے قاصر ہوں۔ مولوی صاحب کہاں سے اتفاقِ مجئی[3] ہوا۔ کلیم۔ دہلی سے۔ مولوی صاحب۔ بتقریب۔ کلیم۔ امتحانِ بخت اور آزمائش نصیب۔ مولوی صاحب۔ علم و عمل۔ کلیم۔ مدحت[4] طرازی ارباب دول۔ مولوی صاحب غرض وغایت۔ کلیم۔ تحصیل جاہ و ثروت۔[5] تب اس بزرگ نے مختصر طور پر وہاں کے حالات سے مطلع کر دیا اور کہا کہ رئیس لاشے[6] محض ہے وہ بھی لابشرط شے نہیں بلکہ بشرط لاشے اور بے اجازتِ خاص حضرت مولانا[7] صدر اعظم کے کسی کو اس تک پہنچنے کا امکان نہیں۔ کلیم۔ صدر اعظم صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب دیکھو یہیں کہیں ہوں گے۔ کلیم۔ ان کی شناخت۔ مولوی صاحب۔ سِیْمَاھُمْ[8] فِیْ وُجُوْہِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ کلیم۔ میں نہیں سمجھا۔ مولوی صاحب۔ ایک بڈھے

---

۱ تم شکتے ہوئے کہاں سے آتے ہو خدا تم کو ہلاکت کی جگہ سے نجات دے ۱۲ ۲ یعنی میری فہم عربی کے سمجھنے سے کوتاہی کرتی ہے مطلب یہ کہ میں عربی نہیں سمجھتا ۱۲ ۳ کہاں سے آنے کا اتفاق ہوا ۱۲ ۴ یعنی دولتمندوں کی تعریف کیا کرتا ہوں ۱۲ ۵ یعنی امیروں کی مدح کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں بھی امیر اور بڑے مرتبہ کا آدمی ہو جاؤں ۱۲ ۶ مطلب تو یہ ہے کہ رئیس کچھ بھی نہیں مگر اسکو مولوی صاحب نے منطقی اصطلاحوں میں بیان کیا اور اس میں منطق کے ایک بہت بڑے مشکل مسئلے کی طرف اشارہ ہے جسکا سمجھنا مبتدی کو مشکل ہے ۱۲ ۷ وزیر اعظم وہی نواب بیدار دل خاں ۱۲ ۸ انکا حلیہ یہ ہے کہ انکی پیشانی پر سجدے کے گھٹے کے نشان ہیں ۱۲

منحنی[۱] سے آدمی ہیں نیلی لنگی اوڑھے ہوئے حجرۂ شمالی کے صحن میں طلبہ کو درس دے رہے ہوں گے یا فصلِ خصومات[۲] میں مصروف[۳] ہوں گے۔ کلیم۔ ان کو کیا خدمت ہے مولوی صاحب۔ جیسے حرفِ ندا لفظ ادعوا کا قائم مقام[۴] ہوتا ہے اسی طرح مولانا صاحب ادام اللہ فیوضہم[۵] نائب الرئیس[۶] ہیں۔ کلیم۔ میں ان کی خدمت میں جا سکتا ہوں مولوی صاحب۔ لاباس[۷] بہ غرض کلیم صدر اعظم صاحب کی خدمت میں گیا تو وہ اس کی نظر میں کچھ بھی نہ جچے۔ یہ سمجھا تھا کہ وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں تو بڑے کر و فر[۸] کے ساتھ ہوں گے وہاں جا کر دیکھا کہ وہ ایک مولوی ہیں وراثت کا ایک جھگڑا ان کے روبرو در پیش ہے اور بیٹھے اپنے ہاتھ حساب مناسخہ[۹] لگا رہے ہیں۔ کلیم کو ایک اجنبی صورت دیکھ کر انھوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا کہ ان سے فارغ ہولوں تو آپ سے بات کروں جب تک مقدمہ پیش رہا کلیم غور سے دیکھتا اور سنتا رہا مولوی صاحب بلا کی موشگافیاں[۱۰] کر رہے تھے۔ تب تو کلیم نے سمجھا کہ واقع میں یہ شخص بڑے پائے[۱۱] کا آدمی ہے اور منصب وزارت کے قابل ہے۔ بارے جب

---

[۱] جھکے ہوئے ۱۲ [۲] یعنی اور لوگوں کے جھگڑے چکا رہے ہونگے ۱۲ [۳] مشغول ۱۲ [۴] یہ علم نحو عربی کا ایک مسئلہ ہے ۱۲ [۵] اللہ ان کے فیض جاری رکھے ۱۲ [۶] رئیس کے نائب ۱۲ [۷] کچھ مضائقہ نہیں ۱۲ [۸] شان و شوکت ۱۲ [۹] علم فرائض کے ایک قاعدے کا نام ہے جس کی رو سے وارثوں کے حصے ٹھہرائے جاتے ہیں ۱۲ [۱۰] بال کی کھال نکال رہے ہیں ۱۲ [۱۱] رتبے درجے ۱۲

مقدمہ طے ہو چکا تو صدر اعظم صاحب کلیم کی طرف مخاطب ہوئے کہ ہاں حضرت فرمائیے۔
کلیم۔ بندہ ایک غریب الوطن ہے۔ رئیس کی جود[1] و سخا[2] کا شہرہ سُن کر مُدت سے مشتاق
تھا۔ یہ حال ہے باقی میری صورت سوال ہے۔ صدر اعظم۔ آپ کی سماعت صحیح
لیکن اگرچہ جود صفت محمود[3] ہے مگر اعتدال[4] شرط ہے۔ شامتِ اسراف[5] سے تمنا[6]
باقی نہ رہا۔ فرنگیوں نے حفظِ ریاست کی نظر سے رئیس کو ممنوع[7] التصرفات مسلوب[8]
الاختیارات کر رکھا ہے۔ کلیم میں طالبِ گنجینہ نہیں سائل خزینہ نہیں سہ
صدف کو چاہئیے کیا ایک قطرۂ شبنم سے ☙ بجھالیتا ہے اپنی پیاس کامِ غنچہ شبنم سے
کلیم نے اس طرح کڑک کر بے دھڑک شعر پڑھا کہ تمام حاضرین اُس کی
یہ حرکت خارج از سیاقِ[9] ادب دیکھ کر متعجب ہوئے صدر اعظم کا منصب۔ ان کا علم و
فضل۔ ان کی پیری اور وہ ہیبت[10] جو ان کی تہذیب[11] کو لازم تھی لینی صدر اعظم صاحب
کی حالت مجموعی اور اس سے قطع نظر خود کلیم کی حالت اس کی مقتضی تھی کہ وہ پاسِ
ادب ملحوظ رکھتا۔ مگر وہ ایسی ہی بیباکی[12] کو ہنر لسانی[13] اور صفت حاضر جوابی سمجھتا

---

[1] فیاضی ۱۲ [2] سخاوت ۱۲ [3] یعنی تعریف کی بات ہے [4] میانہ روی ۱۲ [5] فضول خرچی ۱۲
[6] تمول دولتمندی ۱۲ [7] یعنی منع کر دیا آئندہ کسی طرح کا دخل نہ دے ۱۲ [8] یعنی کل
اختیارات چھین لیے ۱۲ [9] ادب کے قاعدے سے باہر ۱۲ [10] رعب ۱۲ [11] مراد
ہے متانت وقار ۱۲ [12] لسانی ۱۲

تھا۔ شعر اس کا تکیہ کلام تھا۔ بات کہتا تو مقفّٰی۔ کلام کرتا تو موزوں گفتگوئے روز مرّہ میں بھی اُس کی یہی کیفیت تھی۔ اور جو کوئی اس کو ٹوکتا تو وہ جواب دیتا کہ

شاعری تو شعار[1] ہے اپنا

کلیم کو صدر اعظم کے حضور میں بے باکانہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوئی لیکن جو امر اُن کی ---- .... حیرت کا موجب تھا وہی اُن کو کلیم کے روکنے سے بھی مانع تھا یعنی صدر اعظم صاحب کی ہیبت۔ لوگوں سے زیادہ صدر اعظم صاحب کو حیرت ہوئی ہوگی مگر اُن کی تہذیب اس درجے کی تھی کہ انھوں نے کلیم کو نظر بھر کر بھی تو نہیں دیکھا اظہار ناخوشی و ناپسندیدگی تو بڑی بات ہے۔ صدر اعظم رئیس سے تو توقع عبث ہے۔ مگر انتظام جدید درپیش ہے۔ اگر میں سمجھوں کہ کوئی خدمت آپ انجام دے سکیں گے تو ان شاءاللہ مجلس[2] شوریٰ میں جس کو لوگ کمیٹی منتظم ریاست کہتے ہیں آپ کے استحقاق پیش کر دیے جائیں گے اور غالب ہے کہ کوئی خدمت بھی آپ کو مفوض[3] ہو جائے۔ متعدد[4] مناصب[5] خالی ہیں خصوصاً انتظام فوجداری حدود ریاست میں۔ کلیم چندے حضور مجھ کو اپنی خدمت خاص میں رکھیں اور اس نالائق کی ہنرمندی اور بے ہنری

---

[1] شعار تو اصل میں اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جلد بدن سے لپٹا ہوا رہے مراد ہمیشہ کی عادت ۱۲ [2] مجلس جس میں انتظام کے متعلق صلاح و مشورہ کیا جائے ۱۲ [3] سپرد کی ۱۲ [4] کئی ۱۲ [5] عہدے ۱۲

حضور پر منکشف ہو جائے پھر جس خدمت کے لئے ارشاد ہوگا بسر و چشم اس کو بجالائے گا۔ اگرچہ خدمت فوجداری ہی کیوں نہ ہو ؎

طالب ہوں علم[1] کا کہ علَم سے ہے ہم رقم
نیزہ سمجھ کے لیتا ہوں میں ہاتھ میں قلم

صدر اعظم فرنگیوں نے جو انتظام کیا ہے وہ ایسی تنگ و رزمی کے ساتھ کیا ہے کہ اس میں بہت تھوڑی گنجائش ہے پس قبل اس کے کہ میں آپ کو اپنے پاس کی کوئی خدمت دوں مجھ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کس کام کی انجام دہی پر قدرت رکھتے ہیں۔ کلیم بقول غالب ؎

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر نغز[2] گو و خوش گفتار

صدر اعظم۔ لیکن انتظام جدید کے مطابق ریاست میں کوئی خدمت شاعری باقی نہیں۔ کلیم ؎

گر سخن گو نہیں تو خاک نہیں
سلطنت[3] ہے عروس لیے زینت

صدر اعظم۔ جو کچھ آپ سمجھیں۔ کلیم ریاست پر کیا منحصر ہے حضور بھی تو وزیر اعظم

---

[1] شاعر کہتا ہے کہ میں سپاہی مزاج آدمی ہوں اور علم کو جو طلب کرتا ہوں تو اسی وجہ سے کہ علَم جس کے معنی جھنڈے کے ہیں اور علم دونوں ایک صورت سے لکھے جاتے ہیں اور قلم کی پور کو بھی نیزہ کہتے ہیں اسی سبب ہاتھ میں لیتا ہوں ۱۲ [2] نادر شعر کہنے والا ۱۲ [3] یعنی شاعر کے بدون سلطنت بے سنگار کی دلہن ہے ۱۲

اور نائب الرئیس ہیں آپ کی سرکار میں کیا کمی ہے ۓ

بعد از خدا[۱] بزرگ توئی قصہ مختصر

صدر اعظم نَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْمَنَّانِ مِنْ آفَاتِ اللِّسَانِ[۲] ہیں بے چارہ نام کا نائب الرئیس اور وزیر ہوں ورنہ فی الحقیقت ایک ذرہ حقیر ہوں۔ کلیم۔ یہ حضور کی کسر نفسی[۳] ہے بقول ظہوری ؎

سر[۴] خدمت بر آستاں دارد

پائے رفعت بر آسماں دارد

میں کبھی اس بلاد دور دست[۵] اور دیار اجنبی میں اتفاق سے آنکلا ہوں اور میں دیکھتا ہوں تو آپ کی سرکار با اقتدار میں ایک شاعر کی ضرورت بھی ہے۔ جو آپ کے محامد[۶] اوصاف کو مشتہر کر کے خیر خواہانِ[۷] دولت کو راسخ العقیدت اور دشمنانِ

---

[۱] الغرض خدا کے بعد سب سے بڑے تم ۱۲ [۲] خدائے کریم زبان کی آفتوں سے بچائے ۱۲ [۳] خاکساری تواضع ۱۲ [۴] رتبے کی بلندی کے اعتبار سے دیکھو تو آسمان پر پاؤں ہیں اور تواضع اس درجے کی ہے کہ چوکھٹ پر سر دھرا ہے ۱۲ [۵] جو شہر فاصلے پر واقع ہیں ۱۲ [۶] عمدہ تعریف کی باتیں ۱۲ [۷] مراد ہے خیر خواہ یعنی جو آپ کے خیر خواہ ہیں ان کی خیر خواہی اور بھی پکی اور مستحکم ہوتی جائے ۱۲۔

رو سیاہ[1] کو مبتلائے ہیبت کرتا رہے۔ صدر اعظم یہ آپ کی کریم النفسی[2] ہے ورنہ من آنم کے من دانم۔ مجھکو ضرورت ہے تو ایسے شخص کی ہے کہ جو مجھ کو میرے عیوب پر مطلع کیا کرے۔ کلیم۔ اگر مدح و ستائش پسند نہیں تو بندہ وصل[3] و ہجر[4] شوق و انتظار و ناز و نیاز و واسوخت و رباعی و تاریخ و سجع و چیستان و معاملہ بندی و تضمین[5] و محاکمہ[6] و رزم[7] و بزم[8] و تشبیہہ[9] استعارات[10] و تجنیس[11] و تمثیلات[12] و سراپا[13] ہر طرح کے مضامین پر قادر ہے جو طرز مرغوب طبع ہو اُس میں طبع آزمائی کرے گا۔

رکھتا اگرچہ عیب تعلی[14] سے عار ہوں

بس مغتنم ہوں منتخب روزگار ہوں

صدر اعظم۔ آپ کے ہنرمند بےنظیر و بے مانند ہونے میں شک نہیں۔ لیکن افسوس

---

[1] یعنی جو آپ کے دشمن ہیں خدا ان کا منہ کالا کرے وہ میرے اشعار سُن کر آپ سے زیادہ ڈرنے لگیں ۱۲ [2] یعنی آپ کی مہربانی ہے چونکہ آپ کی طبیعت میں کرم ہے اس لئے آپ میری نسبت ایسا خیال کرتے ہیں ۱۲ [3] جدائی ۱۲ [4] شعر میں اور مصرعے لگا کر مثلاً مخمس یا مسدس کرنا ۱۲ [5] دو مخالفوں میں فیصلہ ۱۲ [6] لڑائی ۱۲ [7] مجلس ۱۲ [8] ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند ٹھہرانا جیسے کسی بہادر کو کہنا کہ اپنے زمانہ کا رستم ہے ۱۲ [9] ایک چیز کی حاصیتوں کو دوسری چیز میں مان لینا جیسے گوش گل [10] ایک صورت کے الفاظ جیسے علم اور عَلَم ۱۲ [11] سر سے پاؤں تک معشوقوں کے اعضا کی تعریف ۱۲ [12] بڑائی ۱۲

ہے کہ مجھ کو اس فن کی طرف رغبت نہیں۔ کلیم۔ حضور جیسے عالم باکمال کا ایسے فن شریف سے جس کہ ہم حظِ[1] نفس ست و ہم قوّتِ روح۔ رغبت نہ رکھنا میری قسمت کی نارسائی ہے۔ صدر اعظم۔ اگرچہ میں اپنے نفس میں انواع اقسام کی خباثتیں پاتا ہوں لیکن خداوند کریم کا اتنا شکر گزار ہوں کہ اب تو خیر ایسی باتوں سے محترز[2] رہنے کی میری عمر ہے۔ نہیں عنفوان شباب میں بھی خدا کے فضل سے میں ایسی باتوں کو نہایت ناپسند کرتا تھا۔ کلیم

سبب کیا وجہ کیا موجب جہت کیا

صدر اعظم۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایسے مضامین میں اشتغال وانہماک[3] رکھنے سے ذہول[4] وغفلت۔ استخفافِ معصیت[5]۔ استحسانِ[6] لہو ولعب اختیار مالایعنی[7] کے سوائے اور کچھ بھی حاصل ہے۔ کلیم۔ اب اس خصوص میں کچھ عرض کرنا سوءِ ادب[8] ہے۔ وہی خدمتِ فوجداری مجھ کو تفویض فرمائی جائے۔

---

[1] اس میں نفس کو بھی مزہ ملتا ہے اور روح میں توانائی بھی آتی ہے ۱۲ [2] پرہیز کرتے کی ۱۲ [3] رات دن ایک بات کے پیچھے پڑے رہنا ۱۲ [4] بھول اغافل ہو جانا ۱۲ [5] گناہ کا ہلکا خیال کرنا ۱۲ [6] کھیل کود کی باتوں کو اچھا سمجھنا ۱۲ [7] جو چیز درکار نہیں اس کو اختیار کرنا ۱۲ [8] گستاخی بے ادبی ۱۲

صدر اعظم۔ مجھ کو کچھ عذر نہیں۔ مگر آپ مجھ سے استشارہ[۱] کریں۔ تو بحکم المستشار موتمن[۲] میں صلاح نہیں دے سکتا۔ اس واسطے کہ رئیس کے ضعفِ حکومت نے ان ٹھاکروں کو جو مستقر الریاست[۳] سے دور رہتے ہیں ایسا عسیر الانقیاد[۴] کر رکھا ہے کہ کوئی قسط بے جنگ و جدال وصول نہیں ہوتی اور ملازمان فوجداری کو ہمیشہ ان کے ساتھ معرکہ[۵] آرائی کرنی پڑتی ہے۔ آپ کے ذمہ ریاست کے حقوقِ سوابق[۶] نعمت ثابت نہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ ابتداءً ایسی خطرناک خدمت اختیار کی جائے۔ کلیم۔ حالت اضطرار[۷] کو کیا کیا جائے۔ صدر اعظم۔ اگر اضطرار ہے تو بیس روپے ماہانہ کا جمع خرچ نویس مداخل[۸] ایک منصب جدید ہونیوالا ہے چندے آپ اس پر قناعت کریں۔ میرے نزدیک کنج عافیت[۹] کے یہ بیس فوجداری کے پچاس پر ترجیح رکھتے ہیں۔ کلیم۔ یہ حضور کی مسافر نوازی ہے۔ لیکن بندہ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ ع

ہر کسے[۱۰] را بہر کارے ساختند

---

۱ طلب مشورہ ۱۲ ۲ جس سے صلاح پوچھی جائے وہ ایک طرح کا امانت دار ہوتا ہے ۱۲ ۳ دار السلطنت رئیس کے رہنے کی جگہ ۱۲ ۴ حکم مشکل سے مانتے ہیں ۱۲ ۵ لڑائی جھگڑا ۱۲ ۶ پچھلے احسان ۱۲ ۷ سخت درجہ کی حاجت مندی ۱۲ ۸ آمدنی کی رقمیں ۱۲ ۹ کونا جس میں آدمی آرام سے بیٹھا رہے ۱۲ ۱۰ ہر ایک شخص کو ایک خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے ۱۲

یہ کچھ لالہ بھائیوں کو ہی زیبا ہے - صدر اعظم - میں اتماماً للحجۃ[۱] پھر آپ سے کہتا ہوں کہ جس خدمت کے آپ خواستگار ہیں فی نفسہ[۲] خصوصاً اس وقت میں محل خطر ہے[۳]
کلیم ع۔ از خطر نیندیشد ہر کہ ہمتش عالی ست[۴] + صدر اعظم - اچھا تو آپ مآل کار[۵] کی نسبت تامل[۶] صحیح کر لیجئے پھر دیکھا جائے گا - غرض کلیم - صدر اعظم سے رخصت ہو کر اپنی جگہ واپس آیا - مگر حصول مطلب سے مایوس[۷] - صدر اعظم سے بدعقیدت - یہاں سرائے میں بعض لوگوں نے اس سے صدر اعظم کی ملاقات کی کیفیت پوچھی تو اس نے نہایت حقارت سے کہا جی بس شعر فہمی[۸] عالم بالا معلوم شد - آواز دہل[۹] دور چوں[۱۰] دم برداشتم مادہ خر[۱۱] بر آمد - کوڑ مغز[۱۲] جسد بے روح جماد[۱۳] بے حس - افسردہ دل مردہ ع سگ[۱۵] نشیند بجائے گہہاپائی[۱۴] +

۱؎ اپنی طرف سے حجت تمام کرنے کے لئے کہ پھر مجھ پر الزام نہ آئے ۱۲ ۲؎ یعنی تو اپنی ذات سے ۱۲ ۳؎ خوف کی جگہ ۱۲ ۴؎ جن کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں خطرہ سے نہیں ڈرا کرتے ۱۲ ۵؎ انجام کار ۱۲ ۶؎ اچھی طرح سے غور ۱۲ ۷؎ ناامیدی ۱۲ ۸؎ کہتے ہیں کہ یہ مشہور شاعر فیضی صاحب نل دمن کا مقولہ ہے سعدی کا ایک بڑا مقبول شعر ہے - برگ درختان سبز در نظر ہوشیار + ہر ورقے دفتر معرفت کردگار + فیضی کو اس شعر پر رشک تھا اور اس فکر میں تھا کہ اس سے بڑھا چڑھا شعر کہے آخر اس کو یہ سوجھا - بر سر ہر بن موکہ می نہم گوش + فورہ فیض اوست در جوش یہ شعر کہہ کر بہت خوش ہوا صحن میں ٹہل رہا تھا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا اوپر سے گذری ایک چیل اس نے جو بیٹ کی تو فیضی کے منہ پر - اس پر فیضی بولا شعر فہمی عالم بالا معلوم شد ۱۲ ۹؎ دور کے ڈھول سہانے ۱۲ ۱۰؎ دم اٹھا کر دیکھتا ہوں تو گدھی ۱۲ ۱۱؎ احمق ۱۲ ۱۲؎ جسم بےجان ۱۲ ۱۳؎ پتھر جس کو کسی کا احساس نہیں ۱۲ ۱۴؎ ٹھٹھرا ہوا ۱۲ ۱۵؎ جیسے ناتوانی کی جگہ کتا آن بیٹھے ۱۲

زمانہ ناہنجار[1] کے انقلاب[2] دیکھیے ایوان ریاست کیا ہے فتحپوری کی مسجد[3] ہے اگرچہ کلیم کو ایسی دل برداشتگی بہم پہنچی تھی کہ وہ کسی طرح ایسی ریاست کی نوکری پسند نہیں کرتا تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ اس کے پاس اتنا خرچ نہ تھا کہ کسی دوسری جگہ کا قصد کرے حاجت اس کو صدر اعظم کے پاس جانے کو مجبور کرتی تھی۔ مگر مخالفت رائے اس کو مانع ہوتی تھی یہانتک کہ اسی حیص بیص[4] میں پورے دس دن گذر گئے اور کمیٹی منتظم ریاست کے انعقاد[5] کا وقت آپہنچا لیکن اسی بندۂ خدا نے صدر اعظم کی طرف رُخ نہ کیا بارے یکایک نہیں معلوم کیا خیال اس کے دل میں آیا کہ سپاہیانہ لباس پہن ہتھیار لگا مونچھوں پر تاؤ دے خدمت فوجداری کا امیدوار بن کر کمیٹی کے روبرو جا کھڑا ہوا آدمی تھا ماشاء اللہ وجیہ[6] اور اس پر لسّان[7] ایک دم فوج کا کپتان مقرر ہو گیا شاعروں کو ایک پھٹکار یہ ہوتی ہے کہ اکثر خود پسند ہوتے ہیں کیوں کہ ہمیشہ تعریف و آفریں اور داد و تحسین کے امیدوار رہتے ہیں کلیم بھی اس مرض میں مبتلا تھا اب جو اس کو دفعتہً منصب کپتانی مل گیا تو اس کی نخوت[8] کو تائید مزید[9] پہنچی بقول مصرع

سمندِ ناز[10] پہ ایک اور تازیانہ ہوا

---

[1] ناہکار ۱۲ [2] ردوبدل ۱۲ [3] گویا ملّا نے جمع ہیں ۱۲ [4] تردد و تفکر ۱۲ [5] جمع ہونے ۱۲ [6] شاندار ۱۲ [7] گویا ۱۲ [8] تکبر و غرور ۱۲ [9] زیادہ مدد ۱۲ [10] جلیسے ناز کے گھوڑے کو کوڑا مار دیا کہ وہ لگا اور تیزی کرنی ۱۲

جب دیکھو ادلی میں دس پندرہ سوار شہر میں گھوڑے کداتے پھر رہے ہیں۔ چار پانچ مہینے کلیم نے بڑے چین سے گزارے اور چونکہ باپ کو چھیڑ نامنظور تھا دہلی میں دوست آشناؤں کے پاس کپتان صاحب کے خط پر خط چلے آتے تھے یہاں تک کہ زور آور سنگھ ایک ٹھاکر نے اپنے علاقہ کی قسط وقت پر ادا نہ کی تنگ طلبی ہوئی تو وہ پھر بیٹھا[1] اس کی سرکوبی[2] کے واسطے دولت آباد سے فوج روانہ ہوئی۔ اس میں کلیم بھی تھا۔ جوانی کی عمر نئی نئی نوکری مزاج میں بیبا کی دھونر[3] پہلے ہی حملہ میں میاں زخمی ہوئے تو کیسے سخت کر دستم تجر[4] گھٹنے کی چپنی پر گولی بیٹھی تو اندر رہی اندر بن ران[5] تک تیر گئی۔ نہیں معلوم نسوں[6] میں کس طرح کا تعلق خدائے تعالیٰ نے رکھا ہے کہ ایک پاؤں کے مجروح ہونے سے سارے کا سارا دھڑ بیکار ہو گیا قاعدۂ فوج کے مطابق میدانِ جنگ سے لوتھ کو اٹھا کر دار الشفا میں پہنچایا جراحوں نے زخم کو دیکھا تو ایسا کاری[7] پایا کہ فوراً پاؤں کا کاٹنا لازم آیا اگرچہ اس وقت جراحوں نے جان کا فدیہ[8] تجویز کیا۔ لیکن کلیم بیچارہ ناز و نعمت کا پلا ہوا تھا اس صدمے کا متحمل نہ ہو سکا اور روز بروز اس کی

---

[1] باغی ہو گیا ۱۲ [2] سر کچلنے ۱۲ [3] حد سے زیادہ جرأت ۱۲ [4] ہاتھ سے گولی لگنے کی جگہ کو بتایا تو کہا کہ میرا ہاتھ خیریت کیگیہ پڑے یعنی ایسا نہ ہو کہیں میرے اس جگہ گولی آ لگے ۱۲ [5] ران کی جڑ ۱۲ [6] رگوں ۱۲ [7] شدید ۱۲ [8] صدقہ ۱۲

حالت ردی ہوتی گئی تپ آنے لگی زخم بگڑا۔ ناسور پڑے اتنا بڑا ڈھو[۱] جوان ایک ہی مہینے میں گھُل گھُل کر پلنگ سے لگ گیا۔ جب پاؤں کی طرح اس کی زیست کی امید منقطع ہوگئی تو ناچار لوگوں نے اس کو دہلی میں پہنچانے کی صلاح کی اور یہ بھی خیال ہوا کہ گھر کے جانے کی مسرت اور تبدیل آب وہوا کی فرحت سے عجب نہیں کہ اس کے دل کو تقویت پہنچے صدر اعظم حسبتہً للّٰہ متکفل[۲] مصارف ہوئے اور دولت آباد سے دہلی تک برابر کہاروں کی ڈاک بیٹھ گئی۔ کلیم دہلی میں پہنچا تو گو راہ میں انیس بیس کا فرق اس کی حالت میں ہوگیا مگر ناتوانی اس درجے کی تھی کہ دن رات میں سات پہر بے ہوشی میں گزرتے تھے جب کہاروں نے اس کی ڈولی نصوح کے دروازے پر جا اتاری تو اُس پر غشی طاری تھی نصوح بالاخانہ پر مصروف عبادت تھا۔ پہلے زنان خانہ میں خبر ہوئی فہمیدہ بیتاب ہوکر بے حجاب[۳] باہر نکل آئی جوں پالکی کے پٹ کھول کر دیکھا تو بیٹے پر مردنی چھائی ہوئی تھی اس طرح بلک کر روئی کہ سننے والوں کے کلیجے ہل گئے۔ فہمیدہ نے اس بیقراری میں جو بیان کیے اُن کے لکھنے سے پہلے قلم کا سینہ شق[۴] ہے اور چشم دوات سے اشک[۵] جاری ہیں خلاصہ یہ کہ فہمیدہ کے قلق و اضطراب

---

[۱] بڑا بھاری ۱۲ [۲] یعنی انھوں نے رستے کا خرچ اپنے ذمے لیا ۱۲ [۳] بے پردہ ۱۲ [۴] چرا ہوا ہے۔ قلم کے شگاف کی طرف اشارہ ہے اور غم میں لوگ کپڑے پھاڑ لیا کرتے ہیں غرض یہ ہے کہ قلم کو بھی رنج ہے ۱۲ [۵] اشک آنسو یہاں مراد دوات کی سیاہی ہے ۱۲

نے محلے میں حشر برپا کر دیا اگرچہ نصوح گریہ و بکا کی آواز سن کر کھٹکا تھا
مگر وہ اس طرح کا مستقل مزاج اور ضابطہ آدمی تھا کہ اسی ترتیل[۱] کے ساتھ
معمولی تلاوت کو پورا کیا اس کے بعد نیچے اتر کر پالکی کے پاس آیا فہمیدہ کا
رونا سُن کر اور بیٹے کی ردی حالت دیکھ کر بے اختیار اُس کی آنکھوں سے ٹپ
ٹپ آنسو چلے جاتے تھے اور بار بار ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھرتا تھا مگر
نہ کچھ بولتا تھا نہ چالتا تھا آدھ گھنٹے کامل اُس کی یہی کیفیت رہی۔ اس کے بعد
اُس نے اپنے آنسو پونچھے اور کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[۲] لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا
بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ[۳] اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اَفْرِغْ عَلَیْنَا
صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْہِ سَکَرَاتِہٖ وَکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ
اس کے بعد بی بی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم کو رنج کرنے سے منع نہیں کرتا
تمہارا رنج اقتضائے طبیعت ہے کہ انسان اُس میں مجبور ہے لیکن مجھ کو تمہارا اضطرا

---

۱ ٹھیرا ٹھیرا کر ۱۲ ۲ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۱۲ ۳ گناہ سے
بچنا اور نیکی پر قدرت پانا خدائے بزرگ و برتر کی مدد کے بدوں نہیں ہو سکتا میں تو اپنے
رنج و غم کی فریاد خدا ہی سے کرتا ہوں۔ اے خدا ہم پر صبر کا مینھ برسا اور ہم کو
ثابت قدم رکھ۔ اے خدا اس پر جان کنی کو آسان کر اور اس کے گناہوں کو اس سے
جھاڑ ڈال ۱۲

دیکھ کر اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مبادا تمھارے خیالات منجر بہ[1] کفران ہو جائیں۔ اگر مصیبت کے وقت انسان کے دل میں نعوذ باللہ[2] ہوئے نارضامندی بھی خداوند بے نیاز کیطرف سے پیدا ہو تو پھر کہیں اس کا ٹھکانہ نہیں خسر[3] الدنیا و الاخرۃ ذالک ھو الخسران المبین کیا ہم نئے آدمی اور یہ انوکھی مصیبت ہے۔ بزرگانِ دین پر اس سے کہیں زیادہ مصیبتیں نازل ہوئیں زندہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے گئے۔ سر پر آرے چلے سولی چڑھے قتل ہوئے۔ قید رہے۔ ماریں پڑیں۔ کوڑے سہے۔ گالیاں کھائیں بیگاریں بھگتیں۔ ذلتیں اٹھائیں۔ رسوائیاں جھیلیں۔ مگر خدا اُن کو جزائے خیر دے کیسے سچے بندے تھے کہ رضا و تسلیم[4] کے حبل متین[5] کو ہاتھ سے نہ دیا۔ یہ کچھ مصیبت اور دل رضا جوئے حضرتِ ربوبیۃ[6]۔ یہ کچھ ایذا اور زبان سپاس گزار منت[7] شکر کا مقام ہے کہ خداوند کریم نے ہمارے ضعف پر رحم فرما کر ہم کو امتحانِ سخت

---

[1] کھینچنے والے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تمہارے خیالات تم کو کفران یعنی ناشکری کی طرف لیجائیں ۱۲

[2] خدا کی پناہ ۱۲ [3] دنیا اور آخرت دونوں کا زیان اور یہ ہی کھلا ہوا زیان ہے ۱۲

[4] رضا و تسلیم کے معنی یہ کہ جو کچھ ہوا انسان اس سے رضامند ہوا اور خوشی سے اس کو تسلیم کرے ۱۲ [5] مضبوط رسی ۱۲ [6] حضرت ربوبیت سے مراد ہے خدا تعالیٰ ۱۲

[7] یعنی زبان احسان کی شکر گذار ۱۲۔

میں مبتلا نہیں کیا۔ اگر بندہ صرف یسر[1] و رفاہ[2] کی حالت میں خدا سے راضی ہے اور
اور تکلف و اذیت میں شاکی تو وہ بندہ بندۂ خدا نہیں بلکہ بندۂ غرض اور مطلب
پرست ہے۔ اے بی بی رنج کرو لیکن صبر کے ساتھ اور مصیبت پر رو و مگر شانِ
عبودیت[3] لئے ہوئے۔ دنیا میں جتنی ایذا اور جتنی مصیبت ہے پاداشِ گناہ و وبالِ
معصیت ہے۔ اسی واسطے توبہ و استغفار کو لکھا ہے کہ اسی سے مشکلیں آسان
ہوتی ہیں۔ سب سے بہتر ہمدردی جو اس شخص کی تباہ حالت میں کر سکتے ہیں
یہ ہے کہ اُس

کے گناہوں کی معافی کے لئے خداوند کریم کے حضور میں بہ منت سماجت دعا کریں
یہ شخص تم بھی اس کو تسلیم کرو گی اپنے ہاتھوں اس نوبت کو پہنچا کہ جو اس کو دیکھے
گا با قتضائے انسانیت تاسف کرے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں تمام دنیا کا رحم
خدا کی رحمتِ کاملہ کے آگے ہزارواں لاکھواں حصہ بھی نہیں ہے اگرچہ ہم
لوگوں کے دیکھنے میں اس کی حالت بہت ہی زبوں ہے لیکن کوئی شخص
اس سے بڑھ کر خوش قسمت نہیں اگر اس کی یہ تکلیفیں عند اللہ اس کے گناہ
ہوں کا کفارہ[4] سمجھی جائیں۔ نصوح کے وعظ کا سحرِ حلال ایسا نہ تھا کہ کوئی اُسکو

---

[1] فارغ البالی ۱۲ [2] خوش حالی ۱۲ [3] یعنی بندگی کی شان لئے ہوئے اور بندگی کی
شان کیلئے ہے کہ جو مالک نے چاہا کیا اس پر اعتراض نہیں اس سے ناراضامندی نہیں ۱۲
[4] گناہ کا بدل یعنی یہی تکلیفات اس کے گناہوں کی سزا ہوں اور عاقبت میں ان پر مواخذہ نہ ہو ۱۲

سُنے اور متاثر نہ ہو۔ فہمیدہ فوراً مُنہ پونچھ سیدھی ہو بیٹھی۔ اور اب میاں بی بی لگے آپس میں صلاح کرنے کہ کیا کیا جائے۔ نصوح۔ اس کو محلے کے شفا خانے میں پہنچا دینا چاہیئے۔ ہر وقت ڈاکٹر کے پیشِ نظر رہے گا۔ مکان پُر فضا[1]۔ اس کی طبیعت کو بھی تفریح[2] ہو گی۔ فہمیدہ ہے ہے اور میرا دل کیوں کر صبر کرے گا۔ نصوح۔ یہ تمہارا کہنا بھی واجب۔ مگر بیمار کی حالت ایسی ردّی ہے کہ کسی وقت اس سے طبیب[3] کا مفارقت کرنا مناسب نہیں فہمیدہ۔ حکیم جی شوق سے آئیں جائیں میں سہ دری میں پردہ کئے بیٹھی رہوں گی۔ نصوح۔ زخموں کا علاج کچھ ڈاکٹروں سے ہی خوب بن پڑتا ہے۔ یونانی طبیب تو اس کوچے سے محض نابلد[4] ہیں۔ رہے جرّاح ان کو دو چار مرہم ضرور معلوم ہیں مگر تشریح[5] سے جیسے یونانی طبیب بے خبر ویسے ہی جرّاح ناواقف بہتر ہو گا کہ اس کو نعیمہ کے گھر لے چلیں سرکاری شفا خانہ بھی قریب ہے اور میاں عیسٰے کہ اس وقت ہندوستانی جرّاحوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے زیوار بیچ ان کا گھر ہے فہمیدہ نے بھی اس صلاح کو پسند کیا اور کیا سامان اور کس کی تیاری گھر کا گھر پالکی کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں سے کوئی چھ سات پیسے ڈولی نعیمہ کی سسرال تھی کہاروں نے پالکی

---

[1] وسیع کشادہ ۱۲ [2] خوشی۔ بحال ۱۲ [3] یعنی طبیب سے جدا رہنا ۱۲ [4] ناواقف ۱۲ [5] انسان کے بدن کی بناوٹ ۱۲

اٹھائی تو کہیں کندھا تک نہیں بدلا۔ دھر نعیمہ کے گھر جا اُتاری۔ یاد ہوگا کہ نعیمہ ماں سے لڑکر بے ملے صالحہ کے ساتھ خالہ کے یہاں چلی گئی تھی پھر چار مہینے وہاں رہی نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی برکت سے خدا نے اس کو ہدایت دی اور وہ بھی نیک بن گئی ؎

سگِ[1] اصحابِ کہف روزے چند

پئے نیکاں گرفت و مردم شد

نیک بنے پیچھے ممکن نہ تھا کہ وہ ماں باپ کی ناراضمندی گوارا کرتی۔ اس نے ماں باپ کو شاد اور خدا نے اس کو اپنے گھر میں آباد کیا۔ اس کو سسرال گئے دوسرا مہینہ تھا کہ کلیم کو چار کہاروں کے کندھوں پر لاد کر اس کے گھر لے گئے چونکہ نعیمہ کا گھر آباد ہونے کا تذکرہ آگیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نعیمہ کا حال لکھا جائے اور کلیم کو جو دنیا میں اب مہمان چند روز ہے پیچھے دیکھ لیا جائے گا۔

---

[1] کہف کے معنی غار چند با خدا لوگ ایک ظالم بے دین بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ رہے ایک کتا بھی اُنکے ساتھ لگ لیا کہتے ہیں ان سب کو خدا نے ایسا سلایا کہ کئی سو برس بعد جاگے۔ شعر میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے کہ اصحابِ کہف کا کتا چند روز کیلئے نیک لوگوں کے پیچھے لگ لیا اور ان کی برکت سے آدمی بن گیا ۱۲

نعیمہ خالہ کے یہاں رہکر خود بخود درست ہو گئی اُس نے ماں باپ سے اپنی خطا معاف کرائی اور خدا نے اُس کا مدتوں کا اجڑا ہوا گھر پھر آباد کیا۔ کلیم نے بہن کے گھر وفات پائی۔

قصّے کا خاتمہ

نعیمہ اور کلیم اس اعتبار سے دونوں کی ایک ہی سی کیفیت تھی کہ زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے عادتیں دونوں کی راسخ[۱] ہو چکی تھیں۔ بیاہے ہوئے اور صاحب اولاد دونوں تھے۔ کلیم کو بی بی سے کچھ اُنس نہ تھا تو نعیمہ کو شوہر سے بگاڑ تھا۔ نعیمہ اگرچہ کلیم کی طرح سب میں بڑی نہ تھی۔ مگر بڑی بیٹی تھی۔ لیکن پھر بھی کلیم فولاد تھا تو نعیمہ کو اس کے مقابلہ میں سیسہ بلکہ رانگا سمجھنا چاہیئے۔ کلیم مرد تھا قسیّ القلب[۲]۔ نعیمہ عورت نرم دل۔ کلیم باہر کا چلنے پھرنے والا سیکڑوں آدمیوں سے تعارف[۳] ہزاروں سے جان پہچان۔ نعیمہ بے چاری پردے کی رہنے والی میل ملاپ سمجھو

---

[۱] پکّی۔ جمی ہوئی ۱۲ [۲] سخت دل ۱۲ [۳] جان پہچان ۱۲

تو اور پیار اخلاص سمجھو تو ماں بہن۔ خالہ۔ نانی۔ کنبے کی عورتوں سے وہ بھی گنتی کی
کلیم اور نعیمہ دونوں کے دل بیمار تھے لیکن کلیم کے دل کو ذاتی روگ کے علاوہ
دہ ہا بیماریاں اس قسم کی تھیں جو متعدی کہلاتی ہیں یعنی ایک سے اڑ کر دوسرے
کو لگ جاتی ہیں۔ پس کلیم کے مزاج میں چند در چند خرابیاں تھیں جو اس نے بُری
صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے پیچھے لگا لی تھیں۔ نعیمہ میں جو کچھ برائی تھی وہ ماں باپ کے لاڈ
پیار علم کی ناداری اور عقل کی کوتاہی کی وجہ سے تھی۔ کلیم۔ دلیر و بے باک اور عیّار و[51]
چالاک تھا۔ نعیمہ بیوقوف بھولی اور ڈرپوک دل کی بودی۔ کلیم کے سر پر ایک سخت
بلا[52] مسلّط تھی یعنی اس کے جلیس[53] و ہم نشین اور نعیمہ اس سے بالکل محفوظ تھی۔ کلیم میں
اس قسم کے بیہودہ عیوب تھے۔ جن میں آجکل کے کمبخت نوجوان شریف زادے
کثرت سے مبتلا پائے جاتے ہیں یعنی عورتوں کی در پے تحسین[54] رہنا اور بناؤ سنگھار
رکھنا۔ پہر دن چڑھے سو کر اُٹھے ضرورتوں سے فارغ ہو کر آئینے کی تلاوت شروع
ہوئی تو دور کر دیا اگرچہ رات کو مانگ اور پٹیوں کے لحاظ سے رومال باندھ کر اور
سر کو الگ تھلگ رکھ کر سوئے تھے مگر آئینہ میں منہ دیکھا تو زلف کی پریشانی پر اسقدر
تاسف کیا کہ سر اسحاق[55] نیوٹن صاحب نے بھی اپنے اوراق کی ابتری پر اتنا افسوس

---

[51] ہوشیار۔ سیانا ۱۲ [52] سر پر سوار ۱۲ [53] پاس کے بیٹھنے والے ۱۲ [54] بناؤ سنگھار ۱۲
[55] انگلستان کا بڑا مشہور حکیم۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک کتے کو بہت عزیز رکھتا تھا کتے نے کاغذوں
پر جلتی ہوئی بتی گرا دی اور نیوٹن کی برسوں کی محنت جل کر راکھ ہو گئی ۱۲

نہ کیا ہوگا بارے اگر اصلاح کا دن نہ ہوا تو گھنٹوں کی محنت میں وہ بھی اپنے اکیلے کی نہیں بال ٹھکلنے لگے اور مانگ درست ہوئی۔ اور اگر کہیں اصلاح کا روز منحوس ہوا تو سارا دن گذر گیا ایک وضع خاص پر سر جھکائے جھکائے گردن شل[1] ہو گئی۔ ڈاڑھی اور مونچھوں کے ترشوانے میں منہ کو لقوہ[2] مار گیا۔ حجام کی آنکھوں تلے اندھیرا آنے لگا مگر پھر بھی ان کا خط خاطر خواہ نہ بنا۔ کپڑے بدلنے کی نوبت پہنچی ٹوپی قالب[3] سے اتر کرائی تو سر پیٹ لیا مگر ایسی احتیاط سے کہ بال نہ بگڑیں اس کے بعد انگرکھے کی چنٹ پر چین بجبین ہوئے پھر تو ادھر انگرکھے کی آستینوں اور ادھر پلئے جامے کی تنگ موہریوں کے ساتھ ہاتھا پائی ہونی شروع ہوئی۔ مشکل یہ آکر پڑی کہ کپڑا ہین کشاکش[4] کا متحمل نہیں ذرا زور پڑا اور مسکا اور ہاتھ پاؤں کہتے ہیں کہ ہم ان چیونٹی کے بلوں میں گھسنے کے نہیں حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِی سَمِّ الْخِیَاطِ بارے کا غذ کے سہارے سے ہوتے ہوتے پھسلاتے پھسلاتے کہیں بھروں میں جا کر مشکل آسان ہوئی اب ملبوس خاص زیب تن تو ہوا مگر کس کیفیت سے کہ تنگی اور چستی کے مارے مسکیں الگ کسی ہوئی ہیں پاؤں علیحدہ جکڑے ہوئے ہیں اور سارا بدن گویا شکنجے میں

---

[1] اکڑ گئی ۱۲ [2] ہلکی قسم کا فالج ۱۲ [3] سانچا۔ جن لوگوں کو گول ٹوپی کی عادت ہوتی ہے شکن نکالنے کے لئے ٹوپی کو سانچے پر تان دیا کرتے ہیں ۱۲ [4] کھینچ تان ۱۲ [5] تا وقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے ہو کر نہ گزر جائے ۱۲

ہے۔ کھانسنا، چھینکنا، جمائی۔ انگڑائی تو درکنار گھنڈی تکمے کے لحاظ بندوں کے پاسِ خاطر سے اچھی طرح سانس بھی نہیں لے سکتے غور کرنے کی بات ہے کہ لباس سے غرضِ اصلی بدن کا ڈھانکنا اور آسائش پہنچانا ہے اس میں کبر و نخوت کو دخل دے کر کیا ناس مارا ہے کہ غرض اصلی گئی گذری ہوئی اور تکلیف و ایذا الٹی گلے منڈھی گئی یہ مقصود تھی۔[1] پردہ پوشی ان بزرگ ذات نے اس میں خراش تراش اور وضع داری کو ایسا شامل کیا کہ کپڑوں نے اندرونِ دل تک کا الفانہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اب ان کی حالت لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صورت یہ ہیں حالش میرس۔ کلیم بھی ایک اسی طرح کا چھیلا تھا بد وضع آوارہ جس کے اطوار و عادات جا بجا لکھے جا چکے ہیں اس خصوص میں نعیمہ شرفا کی بہو بیٹیوں کی طرح کالدُّرِّ المکنونِ[2] محفوظ و مصئون[3] تھی اس میں اور کلیم میں بے مبالغہ فرشتے اور شیطان کی نسبت سمجھنی چاہیے۔ غرض نعیمہ کا روبراہ ہونا دشوار ضرور تھا۔ مگر نہ کلیم کی طرح محال مشکل البتہ تھا لیکن نہ کلیم کے مانند متعذر۔ خالہ کے یہاں ڈولی سے اتری تو جوں خالہ کی شکل دور سے نظر پڑی کہ بھوں بھوں[4] رونا شروع کیا۔ دیہات کی مستورات کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی مہمان یا مسافر

---

[1] یعنی دلی خیالات ظاہر کر دیئے ۱۲ [2] احتیاط سے رکھا ہوا موتی ۱۲ [3] محفوظ اور مصئون ہم معنے ہیں ۱۲ [4] رونے کی آواز کی نقل ۱۲ [5] رونے کی نقل ہے ۱۲

بہت دنوں کے بعد آتا ہے تو اس سے مل کر رونے لگتے ہیں۔ اس واسطے کہ اس وقت اس کی مفارقت کی سختیاں اور تکلیفیں اور یادگاری و انتظار کی زحمتیں یاد آتی ہیں۔ مگر دہلی کا یہ دستور نہیں ہے۔ یہاں کی عورتیں اسی حالت میں روتی ہیں جب کہ طرفین میں سے کسی کا عزیز و قریب زمانِ جدائی میں مر گیا ہو۔ ورنہ یوں مہمان و مسافر کے آنے پر رونا دتی والیاں منحوس سمجھتی ہیں گو خالہ کو دیکھ کر نعیمہ کے دل میں جوش پیدا ہوا تھا مگر اس کو ضبط کرنا چاہیے تھا۔ لیکن نہ تو نعیمہ کو اتنی عقل تھی کہ اتنی بات سمجھتی اور شاید سمجھی بھی ہو تاہم وہ دل پر اسقدر ضابطہ نہ تھی خالہ نے جو اس کو روتے دیکھا سخت تعجب کیا۔ بھانجی کی عادت سے واقف تھیں سمجھ تو گئیں کہ ماں سے روٹھ کر آئی ہے اُسی کا یہ رونا ہے۔ لیکن جلدی سے دوڑ بھانجی کو گلے لگا لیا اور پیار پچکار کر بہت کچھ تسلی دی اور سمجھایا کہ اللہ رکھے بیٹے کی ماں ہوئیں اب تمھاری عمر بچوں کی طرح رونے کی نہیں ہے ہمسایہ کی عورتیں سنیں گی تو کیا کہیں گی۔ جانے دو۔ بس کرو۔ طبیعت کو سنبھالو جی کو مضبوط رکھو۔ نعیمہ۔ اماں نے مجھے مارا۔ اُوں[1] اُوں۔ خالہ۔ مارا تو کیا ہوا ماں باپ ہزار بار دُلار[2] کرتے ہیں تو نصیحت کے واسطے مار بھی بیٹھتے ہیں۔ ماں باپ کی مار مار نہیں سنوار ہے۔ تمہاری نانی خدا جنت نصیب کرے

لہ رونے کی نقل ہے ۱۲ ؂ لاڈ۔ پیار ۱۲

بڑی ہتھ چھٹ[۱] تھیں یتم اس بات کو سچ ماننا کہ اب ہم ان کی مار کو ترستے ہیں۔ ماں باپ کی مار کیا ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ جنھیں خدا کو بہتر کرنا منظور ہوتا ہے وہ ماں باپ کی مار کھاتے ہیں۔ بھلا تم نے اس بات کا خیال کیا ہوش میں آؤ۔ لو دیکھو تمھارا بیٹا بھی تمھارے رونے پر ہنستا ہے (ننھے بچے کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں جی بڑے میاں تم کچھ اپنی اماں جان کو نہیں سمجھاتے۔ بچہ[۲] آغوں۔ خالہ۔ آغوں غوٹے[۳] دودھ پی کر میاں ہوئے موٹے۔ غرض خالہ نے نعیمہ کے رونے کو باتوں میں ٹال دیا۔ چندے نعیمہ جھینپی سی رہی مگر پھر تو ہنسی خوشی رہنے لگی۔ اگرچہ خالہ نے بھانجی سے رونے کا سبب مصلحةً نہیں دریافت کیا مگر موقع سے صالحہ کو الگ لیجا کر ساری حقیقت پوچھی اور جب اس کو بہن کے گھر دینداری کی چھیڑ چھاڑ[۴] کا ہونا معلوم ہوا تو اس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جب تک نعیمہ کو پکی دیندار نہ بنا دے گھر سے رخصت نہ کرے۔ خالہ کے گھر رہ کر نعیمہ کی عادتوں کا خود بخود درست ہو جانا عمدہ مثال ہے اس کی کہ صحبت سے بڑھ کر تعلیم کا کوئی اچھا طریقہ نہیں۔ ماں کے گھر چند خاص باتیں نعیمہ کی اصلاح

---

[۱] یعنی ان کا ہاتھ مارنے پر خوب چھٹا ہوا تھا ۱۲ [۲] چھوٹے بچے کی بولنے کی نقل اور غوٹے ایک مہمل لفظ موٹے کا وزن ملانے کو لگا دیا ہے ۱۲ [۳] چرچا ۱۲

میں خلل انداز تھیں۔ اوّل تو اس نے ماں اور تمام خاندان کو بے دینی کی حالت میں مدتوں زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پس بالضرور ان کی نصیحت کو وہ وقعت نہیں ہو سکتی تھی جو یہاں خالہ کی باتوں کو تھی۔ دوسرے ماں کے گھر بھائی بہن نوکر چاکر پاس پڑوس والے کتنے لوگ تھے جو نعیمہ کو ابتدائے عمر سے ایک طرز خاص پر دیکھ چکے تھے۔ نعیمہ کو اُن کے روبرو طرز جدید بھی کیسا طرز سابق سے مخالف اختیار کرتے ہوئے عار آتی تھی تیسرے ماں کے یہاں اتفاق سے اس کو ایک سختی بھی پیش آگئی تھی اور وہ سختی اس کی حالت کے کسی طرح مناسب نہ تھی۔ چڑ تھے اس کو ماں پر بڑا ناز تھا۔ یعنی ان کی خدمت میں شدت سے گستاخ تھی اور ان کے کہنے کی مطلق پروا نہیں کرتی تھی۔ خالہ کے یہاں آکر رہی تو کسی نے بھول کر بھی اس سے تذکرہ نہ کیا کہ دینداری بھی کوئی چیز ہے یا خدا کی پرستش بھی انسان کا ایک فرض ہے۔ مگر تھا کیا کہ چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں تھے صِبْغَةَ اللّٰهِ[۱] وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور ان کے تمام حرکات و سکنات شانِ دینداری لئے ہوئے تھے۔ اُن کی نشست و برخاست۔ ان کی رفتار و گفتار ان کا قول و فعل ان کی بات چیت۔ ان کا میل جول۔ اُن کا لڑائی جھگڑا ان کا کھانا پینا۔ اُن کی خوشی

---

[۱] خدا کا رنگ اور اس کے رنگ سے کس کا بہتر ہو گا ۱۲

ان کا رنج کوئی ادا ہو وہ ایک نرالی دیندارانہ ادا تھی۔ نعیمہ کو خالہ کا گھر ایک نئی دنیا معلوم ہوتا تھا اگرچہ ابتداً وہ یہاں کے اوضاع کو حقارت سے دیکھتی تھی۔ لیکن جوں جوں وہ ان دستورات سے واقف ہوتی گئی اُن کی عمدگی اور بہتری اس کے ذہن میں بیٹھتی گئی۔ آخر اُس کو ثابت ہوا کہ بے دین زندگی محض ایک بے اطمینان بے سہارے زندگی ہے اگر رنج و ایذا ہے تو کوئی وجہ تسلّی کوئی ذریعہ تشفی نہیں اور اگر آرام و خوشی ہے تو اس کو ثبات[1] و قرار نہیں۔ فاقہ ہے تو صبر نہیں۔ کھانا ہے تو سیری[2] نہیں۔ بدی کی سزا نہیں۔ نیکی کی جزا نہیں بے دین آدمی ایسا ہے جیسے بے نکیل کا اونٹ۔ بے ناتھ کا بیل۔ بے لگام کا گھوڑا۔ بے ملّاح کی ناؤ۔ بے ریگولیٹر کی گھڑی۔ بے شوہر کی عورت۔ بے باپ کا بچّہ، بے نگینے[2] کی انگوٹھی۔ بے لالی کی مہندی، بے خوشبو کا عطر، بے باس کا پھول۔ بے طبیب کا بیمار، بے آئینے کا سنگھار، یعنی دین نہیں تو دنیا و مافیہا سب ہیچ اور عبث اور فضول اور پوچ اور لچر ہے۔ نعیمہ نے رفتہ رفتہ خود بخود خالہ کی تقلید[3] شروع کی وہ ہمیشہ پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اٹھتی تھی اور یہاں گھر بھر چھوٹے بڑے مُنہ اندھیرے ضرورتوں سے فارغ ہو عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے

---

[1] پیٹ نہیں بھرتا ہو ۱۲ [2] نگین ۱۲ [3] بے روی ۱۲

تھے۔ گھر بھر کا اٹھنا اور وہ بھی نرا اٹھنا اور چارپائیوں پر لدے بیٹھے رہنا نہیں بلکہ چلنا پھرنا کام کاج کرنا۔ ہرچند نعیمہ کی وجہ سے احتیاط کی جاتی تھی مگر کہاں تک کچھ نہ کچھ آہٹ آواز ہوتی ہی تھی۔ بعد چندے نعیمہ کی آنکھ بھی سب کے ساتھ کھلنے لگی اور جاگی تو ممکن نہ تھا کہ اس کو اپنی حالت پر متنبہ[1] نہ ہو۔ اس واسطے کہ وہ اپنے تئیں دیکھتی تھی کہ بچے کی نجاست میں لتھڑی ہوئی پڑی انگڑائیاں لے رہی ہے سست اداس مضمحل نیند کے خمار[2] سے کسل مند۔ اور دوسرے ہیں کہ چاق چوبند چست و چالاک تازہ دم پاک صاف خدا کی درگاہ میں شکر کے سجدے کر رہے ہیں کہ رات امن چین سے کٹی اور دعائیں مانگ رہے ہیں کہ یا الٰہا ہم کو روزی دے اتنی فراغت سے کھائیں۔ رزق دے ایسا کہ دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلائیں حاجت نہ لے جائیں۔ بار خدایا بیماروں کو شفا گمراہوں کو ہدایت۔ قیدیوں کو رہائی[3]۔ مسافروں کو امن۔ بھوکوں کو روزی۔ قحط زدوں کی ارزانی[4]۔ تشنہ کاموں[5] کو پانی مایوسوں[6] امید۔ ناکاموں کو کامیابی کی نوید۔ مفلسوں کو قناعت۔ تونگروں کو سخاوت۔ بے اولادوں کو اولاد۔ نامرادوں کو مراد۔ جاہلوں کو علم۔ عالموں کو عمل۔ زاہدوں کو اخلاص۔ حاکم وقت کو توفیق

---

[1] آگہی ۱۲ [2] نیند کے اثر کا بقیہ ۱۲ [3] خلاصی ۱۲ [4] سستا سما ۱۲ [5] کام کے معنی تالو یعنی پیاسوں کو ۱۲ [6] نا امیدوں ۱۲

عدل[۱] و داد۔ رعیت شاد۔ ملک آباد۔ کیا اپنے کیا غیر کل جہاں کی خیر۔ تنبیہ ہوئے پیچھے نعیمہ کی اصلاح ہوئی ہوائی تھی۔ تھوڑے دنوں میں وہ دیندار۔ خدا پرست بن گئی نماز روزے کی پابند وعظ و نصیحت کی دل[۲] دادہ۔ منکسر[۳]۔ متواضع ملنسار۔ صلح جو۔ نیک خو۔ شائستہ[۴] باوجودے کہ نعیمہ ایک آسودہ حال گھر کی بیٹی تھی اور اس نے ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی اور ماں باپ کو اُس دل جوئی اور خاطر داری ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی باایں ہمہ وہ اپنے مزاج اپنے عادات اپنے خیالات کے پیچھے سدا ناخوش رہا کرتی تھی۔ اور چونکہ طبیعت میں برداشت مطلق نہ تھی ذرا سی تکلیف کو وہ مصیبت کا پہاڑ بنا لیتی۔ اگر کسی نوکر نے مرضی کے مطابق کوئی چھوٹا سا کام نہ کیا۔ مثلاً کھانے میں نمک پھیکا یا تیز ہو گیا یا روٹی کو چتّی لگ گئی یا کپڑے کی سلائی اس کی خاطر خواہ نہ ہوئی یا بچہ کسی وقت رونے لگا ان میں سے ایک ایک بات کا سارے سارے دن اس کو جھگڑا لگ جاتا تھا اور جو کہیں خدانخواستہ خود اس کی طبیعت یوں ہی سی علیل ہو گئی یا اس کو اپنی خانہ ویرانی کا کبھی خیال آ گیا تو ہفتوں گھر بھر کا عیش منغض[۵] ہوا اب خیالات دینداری کے ساتھ اس کو عافیت اور اطمینان کا مزا ملا۔ دنیوی کوئی تکلیف نہ تھی جو اُس کو ایذا دیتی ہو۔ مگر ہاں ماں باپ کی نارضامندی اس کے دل میں

---

۱ انصاف ۱۲ ۲ بجھی ہوئی ۱۲ ۳ غریب۔ مسکین ۱۲ ۴ مہذب بھلی مانس ۱۲ ۵ گدلا ۱۲

کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور ایک ایک لمحہ اس پر شاق[1] تھا۔ اسی اثنا میں خدا نے اپنے فضل سے نعیمہ کی خانہ آبادی کی صورت بھی نکال دی۔ نعیمہ کا شوہر بڑا دیندار تھا اور اس کو بی بی ملی نعیمہ جو ان دنوں دین سے بے بہرہ اور خدا پرستی سے کلیۃً[2] بے نصیب تھی۔ ہر چند وہ نعیمہ کے حسن و صورت پر فریفتہ تھا مگر اختلافِ عادات اختلافِ عقائد ایک ایسا پردہ تھا کہ وہ دونوں میں اتحاد پیدا ہونے کا مانع تھا۔ ساس، نندیں میاں بی بی کی تہی ناموافقت کا سہارا پا کر ایسی سرخ ہو گئیں کہ نعیمہ کا رہنا دشوار کر دیا۔ اب نعیمہ کی تبدیلِ حالت کے تھوڑے ہی دن بعد صالحہ کے چچا کے گھر شادی کی تقریب پیش آئی۔ نعیمہ کو دوہرا بلاوا آیا۔ ایک تو صالحہ کے رشتہ سے دوسرا سسرال کی طرف سے کہ صالحہ کی چچازاد بہن اور نعیمہ دیورانی اور جیٹھانی بھی تھیں شادی کے مجمع میں اور عورتوں نے اپنی رات گیت گانے اور لایعنی[3] باتیں بنانے میں ضائع کی اور نعیمہ نے نماز عشا سے فارغ ہو کر جو صلوٰۃ التسبیح[4] کی نیت باندھی تو آدھی رات ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر سو کر تہجد[5] پڑھنے

---

[1] ناگوار ۱۲ [2] بالکل ۱۲ [3] بے کار ۱۲ [4] صلوٰۃ التسبیح ایک قسم کی نماز نفل ہے جس میں قیام میں پندرہ بار اور باقی چھے جگہ رکوع[1]، قومہ[2]، سجدہ[3]۔ بین السجدتین[4] سجدہ ثانیہ۔ جلوس[5] بعد سجدہ ثانیہ۔ دس دس بار سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر پڑھنا ہوتا ہے بس چار رکعتیں ایسی کوئی ایک گھنٹہ میں مشکل سے پڑھی جاتی ہیں ۱۲ [5] نماز نفل جو آدھی رات کے بعد پڑھی جاتی ہے ۱۲

کھڑی ہوئی تو صبح کر دی۔ نعیمہ کی شب بیداری اور تہجد گزاری کی خبر جب اس کے شوہر نے سُنی تو غایت درجہ محظوظ ہوا۔ اور اگرچہ وہ کبھی کبھی سسرال آتا جاتا اور اپنی ذات سے بی بی کا بڑا خیال رکھتا تھا لیکن بی بی کے بے دین ہونیکی وجہ سے اُس کو اپنی ماں بہنوں کے مقابلے میں بی بی کی طرفداری کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اب جو اس نے بی بی کا دیندار ہونا سُنا تو ڈولی لے کر دوڑا ہوا سسرال آیا۔ نعیمہ ماں کے رضامند کرنے کیلئے بے تاب تو تھی ہی شادی میں دونوں ایک جگہ جمع ہوئیں تو نعیمہ دور سے ماں کو دیکھ دوڑ کر قدموں پر گر پڑی اُدھر حمیدہ باقتضائے مہرِ مادری من جانے کیلئے بہانہ ڈھونڈھتی تھی بیٹی کو جھکتے دیکھ جلدی سے اُٹھ گلے لگا لیا۔ اور جب بہن اور بھاوج سے نعیمہ کا حال سُنا اور رات کے وقت اس کو خشوعؔ و خضوعؔ کے ساتھ عبادتِ الٰہی کرتے دیکھا تو اس نے نہ صرف بیٹی کی خطا سے درگزر کی بلکہ پہلے سے زیادہ ریجھ ریجھ کر اس کو پیار کیا۔ اور جب شادی کے مہمان رخصت ہوئے تو بہن بھاوج کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے بیٹی کو اپنے ساتھ گھر لیوا لائی اور محلے کی بیبیوں کو جمع کر کے ایک ایک سے ملوایا۔ ادھر نعیمہ ساری بیبیوں

لہ خوش ۱۲ ؎ عاجزی ۱۲ ؎ نعیمہ نے حمیدہ کو نماز پڑھتی کو ڈھکیل دیا تھا اور تخت کی کیل لگ گئی تھی بہت سا خون نکلا تھا اُسی کا داغ تھا ۱۲

میں بہ کشادہ پیشانی اپنے قصور کا اظہار کر کرکے کبھی تو ماں کے پاؤں پر سر رکھ رکھ دیتی تھی۔ اور کبھی حمیدہ کو گود میں لے لے کر پیار کرتی اور اس کی پیشانی پر جہاں کیلی[1] کا داغ تھا بوسے دیتی تھی۔ کبھی بیدار اکو بُلا بُلا کر پاس بٹھاتی اور ڈلتی کے بدلے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑتی تھی۔ آج شام کو نعیمہ ماں کے گھر آگلے دن بڑے سویرے اس کا میاں ڈولی لے آموجود ہوا نعیمہ چھنڈے سسرال جا کر رہی تو نہ صرف میاں بلکہ ساس نندیں سارا کنبہ اُس کی نیکی کا مرید و معتقد تھا نعیمہ کو اپنے گھر آئے دوسرا مہینہ تھا کہ کلیم اس حالت سے کہ اوپر بیان کی گئی بہن کے یہاں پہنچا بھائی کی ایسی ردی حالت دیکھ کر بہن پر اور بہن بھی کیسی خدا ترس جو صدمہ ہوا قابل بیان نہیں۔ کلیم اُسی کیفیت سے بہن کے گھر رہا۔ ایک چھ دو دو ڈاکٹر شہر کے نامی جراح مل کر اس کا علاج کرتے تھے مگر اس کے زخموں کا لگار کم نہ ہوتا تھا۔ صبح و شام تھوڑی دیر کے لئے کبھی کبھی اس کو ہوش آجاتا تھا اور ضرور اُس سے سمجھا ہوگا کہ کہاں ہے اور کون لوگ اس کی تیمار داری[2] کر رہے ہیں لیکن اس کی ناتوانی اور نقاہت دیکھ کر کوئی اس سے کسی قسم کا تذکرہ نہیں کرتا تھا۔ باتیں کرتے تھے تو تسلّی و تشفی کی یہاں تک کہ زخموں کا فساد انتہا کو پہنچ گیا اور اس کی مدّتِ حیات پوری ہو چکی۔ مرنے سے ایک دن پہلے اُس

---

[1] نعیمہ نے حمیدہ کو نماز پڑھتی کو ڈھکیل دیا تھا اور تخت کی کیلی لگ گئی تھی بہت سا خون نکلا تھا اسی کا داغ تھا ۱۲ [2] تیمار دار کے معنی علاج پس تیمار دار وہ لوگ جو مریض کو دوا بنا کر دیں اُس کی خدمت کریں ۱۲

کی حالت یکایک ایسی بہتر ہوگئی کہ وہ اچھی خاصی طرح آپ سے آپ اٹھ کر بیٹھ گیا اور خلافِ عادت اس نے فرمائش کر کے دو گوشت پلاؤ پکوایا اور تندرستوں کی طرح کھایا اور گھر والوں کے ساتھ بہت دیر تک پکار پکار کر باتیں کرتا رہا۔ اس نے اپنے تمام حالات جب سے کہ وہ گھر سے نکلا اور جب تک وہ مجروح ہو کر پھر دہلی آیا ذرا ذرا بیان کئے اور بھائی بہن ایک ایک کر کے سب کا حال پوچھا۔ اس وقت وہ اپنے افعال پر تاسف کر کے اتنا رویا کہ اس کو غش آگیا۔ بڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اس نے ماں سے کہا کہ آج کی غیر معمولی توانائی جو تم مجھ میں دیکھتی ہو میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری توانائی ہے۔ خون جو مدارِ حیات ہے مطلق میرے بدن میں باقی نہیں رہا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ شاید میری ہڈیوں کے اندر کا گودا بھی پگھل پگھل کر فنا ہو چکا ہے۔ گو تم لوگ میری تقویت کی نظر سے تسلّی اور تشفّی کی باتیں کرتے ہو مگر میں سمجھ چکا ہوں کہ میں اس مرض سے جان بر[۱] ہونیوالا نہیں۔ میں اپنے مرنے کو ترجیح دیتا ہوں اس نالائق زندگی پر جو میں نے بسر کی۔ اگرچہ میں نے اپنی زندگی خرابی اور رسوائی اور فضیحت۔ اور والدین[۲] کی نارضامندی۔ اور خدا کی نافرمانی میں کاٹی اور ایسی ایسی ہزاروں لاکھوں زندگیاں ہوں تو اس نقصان کی تلافی[۳] کی امید

---

۱ بچنے والا ۱۲ ۲ ماں باپ ۱۲ ۳ معاوضہ ۱۲

نہیں جو اس چند روزہ زندگی میں مجھ کو اپنی بدکرداری سے پہنچا۔ مگر مجھ کو تین طرح کی تسلّی ہے۔ اوّل یہ کہ میں مرتا ہوں تائب۔ نادم۔ خجل۔ پشیمان متاسف دوسری یہ کہ سفر عاقبت شروع کرتے وقت ایسے لوگوں میں ہوں جو اس راہ کے منزل شناس اور میرے دل سوز اور ہمدرد اور شفیق اور مہربان حال ہیں تیسرے یہ کہ غالباً میری زندگی دوسروں کے لئے نمونہ یا عبرت ہوگی کہ اس صورت میں گو اپنی زندگی سے میں خود مستفید نہیں ہوا۔ لیکن اگر دوسروں کو کچھ نفع پہنچے تو میں ایسی زندگی کو رائگاں اور عبث نہیں کہہ سکتا۔ مصرع۔

من[۱] نہ کردم شما حذر بکنید

اب مجھ کو دنیا میں سوائے اس کے کوئی آرزو باقی نہیں کہ میں ابا جان سے اپنا قصور معاف کرالوں۔ یہ کہہ کر اس پر بڑے زور کی رقت طاری ہوئی۔ بے چارے کی طاقت تو مدتوں سے سلب[۲] ہو ہی چکی تھی رونا تھا کہ بیہوش ہو گیا اور اسی بیہوشی میں اس کا سانس اکھڑ گیا اور لگا ہاتھ پاؤں توڑنے نبضیں چھوٹ گئیں ہچکیاں لینے لگا ناک کا بانسا پھر گیا۔ عورتیں تو یہ حال دیکھ کر رونے پیٹنے لگیں باہر مردانے سے نصوح دوڑا آیا اور عورتوں کو علیحدہ کر کے جزع[۳] فزع کرنا شروع سے

۱؎ میں نے تو نہیں کیا مگر تم پرہیز کرو ڈرو ۱۲ ۲؎ یعنی زائل ہو چکی تھی ۱۲
۳؎ بے قراری بے صبری ۱۲

منع کیا اور صبر جمیل[1] کی تلقین[2] کی اور بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر یٰسین[3] پڑھنی شروع کی۔ منہ میں شربت ٹپکایا اور اس کو قبلہ رُو لٹایا۔ کلمہ پڑھ کر سنایا شربت کا حلق سے اترنا تھا کہ کلیم نے آنکھیں کھول دیں اور باپ کو نگاہِ حسرت[4] آلود سے دیکھ کر اُس نے ہاتھ جوڑے اور اسی حالت میں اس نے جان بحق تسلیم کی مصرعہ

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اس میں شک نہیں کہ اگر کلیم بچ جاتا تو وہ نیکی اور دینداری میں اپنے سب بھائی بہنوں پر سبقت[5] لے جاتا۔ اس نے مصیبتیں اٹھا کر اپنی رائے کو بدلا تھا اور آفتیں جھیل کر تنبیہ حاصل کیا تھا۔ پس وہ مجتہد[6] تھا اور دوسرے مقلد[7] وہ محقق[8] تھا اور دوسرے ناقل[9]۔ اس کا سا انجام خدا سب کو نصیب کرے کلیم کا جوان مرنا ایک ایسی بھاری موت تھی کہ ماں باپ تو دونوں گویا اس کے ساتھ زندہ درگور ہو گئے۔ بھائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ بہنوں کے سر سے ایک بڑا سرپرست اٹھ گیا۔ لیکن بہ تقاضائے دینداری سب نے

۱؎ وہ صبر جس پر ثواب ملتا ہے ۱۲ ۲؎ تعلیم ۱۲ ۳؎ یٰسین قرآن کی ایک صورت ہے اس کو مرنے کے سرہانے جان کنی کے وقت پڑھتے آسانی کے ساتھ جان نکلتی ہے ۱۲ ۴؎ حسرت کی بھری ہوئی یعنی اس کی آنکھوں سے حسرت ظاہر ہوتی تھی ۱۲ ۵؎ یعنی آگے بڑھ جانا ۱۲ ۶؎ جو دلیل کے ساتھ ایک بات کا قائل ہو ۱۲ ۷؎ بے دلیل دوسرے کی پیروی کرنے والا ۱۲ ۸؎ صاحب تحقیق ۹؎ نقل کرنیوالا ۱۲

صبر جمیل کیا اور ہر شخص نے بجائے خود عبرت پکڑی۔ کلیم کے ساتھ نصوح کی وہ کوششیں بھی تمام ہوئیں جو اُس کو اصلاح خاندان کے لئے کرنی پڑتی تھیں کیونکہ کلیم مرحوم کے سوائے چھوٹے بڑے سب اس کی رائے میں آچکے تھے یا تو ابتداءً علیم کے انٹرنس پاس کرنے کے لالے پڑے تھے یا اس نے بی اے[1] پاس کیا۔ ایک سے ایک عمدہ نوکری گھر بیٹھے اس کے لئے چلی آتی تھی مگر اس نے نیک نہادی[2] کی وجہ سے سررشتہ تعلیم کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ ہم وطنوں کو نفع پہنچانے کا قابو ملے۔ سلیم بڑا ہو کر طبیب ہوا تو کیا حاذق[3] کہ آج جو دلی کے بڑے نامی طبیب ہیں اسی کی بیاض کے نسخوں سے مطب کرتے ہیں۔ رہی ولیہ مادرزاد حمیدہ قرآن اس نے حفظ کیا حدیث اس نے پڑھی اور اگر سچ پوچھئے تو شہر کی مستورات میں جو کہیں کہیں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہے یا عورتیں خدا رسول کے نام سے واقف ہیں یہ سب بی حمیدہ کی بدولت ۔

جَزَاهَا[4] اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاء

---

[1] انگریزی کالج کا آخری درجہ ۱۲ [2] نیک ذاتی ۱۲ [3] لائق جس کی تشخیص خطا نہ کرے ۱۲ [4] خدا اس کو ہم لوگوں کی طرف سے بہتر بدلہ دے ۱۲ ۔

خاتمۃ الطبع

والد مرحوم و مغفور کی زندگی میں اتنی مانگ ان کی تصنیفات کی نہ تھی۔ جتنی کہ اب ہے والد مرحوم کو اپنی کتب کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی لوگ اُن سے اجازت لے کر چھاپتے اور متمتع ہوتے تھے بعض اہلِ مطابع نے بلا اجازت بھی چھاپ لی۔ کچھ ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کتنے ایڈیشن اور کس تعداد میں نکلے۔ مطبع منشی نولکشور کی چھپی ہوئی ایک کتاب پر چودھواں ایڈیشن وہ بھی ساڑھے سات ہزار دیکھا جو لوگ محض تجارتی نقطہ نظر سے چھاپتے تھے ان کو اچھے بُرے سے کچھ مطلب نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کم سے کم دام تحصیلیں چنانچہ میں نے مراۃ العروس کا ایک ایڈیشن ڈھائی آنے کا بھی دیکھا ہے۔ اس پر تے سے سمجھ لیجئے کہ کیسا کاغذ ہوگا اور کیسی کتابت غرض ناقدر دانوں نے دل بھر کرستیا ناس کیا۔ جب سے میں ملازمت سے سبکدوش ہوا ہوں میں نے کتابوں کو اپنے قابو میں کیا اور خود چھپواتا ہوں اور دل کھول کر روپیہ لگاتا ہوں کاغذ لکھائی چھپائی سب اعلےٰ درجہ کی دیکھ لیجئے۔ بس ایسے نسخے کی قیمت بھی زیادہ ہونا چاہیئے۔ خصوصاً جب کاغذ کی نرخ پنجگونہ اور کتابت صحت کا دگنا غرض ہر چیز گراں ہے۔ بہرحال جس پایہ کی کتاب ہے

ویسی ہی چھپنی چاہیئے یہ کتاب فرطِ شہرت سے محتاج توصیف و تقریب نہیں۔ اس کی مقبولیت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سول سروس کے امتحان میں داخل ہے اور مدارس سرکاری میں بھی کلاً یا جزواً پڑھائی جاتی ہے یعنی بعض جگہ پوری اور بعض جگہ اس کے اقتباس۔ سول سروس کے امتحان کی وجہ سے نہ صرف اس کا ترجمہ انگریزی میں بنام "رو پنٹس آف نصوح"۔ ایم کمپن صاحب سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے کیا۔ بلکہ صاحب موصوف ہی نے اس کی ایک مبسوط شرح حامل السّتن بنام "کمنٹریز آن رینٹنس آف نصوح" بھی لکھی۔ گجراتی اور مرہٹی زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ دین داری اور خدا پرستی پر اس سے بہتر کوئی کتاب اُردو زبان میں دیکھنے میں نہیں آئی مصنف کی زندگی کے ساتھ بالعموم اس کی کتابوں کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے مگر مصنف مرحوم کی کتابیں آج بھی زندہ ہیں۔ گو اس کتاب کو ابتدائی شیوع سے آج چھیالیس برس ہوئے مگر خدا کی شان دیکھیے کہ آج بھی اس کے پڑھنے پڑھانے کا وہی ولولہ اور شوق ہے جیسے کہ ڈال کی ٹوٹی کسی نئی کتاب کا ہوتا ہے فقط

خاکسار

بشیر الدین احمد کان اللہ لہٗ ولوالدیہ

دہلی سنہ ۱۹ء

دلیل العارفین

سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا دیوان ہم شائع کر ہی چکے ہیں۔ اب یہ حضور کے ملفوظات شائع کئے گئے ہیں جو عرصۂ دراز سے ہم لوگ نہ دیکھ سکے تھے نہ پڑھ سکے تھے یہ ملفوظات قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے جمع فرمائے اور مرتب کئے۔ حضرت قطب صاحب کا دیوان بھی ہم چھاپ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر تصوف کی بنیادی کتب ہم شائع کر رہے ہیں۔ اور بہت سی شائع کر چکے ہیں۔

عقیدت کے یہ شہ پارے آپ بھی پڑھیئے اور عاقبت کے لئے کچھ کیجئے۔

کتابی مصر طبع۔ چکنا کاغذ۔ کتابت طباعت بہترین۔

ہدیہ مجلد تین ۳ روپے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کمہاری باؤلی دہلی

افضل الفوائد

حضور سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ کے ملفوظات مرتبہ امیر الشعرا حضرت امیر خسرو دہلوی۔

بہترین طریقہ پر پوری نیاز مندی اور عقیدت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

اردو کا ترجمہ عام فہم ہے۔

حضور محبوب الٰہی کے اوّل ملفوظات سید حسن علی سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے ترتیب کردہ فوائد الفواد کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ اس کا اردو ترجمہ ارشاد محبوب کے نام سے ہم نے شائع کیا ہے

افضل الفوائد اردو ترجمہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ہر

دو حصص کا ہدیہ چار روپے

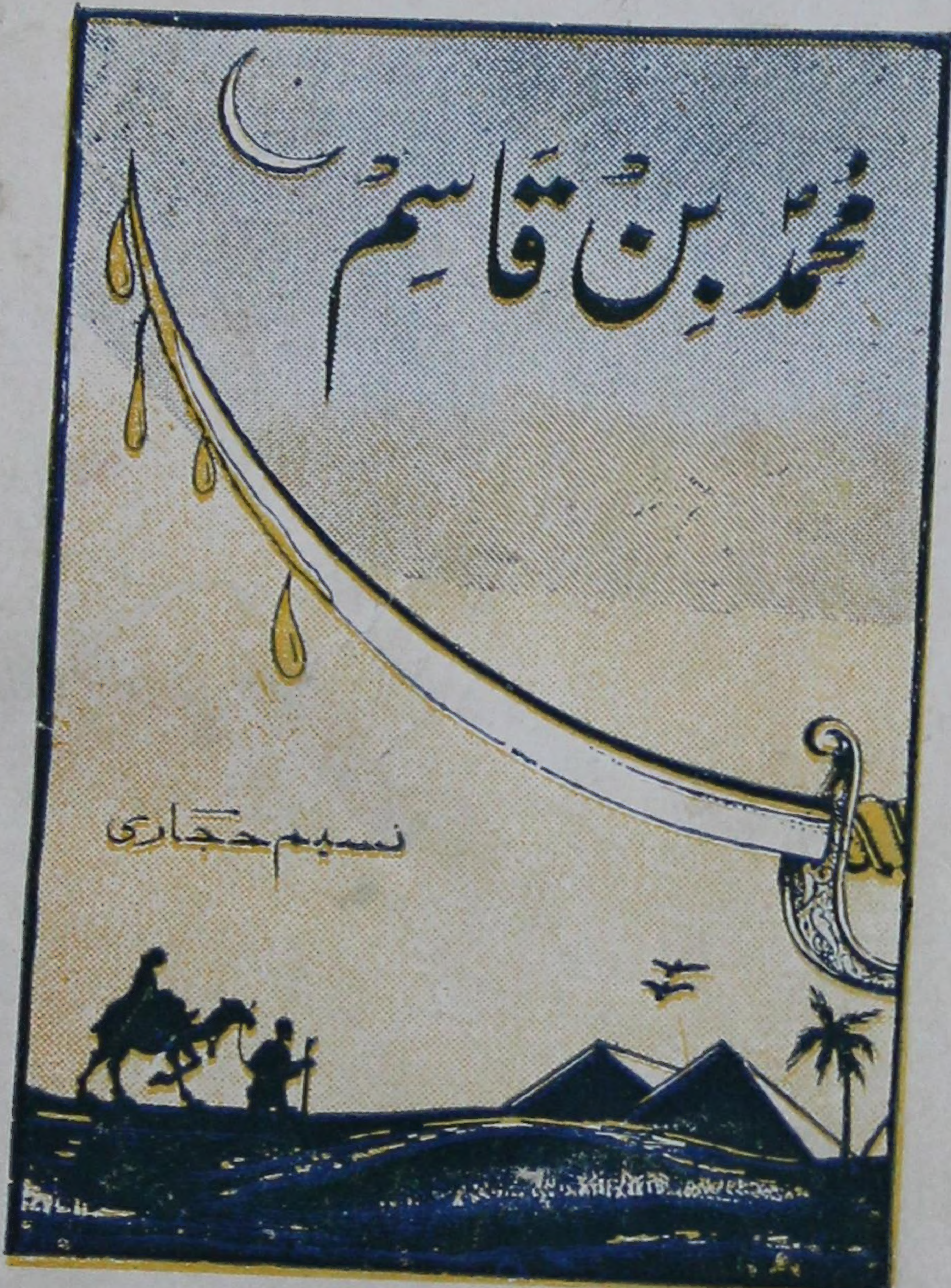
کتابی مصر طبع - چکنا کاغذ بہترین کتابت - طباعت

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی

کتابت بشیر الدین اشرف کٹ مال دروازہ شمس گنج سرکیوالان دہلی نمبر ۶

(مطبوعہ انڈیا التصویر پریس دہلی)



"مسلم منزل"
کھاری باؤلی دہلی

کتب خانہ نذیریہ

Kutub Khana
Naziria
DEHLI-6